حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ
مترجمین
محمد اشفاق خان، سید فیصل ہاشمی

حمود الرحمن کمیشن رپورٹ

مکمل تین جلدیں

المیہ مشرقی پاکستان کے سیاسی اور فوجی اسباب

سید فضیل ہاشمی، محمد اشفاق خاں، مرتضیٰ انجم

دارالشعور

37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

◈ نام کتاب : حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ (مکمل تین جلد)

◈ مترجم : سید فضیل ہاشمی، محمد اشفاق خاں، مرتضیٰ انجم

◈ اشاعت : 2012ء

◈ مطبع : طیب شمشاد پرنٹرز، لاہور

◈ برائے : دارالشعور

37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

اہتمام: محمد عباس شاد
0300-9426395

فون: 042-37239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com
www.darulshaour.com

عرضِ ناشر

پاکستان صرف چوبیس سال بعد اپنی سلور جوبلی کا جشن منانے سے پہلے دولخت ہوکر پاکستانی قوم کو ایک عظیم سانحہ سے دوچار کر گیا۔ آج اس واقعہ پر کئی دھائیاں بیت چکیں ہیں۔ لیکن یہ طے نہیں ہوسکا کہ یہ سانحہ کیوں رونما ہوا اور اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اس وقت کی سیاسی قیادت پر! جس نے مشرقی پاکستان کے بارے میں بے اعتنائی کا رویہ اختیار کئے رکھا یا اس وقت کی فوجی قیادت پر جس نے سازشی عناصر کی سرگرمیوں کے سدباب کے لیے مناسب حکمت عملی اختیار نہ کی۔ اور آرمی ایکشن اس وقت کیا گیا جب صورتحال انتہائی سنگین ہو چکی تھی۔ حالات کو اس نہج تک پہنچانے کے لیے دشمن طاقتوں نے متحد ہوکر بنگالی عوام کے ذہنوں میں مغربی پاکستان کے لیے نفرت کے بیج بوئے اور انہیں بغاوت پر آمادہ کیا۔ کسی نے حقوق کی جنگ لڑی تو کسی نے مفادات کی، کوئی آزادی کا علمبردار بنا تو کوئی غداری کا مرتکب ٹھہرا۔ کوئی منظر پر رہا تو کوئی پس منظر میں، لیکن اب اس وقت کی صورت حال کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد کافی حد تک حقائق واضح ہوگئے ہیں۔ کمیشن نے ان عوامل کو بے نقاب کرنے کی بے حد کوشش کی ہے۔ جن کی وجہ سے ملک دولخت ہوا اور تاریخ انسانی کے وہ ہولناک واقعات رونما ہوئے جن کو پڑھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ ان واقعات کا ظہور انسانوں بلکہ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک کے محافظوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے۔ رپورٹ کا ایک ایک صفحہ چشم کشا اور معلومات افزا ہے۔

''حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ'' کو حکومت پاکستان کی طرف سے اوپن کرنے کے اعلان کے ساتھ ہی مارکیٹ میں اس کی تلاش شروع ہوگئی اور ادھر ساتھ ہی مارکیٹ میں

نظر آنے لگیں جن میں ''حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ'' کے نام پر بے شمار کتابیں
ادھر ادھر کا مواد بھر دیا گیا تھا جس سے ایک قاری کی تشفی نہیں ہوتی تھی لیکن ''حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ'' تو نہیں تھی ضرورت اس امر کی تھی کہ اصل ''حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ'' کو شائع کیا جائے۔ لہٰذا اس امر کو ممکن بنانے کے لیے دارالشعور نے کمر ہمت باندھی کہ اس سلسلہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے، اس لیے ہم نے ستمبر 2000ء میں ''حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ'' کی پہلی جلد شائع کر دی جس میں بعض تمہیدی مضامین کے علاوہ ''حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ'' کے روبرو جرنیلوں کے بیانات اور ان کا ردعمل اور انڈیا کے بعض قومی اخبارات میں ''حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ'' کے بعض شائع ہونے والے اقتباسات بھی شامل کیے گئے۔ یہ کتاب تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل تھی۔ اسے معروف محقق جناب مرتضیٰ انجم نے مرتب کیا تھا، اسے بے حد سراہا گیا اور مزید جلدوں کی مانگ جاری رہی۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسری اور تیسری جلد شائع کر کے دارالشعور نے ملک بھر کے محققین اور شائقینِ تاریخ کی توجہ حاصل کر لی۔ ان دو جلدوں کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ ان کے ترجمہ اور ترتیب و تہذیب میں مشہور مترجم، محقق اور ادیب سید ہاشمی فرید آبادی کے بیٹے سید فضیل ہاشمی اور پاکستان کے معروف ترقی پسند راہنما اور جرنلسٹ مولانا محمد اشفاق خاں نے حصہ لیا تھا۔ یوں یہ اہم قومی اور تاریخی دستاویزی تین جلدوں میں مکمل ہوئی تھی۔ اس کے کئی ایک ایڈیشن تین جلدوں میں سیٹ کی شکل میں طبع ہوتے رہے۔

لیکن اب ان تینوں جلدوں کو بائینڈنگ میں تو یکجا کر دیا گیا ہے لیکن ہر جلد کی اپنی مستقل حیثیت قائم ہے۔ ہر جلد کے آغاز میں اس کا باقاعدہ ٹائٹل اور فہرست قائم رکھی گئی ہے تاہم قارئین کی معلومات اور ریسرچ سکالرز کی سہولت کے لیے کتاب کے آغاز میں تینوں جلدوں کی مکمل فہرست بھی لگا دی گئی ہے۔ کتاب پر آپ دو طرح کے صفحات ملاحظہ کریں گے، ایک نمبر صفحے کی پیشانی پر وسط میں چل رہا ہے جو ہر جلد کے اعتبار سے

ہے یعنی نئی جلد شروع ہونے پر یہ صفحات نمبر پھر نئے سرے سے شروع ہو جاتے ہیں۔
دوسرا نمبر صفحے کے نیچے دائیں اور بائیں جانب چل رہا ہے یہ صفحات تین جلدوں پر مشتمل اس مجموعے کے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں دی گئی فہرست کے صفحات اسی تین جلدوں پر مشتمل مجموعے کے ہیں جب کہ ہر ایک جلد کے شروع کی فہرست کے صفحات اسی جلد کے صفحات ہیں جو صفحے کے اوپر سینٹر میں لگے ہوئے ہیں۔

ہم اپنے کرم فرما قارئین کو اس بات سے بھی آگاہ کرتے چلیں کہ اس کتاب کی دوسری جلد کے صفحات نمبر 459,458,457 پر ''حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ ایک نظر میں'' کے عنوان سے رپورٹ کے اصل انگریزی متن کی فہرست کا ترجمہ کر کے اصل رپورٹ کے مطابق صفحات نمبر بھی درج کر دیے گئے ہیں۔ تاکہ اگر کوئی اصل متن سے استفادہ کرنا چاہے تو یہ فہرست اُن کی راہنمائی کرے گی۔

محمد عباس شاد
0300-9426395
m_d786@yahoo.com

فہرست مضامین جلد اوّل

عظیم المیہ

فہرست مضامین جلد دوئم

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ پر ایک نظر

رپورٹ قومی اخبارات کی نظر میں

حمود الرحمٰن کمیشن کیوں قائم کیا گیا؟

اسلامی تاریخ کی ذلت آمیز شکست

پاکستان کی سیاسی تاریخ (1947ء تا 1958ء)

سیاسی تصفیے سے گریز

اقتدار پر قبضہ کے منصوبے

پاک بھارت تعلقات

غیر ملکی اخبارات میں پروپیگنڈہ

نتائج

فوجی پہلو

مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن کی روداد

مشرقی پاکستان کے حالات 21 نومبر سے 3 دسمبر تک

فہرست مضامین جلد سویم

3 سے 17 دسمبر 1971ء تک جنگ کے احوال

ضمیمہ "سی" ۔۔خفیہ

اخذ کردہ نتائج

متفرقات

ضمیمہ "ب" ۔۔خفیہ

سفارشات

ضمنی رپورٹ

ضمنی رپورٹ

(حصہ دوم)

مذاکرات کے امکانات

انتظامیہ کی سویلین خطوط پر تشکیل

سروسز میں ترقیوں اور انتخاب کا نظام

ڈسپلن

مسلح افواج کو دیئے گئے فوجی اور شہری اعزازت

عام معافی کا اعلان

ضمنی انتخابات

قومی دفاع کا عسکری نظریہ

دفاعی منصوبوں کی تشکیل

ضمیمہ

مفروضات

ضمیمہ "الف"

ضمیمہ "ب"

بھارتی خطرے کا اندازہ

مسلح افواج کی تیاری کی حالت

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ

جلد اول

المیہ مشرقی پاکستان کے سیاسی اور فوجی اسباب

ترجمہ، ترتیب وتہذیب

سید فصیل ہاشمی، محمد اشفاق خان، مرتضیٰ انجم

دارُالشعُور

37 - مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

فہرست مضامین جلد اوّل

حمود الرحمٰن کمیشن رو برو

جرنیلوں کا ردعمل

عظیم المیہ

حرف اول

16 دسمبر کا دن مسلمانان عالم کی ایمان افروز جدو جہد میں تاریک ترین دن کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ جب اسلامی دنیا کی ایک بڑی مملکت باطل قوتوں کے سامنے سرنگوں ہوئی اس کا سبز ہلالی پرچم جو بر صغیر میں مسلمانوں کی طویل اور شاندار روایات کا امین تھا۔ ڈھاکہ جیسے تاریخی شہر کے ریس کورس میدان میں تار تار ہوا جہاں پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ نے جنم لیا اور بر صغیر کی تاریخ کا ایک عظیم باب رقم کیا۔ لیکن یہ عظیم باب جو ہزیمت آمیز شکست کی گرد میں دھندلا گیا اور 16 دسمبر کے بعد ایک معمہ بن کر اس عظیم مملکت کی آنے والی نسلوں کے لئے سوہان روح بن چکا ہے

ہماری مایہ ناز فوج کے ان نوے ہزار جیالوں کو جنگی قیدی بننے پر مجبور ہونا پڑا جو وطن کی عظمت اور حفاظت کے لئے بپھرے ہوئے طوفانوں سے ٹکرا جانے کا عزم رکھتے تھے۔ جن کی جرأت اور دلیری اور حربی مہارت کا سارا زمانہ مداح تھا۔ جس نے 1948ء میں بے سروسامانی کے عالم میں بھی بھارتی افواج کو ایک عظیم شکست سے دوچار کیا۔ 1965ء میں دفاع وطن کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے وطن کی حرمت پہ حرف نہ آنے دیا وہ فوج 1971ء میں بھارتی افواج کے سامنے بے بس کیوں ہوئی؟

ہماری آنے والی نسلیں جب پاکستان کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کریں گی تو انہیں فوجی و سول بیورو کریسی اور سیاسی داؤ پیچ کے ماہر سیاستدانوں کے مت سوالیہ نشان بنے نظر آئیں گے جو اپنی تمام چالبازیوں کے باوجود علیحدگی پسندوں سے مفاہمت نہ کر سکے اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر شرمسار ہونے کے بجائے بنگالی مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگے کہ "بنگالی مسلمان غدار تھے۔" لیکن وہ اس حقیقت کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں کہ یہ وہی بنگالی مسلمان تھے جنہوں نے 1935ء میں مسلم لیگ کو تاریخی کامیابی سے ہمکنار کیا اور پاکستان کی منزل حاصل کرنے کے لئے عظیم قربانیاں دیں۔

ایک قوم ہونے کے جس نظریئے کے تحت ہم نے عظیم مملکت کی آزادی کا حصول ممکن بنایا آزادی کے بعد ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ اس نظریئے کی نفی کر کے دنیا کو بتایا کہ یہ اساسی نظریہ ہماری متحدہ مسلمان قومیت کا ضامن نہیں تھا۔ اگر ہم بنگالی، سندھی، پنجابی، پختون اور بلوچی چھوٹی چھوٹی قومیوں میں تقسیم تھے تو پھر علیحدہ وطن بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم بھی ہندوستان میں اپنی چھوٹی چھوٹی قومیوں کی کشتیوں میں سوار عیسائیوں، پارسیوں، سکھوں اچھوتوں اور بدھوں کے قافلے میں رواں ہو جاتے، اگر ہمیں یہ قبول نہیں تھا تو پھر پاکستان بننے کے بعد پانچ قومیوں کا احساس کس نے پیدا کیا؟

ہندوؤں کی طرف سے تحریک آزادی کی بنیاد ہی الگ قومیوں کے تصور سے انحراف پہ رکھی گئی تھی اور پاکستان بننے کے بعد بھی یہ انحراف اسی کی سیاسی مجبوری بن چکا تھا۔

بنگالی علیحدگی پسند سیاسی لیڈر بعض اقتصادی وجوہ کی بناء پر صوبائی خود مختاری کا طلب گار تھا اور آخری وقت تک کہتا رہا کہ وہ ایک پاکستان کا حامی ہے اور وہ صرف بنگالی عوام کے حقوق کی جنگ لڑ رہا ہے۔

یہ شوشہ در حقیقت مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کا چھوڑا ہوا تھا۔ کیونکہ مفادات کی دوڑ میں اپنے قومی فرائض سے بری الذمہ ہونے کی خواہش مسلسل جدو جہد

کے جذبے پر غالب آچکی تھی۔

آج بھی بعض قوتیں باقی ماندہ پاکستان کے وجود کو داؤ پر لگانے کے درپے ہیں آج پھر وہی مطالبے دوہرائے جارہے ہیں جو بنگال عوام کے حقوق کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ آج پھر وہی زبان استعمال ہو رہی ہے جو پاکستان کے اکثریتی حصہ کے گرد علیحدگی کی دیوار چن کر مشرقی پاکستان کو بھارت کی نو آبادی بنانے کا سبب بن گئی آج پھر ایسی بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا جارہا ہے جس نے برصغیر کے پر خلوص محب وطن مسلمانوں کو خون کے آنسو رلائے۔

لیکن یہ سوال آج بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ سقوط ڈھاکہ کا سانحہ کیسے رونما ہوا یہ شکست سیاسی تھی یا فوجی ؟اس سوال کے جواب کی تلاش ہی اس کتاب کا بنیادی موضوع ہے۔ اگرچہ اس سوال پر پچھلے تیس سالوں کی گرد پڑ چکی ہے پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ اس گرد کو جھاڑ پونچھ کر حقائق کی تصویر کو کسی حد تک واضح کیا جائے۔

ماضی کی حکومتوں نے ان حقائق کو منظر عام پر لانے سے چشم پوشی کئے رکھی اب موجودہ حکومت سے توقع کی جارہی ہے کہ وہ ایک کمیشن تشکیل دے جسے سانحہ کے وقت مشرقی پاکستان میں موجود اور اب تک حیات جرنیلوں اور سیاستدانوں کا اعتماد حاصل ہو اور وہ حالات و واقعات کی عرق ریزی کر کے قطعی رپورٹ مرتب کرے جو پریس کو جاری کر دی جائے کیونکہ قوموں کی زندگیوں میں ایسے غیر معمولی سانحے روز روز نہیں ہوا کرتے کہ جنہیں نظر انداز کر دیا جائے زندہ قوموں میں ان کی یاد کا دائرہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے۔

مرتضیٰ انجم

لاہور

اگست 2000ء

مزاحمت کے ناقابل بنا کر وہ جب چاہے بے دست وپا مشرقی پاکستان کو زیر کر سکتا تھا۔

1966ء کے اوائل میں لاہور میں ایک آل پارٹیز کانفرنس ہوئی جس میں شیخ مجیب الرحمن نے پہلی مرتبہ اپنے 6 نکات اس کانفرنس میں پیش کئے۔ ان میں سے دو نکات این ڈی ایف نے اپنے نئے منشور میں شامل کر لئے جو وفاقی پارلیمانی نظام اور صوبوں کو علاقائی بنیاد پر خود مختاری پر مشتمل تھے۔ لیکن این ڈی ایف کی ان تجاویز کو مغربی پاکستان میں پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ جبکہ دسمبر 1970ء کے انتخابات میں عوامی لیگ نے اسی چھ نکاتی منشور کے تحت انتخابات میں حصہ لیا اور مشرقی پاکستان میں بھاری کامیابی حاصل کی۔

پاکستان توڑنے کا آغاز

ایوب خان نے اقتدار سے رخصت ہونے سے پہلے 24مارچ1969 کو اپنے کمانڈر انچیف جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے نام ایک خط لکھا:

ایوان صدر راولپنڈی

24مارچ1969ء

مائی ڈیئر جنرل آغا یحییٰ خان!

میں انتہائی افسوس کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ملک میں سول انتظامیہ اور آئینی اختیارات غیر موثر ہو گئے ہیں۔ اگر موجودہ صورتحال اسی تشویش ناک رفتار سے بگڑتی رہی تو تمام اقتصادی نظام تباہ ہو کر رہ جائے گا اور لوگوں کیلئے مہذب اور باوقار زندگی بسر کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ لہٰذا اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں مسلح افواج سے جو ملک میں واحد موثر قانونی ذریعہ رہ گئی ہیں ملک کا نظم و نسق سنبھالنے کیلئے کہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے مسلح افواج اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ حالات پر قابو پا سکیں صرف مسلح افواج ہی امن حال کر سکتی ہیں اور ملک کو دوبارہ آئینی اور شائستگی طریقے پر ترقی کی راہ پر واپس گامزن کر سکتی ہیں۔ ہمارے بنیادی اصولوں کے مطابق مکمل جمہوریت کی بحالی اور اسے برقرار رکھنا ہمارا نصب العین ہونا چاہیئے۔ ہمارے عوام اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور بصیرت کے مالک ہیں اور وہ اپنا کردار شاندار طریقے سے ادا کر سکتے ہیں۔ یہ بڑی المناک بات ہے کہ عین اس وقت جبکہ ہم مسرت اور خوشحال مستقبل کی راہ پر رواں دواں تھے ہم بے کار ایجی ٹیشن میں مبتلا ہو گئے۔ آج اس کی خواہ کتنی ہی تعریف کیوں نہ کی جائے لیکن آنے والا وقت بتائے گا کہ یہ ہنگامہ آرائی

دیدہ و دانستہ اور منظم طریقے سے کرائی گئی ہے۔ ایجی ٹیشن نے حکومت کیلئے ناممکن بنا دیا کہ ملک میں نظم و نسق برقرار رکھا جا سکے اور شہری زندگی کا توازن قائم رکھا جا سکے۔ شہری حقوق اور عوام کے جان و مال کو تحفظ دیا جا سکے۔ انتظامیہ کے تمام اداروں اور سنجیدہ رائے عامہ کے اظہار پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا گیا۔ وفادار اور نہتے سرکاری ملازموں کو ہر قسم کی دھمکی اور بلیک میلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تمام سماجی اور اخلاقی روایات پامال ہو گئیں۔ سرکاری ادارے بے اثر اور ملک کا اقتصادی ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ گیا۔ کارکنوں اور مزدوروں کو تشدد کی راہ اختیار کرنے پر اکسایا گیا۔ دھمکیوں اور دھونس کے ذریعے تنخواہوں میں اضافہ کر دیا گیا اور دوسری مراعات حاصل کی گئیں۔ مصنوعات کی پیداوار کم رہی ہے۔ برآمدات میں سنگین کمی واقع ہوئی ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ ملک سنگین افراط زر میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس سب کی ذمہ داری ان لوگوں کے غیر ذمہ دارانہ رویئے پر ہے جنہوں نے گذشتہ چند ماہ کے دوران عوامی تحریک کے نام پر ملک کی بنیاد پر پے در پے کاری ضرب لگائی۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ بہت سے معصوم اور بے گناہ لوگ ان کے ناپاک عزائم کا نشانہ بن گئے۔

میں نے ہر حال میں اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ قوم کی خدمت کی ہے۔ مجھ سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی لیکن جو کچھ حاصل کیا گیا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو میرے کئے دھرے پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سابقہ حکومتوں کی کارکردگی پر پانی پھیرنا چاہتے ہوں گے لیکن سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ کچھ لوگ قائداعظم کے اس کارنامے پر جو انہوں نے پاکستان کی صورت میں حاصل کیا تھا پانی پھیرنے کیلئے بے چین ہیں۔

اس لئے پیچیدہ صورت حال سے نمٹنا حکومت کے بس کی بات نہیں رہی۔ اس لئے اس مرحلے پر مسلح افواج کو آگے آنا چاہیئے۔ ملک کو بیرونی جارحیت سے محفوظ رکھنا آپ کی قانونی و آئینی ذمہ داری ہے لیکن ملک کو داخلی انتشار اور بد امنی سے بچانا بھی آپ کے پیشہ وارانہ فرائض میں شامل ہے۔ قوم کو امید ہے کہ آپ ملک کی سلامتی و یکجہتی برقرار رکھنے اور

ملک میں معمول کے مطابق اقتصادی و سماجی اور انتظامی زندگی حال کرنے کے سلسلے میں اپنے فرائض کماحقہ انجام دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میں وہ صلاحیتیں ہیں جن کی بناء پر ان ذمہ داریوں سے خوبی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ آپ ایک ایسی فوج کے سربراہ ہیں جسے پوری دنیا میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پاک فضائیہ اور پاک بحریہ میں بھی آپ کے ساتھیوں کا عزت واحترام کیا جاتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو ان دونوں افواج کا تعاون بھی حاصل رہے گا اور پاکستان کی مسلح افواج ملک کو تباہی اور انتشار سے بچا سکیں گی۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں گا اگر آپ میرے یہ جذبات ہر جوان تک پہنچا دیں کہ مجھے سپریم کمانڈر کے طور پر ان سے وابستہ رہنے پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ وہ یہ بات یقیناً خوبی جانتے ہوں گے کہ اس سنگین بحران میں انہوں نے پاکستان کے محافظ کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ ان کا عمل اسلامی روایات کے مطابق ہونا چاہیے۔ خدا ان کی راہنمائی کرے میں ہمیشہ عوام کی بہبود اور خوش حالی کی کوششوں کے سلسلے میں آپ کی کامیابی کیلئے دعاگو رہوں گا۔ خدا حافظ

آپ کا مخلص

محمد ایوب خان

کہا جاتا ہے کہ جس طرح ایوب خان نے سکندر مرزا سے تحریری بیان لیا تھا کہ انہوں نے مارشل لاء نافذ کیا ہے اور جنرل ایوب خان کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا ہے۔
اسی طرح صدر مملکت ایوب خان نے افواج کے کمانڈر انچیف کو ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کیلئے کہا تھا اور یہ یقین دہانی چاہی تھی کہ وہ خود صدر مملکت کے عہدے پر متمکن رہیں گے اور ملک پر حکومت کرنے کیلئے کمانڈر انچیف ان کی مدد کریں گے۔ لیکن جنرل یحییٰ خان نے اس بات سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ یہ وہی یحییٰ خان تھے جنہیں فاتح کشمیر بنانے کیلئے عین دوران جنگ جنرل اختر ملک کو فوج کی کمان داری سے ہٹا کر انہیں کمان سونپ دی گئی تھی جب وہ

جنگ جیتنے کی پوزیشن میں تھے یہ دوست نوازی پاکستان کو خاصی مہنگی پڑی۔
ایوب خان کے رخصت ہونے پر مغربی پاکستان کے سیاسی حلقوں میں خوشی کا اظہار کیا گیا۔ لیکن مشرقی پاکستان میں ایسا ردعمل ظاہر نہ کیا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ ایوب خان اسمبلی سپیکر کو بھی اختیارات سنبھالنے کی دعوت دے سکتے تھے ایسا صرف اس لئے نہ کیا گیا کیونکہ سپیکر اسمبلی کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا۔
یحییٰ خان نے اسمبلیاں برطرف کر دیں اور اپنے ساتھی جنرل حمید کو چیف آف آرمی سٹاف (COAS) مقرر کر دیا۔ فضائی فوج کے سربراہ نور خان اور بحری فوج کے سربراہ ایڈمرل احسن کو اپنے ماتحت مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں حکمرانی کے فرائض سونپ دیئے۔
انہوں نے 14 اپریل 1969 کو (Order Provisional Constitution) نافذ کیا اور عہدہ صدارت کے فرائض بھی سنبھال لئے۔ چنانچہ اب وہ صدر جنرل محمد یحییٰ خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے۔ ان کے ساتھ جنرل عمر، جنرل ایم ایم پیرزادہ اور عطاالرحمٰن علوی ان کے وفادار ساتھی اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ یحییٰ خان ہر وقت جنرل حمید سمیت ان چاروں کے حصار میں قید رہتے اور مسائل کو اس عینک سے دیکھتے جو ان کے ساتھی انہیں دکھاتے۔
اگرچہ ایئر مارشل نور خان مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔ لیکن صدر یحییٰ خان کے مشیروں اور سینئر بیوروکریٹس ایم ایم احمد اور غلام اسحاق خان کی نگرانی میں ہوتے۔ جبکہ مشرقی پاکستان میں ایڈمرل احسن کو راہ راست پر رکھنے کا کام جنرل راؤ فرمان کو سونپا گیا۔
جنرل یحییٰ خان نے وسط اپریل میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے سیاسی راہنماؤں سے رابطے کئے تو تقریباً سبھی سیاسی راہنماؤں نے دست تعاون دراز کیا اور ایوان صدر کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا ان سیاست دانوں میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ذوالفقار علی بھٹو، جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد اور پاکستان مسلم لیگ کے میاں ممتاز دولتانہ شامل ہیں۔ انہوں نے

صدر یحییٰ خان کو مشورہ دیا کہ ملک کے لئے نیا دستور نہ بنایا جائے بلکہ 1956 کا دستور ہی نافذ کر دیا جائے۔ نورالامین اور نواب زادہ نصر اللہ خان بھی دیگر راہنماؤں کے ہم خیال تھے۔

مشرقی پاکستان سے مولانا عبدالحمید بھاشانی نے اپنے طور پر کسی قسم کی (Commitment) کے بغیر آل پارٹیز کانفرنس کی تجویز پیش کی۔ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن نے ریفرنڈم کی تجویز پیش کی اور کہا کہ One unit اور Parity جسے 1956ء کے آئین میں بنیادی حیثیت حاصل تھی کے بارے میں قوم سے فیصلہ لیا جائے شیخ مجیب الرحمٰن چاہتے تھے کہ One unit توڑ کر مغربی پاکستان کو چار صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر صوبے کو اس کی آبادی کے لحاظ سے قومی اسمبلی میں نمائندگی دی جائے۔ شیخ مجیب الرحمان کا خیال تھا کہ 1956 کا آئین مشرقی پاکستان پر ٹھونس دیا گیا تھا اور مشرقی پاکستان کی نمائندگی کو غیر منصفانہ طور پر مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں یعنی One unit کے نمائندوں کی تعداد پر محدود کر دیا گیا تھا۔

صدر یحییٰ خان نے ریفرنڈم کرانے کی بجائے ایک فرمان کے ذریعے One unit توڑ دیا۔ One unit توڑنے اور Parity کا اصول ختم کرنے سے مشرقی پاکستان کو قومی اسمبلی میں ہمیشہ کیلئے اکثریت حاصل ہو جاتی تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ مغربی پاکستان کے کسی لیڈر نے قابل ذکر احتجاج نہ کیا اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ون یونٹ کی تشکیل سے عوام کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا اور اس کے فوائد ایک خاص طبقے کو حاصل رہے۔ اور خاص طور پر وہ طبقہ جو صوبائی دار لحکومت لاہور کے پاس رہائش پذیر تھا۔ صوبائی حکمران اور راہنما بھی ون یونٹ کے خلاف تھے کیونکہ اس سے ان کی مقامی چودھراہٹ متاثر ہوتی تھی۔ چنانچہ ون یونٹ ٹوٹ جانے سے ان کی چوہدراہٹ حال ہو گئی یحییٰ خان اور ان کے حواریوں نے اسے جمہوریت کی طرف ایک قدم قرار دیا۔ لیکن یہ ایسا قدم تھا جس نے ملک پر ہولناک اثرات مرتب کئے۔

28 مارچ 1970ء کو صدر یحییٰ خان نے ایک لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا جس کا مقصد قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کروانا تھا۔ آرٹیکل 24 کے تحت قومی اسمبلی کو

پاکستان کیلئے آئین کا مسودہ ایک بل کی شکل میں منظور کرنا تھا اور اگر وہ 120 روز میں ایسا نہ کر سکے تو قومی اسمبلی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدر یحییٰ خان اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کیلئے حیلے بہانے تلاش کر رہے تھے۔

یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی دونوں بڑی جماعتوں پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کی مخالف سیاسی جماعتوں کو مضبوط بنانے پر خصوصی توجہ دی اور دونوں بڑی جماعتوں کو کمزور کرنے کیلئے اقدامات کئے انہوں نے عوامی لیگ کو تین گروپوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی اور یحییٰ خان کی خواہش پر نظام اسلام پارٹی' عوامی لیگ (نصر اللہ گروپ) اور قومی جمہوری محاذ پر مشتمل پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی کے نام سے سیاسی اتحاد قائم ہوا۔ اسی طرح مشرقی پاکستان میں نورالامین کی سربراہی میں ایک اتحاد قائم کیا گیا۔

مشرقی پاکستان میں تشدد کے واقعات رونما ہونے لگے۔ 12 اپریل کو پلٹن میدان میں کنونشن لیگ کے راہنما فضل القادر جب واپس جانے لگے تو مشتعل بنگالی نوجوانوں کے گروپ نے ان کی گاڑی کا گھیراؤ کر کے پتھراؤ کیا اور زبردست ہنگامہ آرائی کی جس کے نتیجے میں 12 افراد زخمی ہو گئے اسی قسم کا ایک واقعہ 9 اپریل کو باریسال میں قیوم لیگ کے جلسے میں بھی پیش آ چکا تھا۔ اس طرح کے واقعات نے مغربی پاکستان کے سیاست دانوں کو باور کرا دیا کہ چھ نکات کے مخالفین مشرقی پاکستان آئے تو ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ صوبائی حکومت ہنگامہ آرائی کرنے والوں کے سامنے بے بس ہو چکی تھی تو مرکزی حکومت کو ایسے واقعات کی روک تھام کیلئے اقدامات کرنے چاہیں تھے۔ لیکن مرکزی حکومت نے ایسے واقعات سے چشم پوشی کئے رکھی۔ بلکہ انتخابات کے انعقاد سے قبل سندھ سے پیر پگاڑو' محمد خان جونیجو اور مخدوم زادہ حسن محمود عوامی لیگ کی طرف سے انتخابی امیدوار ہوتے تو کامیاب ہونے کے امکانات ہو سکتے تھے لیکن ایوان صدر کے الیکشن سیل نے خصوصی ایلچی کے ذریعے ان تینوں راہنماؤں کو عوامی لیگ چھوڑنے پر آمادہ کیا اور انہیں قیوم لیگ میں شامل کیا۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے خلاف مولانا بھاشانی کے ہاتھ مضبوط کئے جا رہے تھے

تو مغربی پاکستان میں جنرل عمر کے ذریعے خان قیوم پر نوازشات کی جارہی تھیں۔ کیونکہ یحیٰ خان چاہتے تھے کہ مغربی میں خان قیوم ایک مضبوط لیڈر بن کر ابھریں اس سے پہلے نواب زادہ نصر اللہ خان مغربی پاکستان میں عوامی لیگ سے الگ ہو کر اپنا گروپ قائم کر چکے تھے۔ ان حالات میں عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان میں اپنی پارٹی کی طرف سے امیدوار نامزد کرنے میں دلچسپی نہ لی ہو سکتا ہے کہ اسی طریقے سے پیپلز پارٹی کو مشرقی پاکستان میں حصہ لینے سے روک دیا گیا ہو۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے تو باقاعدہ بندوبست کر رکھا تھا کہ عوامی لیگ کے علاوہ کسی اور پارٹی کا کوئی امیدوار الیکشن میں حصہ نہ لے سکے۔

28 جون 1970ء کو مولانا بھاشانی نے ممتاز دولتانہ سے فون پر رابطہ کیا اور مشورہ دیا کہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک سیاسی اتحاد کا قیام عمل میں لایا جائے لیکن عوامی لیگی بنگالیوں نے حالات اس قدر خراب کر دیئے کہ کوئی بھی سیاست دان مشرقی پاکستان میں جا کر شیخ مجیب کے چھ نکات پر تنقید کرنے کو تیار نہ تھا۔

یکم جولائی کو شیخ مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ وہ مشرقی پاکستان کو دفاعی لحاظ سے مضبوط اور معاشی اعتبار سے خود کفیل بنانا چاہتے ہیں انہوں نے حکومت سے فوجی یونٹوں میں اضافہ کا بھی مطالبہ کیا۔ تاکہ مشرقی پاکستان کے زیادہ سے زیادہ نوجوان فوجی تربیت حاصل کریں۔

5 جولائی کو ولی خان نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے الزام لگایا کہ قیوم خان نے ایک اعلیٰ فوجی افسر کے ذریعے موجودہ حکومت کو تجویز پیش کی کہ ملک میں انتخابات ضرور کرائے جائیں لیکن انتخابات کے بعد ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ آئین ساز اسمبلی مقررہ مدت میں آئین تیار نہ کر سکے اور مدت پوری ہونے کے بعد فوجی حکومت اعلان کر دے کہ سیاست دانوں نے عوام کو مایوس کیا ہے لہٰذا ملکی امور موجودہ حکومت ہی چلاتی رہے گی۔

جب انتخابات ہوئے تو اس کے نتائج حکومت اور سیاسی جماعتوں کیلئے حیران کن

تھے ملک سیاسی طور پر تین حصوں میں تقسیم ہو گیا مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کو سندھ اور پنجاب میں بھاری کامیابی حاصل ہوئی۔ مشرقی پاکستان پر مکمل طور پر عوامی لیگ قابض تھی جبکہ سرحد اور بلوچستان پر نیشنل عوامی پارٹی اپنا سکہ جمائے ہوئے تھی۔

سرحد میں مسلم لیگ قیوم گروپ کو چند سیٹیں حاصل ہو گئیں اور یہ جماعت تمام تر سرکاری حمایت کے باوجود انتخابات میں بُری طرح شکست کھا گئی۔

انتخابات کے بعد مشرقی پاکستان کی صورتحال انتہائی تشویش ناک ہو گئی۔ انٹر سروسز انٹیلی جینس (ڈھاکہ آفس) اور انٹیلی جینس بیورو (ڈھاکہ) کی رپورٹوں میں صاف طور پر کہا گیا تھا کہ اگر حکومت نے انتقال اقتدار کے مرحلے کو جلد مکمل نہ کیا تو صورتحال بہت زیادہ بگڑ جائے گی۔ شیخ مجیب الرحمٰن پر عوام کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ وہ یکطرفہ طور پر اعلان آزادی کر دیں۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے 10 جنوری کو اپنی رہائش گاہ کے باہر جمع ہونے والے بنگالی ورکروں کو کہا کہ ”تمہیں بنگلہ دیش مبارک ہو اگر تم لوگ عوامی لیگ کو اس قدر بھاری مینڈیٹ سے کامیاب نہ کراتے تو تم کو وہ (مغربی پاکستان والے) کتے کی موت مار دیتے“۔

مشرقی پاکستان کے گورنر احسن نے 10 جنوری 1971 کی شام ڈھاکہ سے صدر یحیٰ خان کو ایک ٹاپ سیکرٹ رپورٹ بھیجی جس میں کہا گیا تھا کہ کسی قسم کی تاخیر کئے بغیر فوجی قیادت شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کرے اور عوامی لیگ کو باور کرایا جائے کہ اس کی بھارت نواز پالیسی کے باعث حکومت انتہائی اقدام پر مجبور ہو جائے گی۔ چنانچہ 12 جنوری کو شیخ مجیب الرحمٰن نے ایوان صدر میں یحیٰ خان سے ملاقات کی۔ یحیٰ خان نے شیخ مجیب الرحمٰن سے کہا کہ تم کامیاب تو ہو ہی چکے ہو اس لئے بہتر ہو گا کہ اپنے منشور میں تبدیلیاں کر کے اسے مغربی پاکستان کے لئے بھی قابل قبول بناؤ۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے جواب دیا سر! آپ بتائیں کہ چھ نکات میں خرابی کیا ہے۔ یحیٰ خان نے مشورہ دیا کہ وہ اس سلسلے میں مغربی پاکستان کے قائدین سے رابطہ کریں۔

اس سے پہلے 3 جنوری کو عوامی لیگ نے ریس کورس گراؤنڈ میں جشن فتح منانے کیلئے ایک جلسہ عام کے پروگرام کا اعلان کیا۔ اس جلسہ میں سٹیج پر عوامی لیگ کے تمام منتخب اراکین سیاہ واسکٹ اور کندوں پر گرم شالیں رکھے موجود تھے اور شیخ مجیب الرحمٰن نے ان تمام اراکین سے حلف لیا کہ اگر ان میں سے کوئی بھی چھ نکاتی پروگرام سے منحرف ہوا تو عوام اسے زندہ دفن کر دیں گے۔

اس کے بعد 27 جنوری سے 30 جنوری زیڈ اے بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن کے درمیان مذاکرات ہوتے رہے۔ عوامی لیگ کے راہنما ڈاکٹر کمال کا کہنا تھا کہ مذاکرات کے دوران زیادہ تر زور اس بات پر رہا کہ اقتدار میں پیپلز پارٹی کا حصہ کیا ہو گا۔ بھٹو کا کہنا تھا کہ چھ نکاتی پروگرام وفاقی طرز حکومت کے منافی ہے اور کنفیڈریشن کے مطابق ہے مسٹر بھٹو نے ڈھاکہ میں انٹر کانٹی نینٹل میں پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ وہ چھ میں سے ساڑھے پانچ نکات تسلیم کرتے ہیں۔

13 فروری کو اعلان کیا گیا کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس 3 مارچ کو ڈھاکہ میں ہو گا۔ بھٹو نے آئین ساز اسمبلی میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا ان کا خیال تھا کہ چھ نکات میں ردو بدل اور مفاہمت کے بغیر ان کا ڈھاکہ جانا بے سود تھا۔ انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی چھ نکات کو تسلیم کرنے پر جس حد تک تیار ہو سکتی تھی انتہائی طور پر اپنا موقف بیان کر چکی ہے اور موجودہ حالات میں ہم ڈھاکہ میں آئین مرتب کرنے کے بجائے آئین کو تسلیم کرنے نہیں جا سکتے۔

دوسری طرف مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے اجلاس میں شرکت کیلئے تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں۔ مجیب الرحمٰن نے اپنے چند ساتھیوں کو بھارت بھیج دیا تاکہ وہ اجلاس ملتوی ہونے کی صورت میں مسلح جدوجہد کر سکیں۔

19 فروری کو صدر یحییٰ خان نے بھٹو سے ملاقات کی جو پانچ گھنٹے جاری رہی بھٹو نے کہا کہ عوامی لیگ کرنسی، امور خارجہ اور ٹیکسوں کے متعلق مجوزہ دفعات میں ردوبدل کرے تو ہم تعاون کرنے کو تیار ہیں لیکن تمام کوششوں کے باوجود قومی اسمبلی کے اجلاس کا

انعقاد ممکن نہ رہا اور اجلاس ملتوی کر دیا گیا تاکہ دونوں بازوؤں کے لیڈر افہام و تفہیم کے ذریعے کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

مشرقی پاکستان میں امن و امان کی صورتحال پہلے ہی مقدر تھی ہڑتال کے دوران جلسے جلوس کے علاوہ آتش زنی اور لوٹ مار کے واقعات بھی رونما ہوئے یہاں تک کہ ڈھاکہ میں کرفیو لگانا پڑا۔ صدر یحییٰ خان نے آئینی الجھاؤ دور کرنے کیلئے 10 مارچ کو منتخب سیاسی راہنماؤں کی کانفرنس طلب کر لی اور کہا کہ کانفرنس کے بعد دو ہفتے کے اندر قومی اسمبلی کا اجلاس بلا لیا جائے گا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کانفرنس میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یحییٰ خان سے وعدہ کر چکے تھے البتہ نور الامین اور شیخ مجیب الرحمٰن نے دعوت مسترد کر دی۔ اس سے صدر یحییٰ خان کی کوششوں کو دھچکا لگا۔ انہوں نے 6 مارچ کو اپنی نشری تقریر میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے اقتدار کی پُرامن منتقلی کیلئے جو بھی کوششیں کیں بعض سیاستدانوں نے اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ مشرقی پاکستان میں تخریبی عناصر گلیوں بازاروں میں نکل آئے اور بے گناہ لوگوں کے جان و مال پر حملے شروع کر دیئے۔ پہلے یہ تاثر دیا گیا کہ وہ کانفرنس کو ناپسند نہیں کریں گے لیکن بعد میں شرکت سے انکار کر دیا۔ یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کا اجلاس 25 مارچ کو طلب کر لیا۔

6 مارچ کو صدر یحییٰ خان نے جنرل ٹکا خان کو مشرقی پاکستان کا گورنر نامزد کر دیا اگلے روز شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک بڑے جلسہ عام میں 25 مارچ کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کیلئے پیشگی شرائط رکھ دیں وہ شرائط یہ تھیں:

۱۔ ملک سے مارشل لاء اُٹھا لیا جائے۔
۲۔ فوج بیرکوں میں واپس جائے۔
۳۔ اقتدار عوام کے نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے۔
۴۔ مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان فوج بھجوانے کا سلسلہ بند کیا جائے۔
۵۔ امن و امان کی صورتحال بہتر بنانے کا فرض بنگالی پولیس کو سونپ دیا جائے۔

مشرقی پاکستان میں فائرنگ کے واقعات کی تحقیقات کرائی جائے۔

۶۔ اسی جلسہ میں شیخ مجیب الرحمن نے تحریک عدم تعاون کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ ٹیکس نہ دیں۔ سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں ہڑتال کی جائے۔ تعلیمی ادارے بند رکھے جائیں۔ بنک یا دیگر ذرائع سے رقوم مغربی پاکستان نہ بھیجی جائیں۔

ڈھاکہ میں خانہ جنگی شروع ہو چکی تھی۔ فوج پر حملے ہو رہے تھے غیر بنگالیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا جا رہا تھا۔ بنگالی عوام منہ زور گھوڑے کی طرح اچھل رہے تھے اور ان کی لگامیں عوامی لیگ کے ہاتھ میں تھیں اس صورتحال میں بعض سیاستدانوں نے یحییٰ خان کو مشورہ دیا کہ وہ عبوری دور کے لئے ایک آئین دیں جب اسمبلی اپنا آئین تیار کر لے تو وہ کالعدم ہو جائے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ 1956 کا آئین بحال کر دیا جائے۔

16 مارچ کو یحییٰ خان ڈھاکہ پہنچے وہاں شیخ مجیب الرحمن نے تاثر دینے کی کوشش کی وہ صدر مملکت کے بجائے کسی مہمان سے گفتگو کر رہے ہیں۔ عوامی لیگ نے یحییٰ خان کو اپنا تیار کردہ آئین کا مسودہ دیا جس پر دستخط کرنے کیلئے یحییٰ خان کو 48 گھنٹے کی مہلت دی گئی تھی اور اس میں مشرقی پاکستان کے بجائے بنگلہ دیش لکھا گیا تھا۔ مجیب کا کہنا تھا کہ ہمارے مطالبات کو تسلیم کرنا ہوگا۔ دوسری کوئی صورت ممکن نہیں ہے بنگلہ دیش کے عوام اب کسی قوت کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے۔

26 صفحات پر مشتمل اس آئینی دستاویز میں کہا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے درمیان آئندہ تعلقات اب کنفیڈریشن کی بنیاد پر ہوں گے۔ اس دستاویز کے پہلے حصہ میں مارشل لاء اٹھانے کے ساتھ ساتھ عوامی لیگ کے چھ نکات پر مبنی تجاویز تھیں۔ دوسرے حصے میں 1962 کے آئین میں مرکز اور صوبوں کے درمیان (SUBJECTS) کی تقسیم کے بارے میں تجاویز تھیں۔ یہ تجاویز مجوزہ آئین تھا جو عوامی لیگ کی جانب سے ملک کو عطا کیا جا رہا تھا یہ بات طے تھی کہ عوامی لیگ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر یہی آئین منظور کرے گی۔ مذاکرات میں کھل کر یہ بات کہی گئی کہ پاکستان کا آئین فیڈرل ہونے کے بجائے کنفیڈرل ہوگا

جو State of West Pakistan اور State of Bangladesh پر مشتمل ہوگا۔

چاٹگام کی بندرگاہ سے چھاؤنی کے راستے میں فوج کی نقل و حمل روکنے کیلئے سڑکوں پر بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ کوڑے اینٹوں اور ڈرموں کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ جب فوجی ہٹانے کیلئے آئے تو لیگ کے کارکنوں نے فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لیگ کے کارکنوں کا یہ عمل بہت بڑے تصادم کی شکل اختیار کر گیا فوج کو فائرنگ کرنی پڑی جس کے نتیجے میں بھاری جانی نقصان ہوا۔ اب ملک کو دولخت ہونے سے بچانے کیلئے فیصلہ کن کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

مذاکرات کی ناکامی کے بعد 22 مارچ 1971 کو یحییٰ خان نے فوجی ایکشن کی حتمی منظوری دے دی جس میں شیخ مجیب الرحمن کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بھی شامل تھا۔ 25 مارچ کو ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس کے ملتوی ہونے کے بعد بھارتی سفارت کاروں نے کلکتہ میں قائم کیے گئے عارضی ریڈیو سٹیشن سے آزادی کے ترانے نشر کرنا شروع کر دیئے۔ شیخ مجیب الرحمن کی ایک ریکارڈ شدہ تقریر بھی بھارت پہنچائی جا چکی تھی۔ جس میں آزاد بنگلہ دیش کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس تقریر میں نوجوانوں سے مخاطب کر کے کہا گیا تھا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک مغربی پاکستانیوں کو قتل یا قید نہیں کر لیا جاتا۔

شیخ مجیب الرحمن کا منصوبہ یہ تھا کہ یحییٰ خان کو اپنی رہائش گاہ پر مدعو کر کے گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن اس منصوبے کا ملٹری انٹیلی جینس کو بروقت پتہ چل گیا۔ اور یحییٰ خان فوری طور پر سری لنکا کے راستے مغربی پاکستان روانہ ہو گئے۔

23 مارچ 1940ء کو بنگالی راہنما اے کے فضل الحق کا پیش کردہ ریزولیشن منظور کر کے مسلمانان ہند کیلئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا یہی وہ دن پاکستان بننے کے بعد ہمارا قومی دن قرار پایا جو ہم ہر سال قومی سطح پر مناتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ 23 مارچ 1971ء کو یہ دن مشرقی پاکستان میں مختلف انداز سے منایا گیا نہ اس روز قومی ترانہ بجا نہ مشرقی پاکستان کی عوام نے پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا پاکستان پرچم نذر آتش کیا گیا۔ غیر بنگالیوں کے گھروں پر حملے

ہوئے اور خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔اس روز پورے مشرقی پاکستان میں زندگی مفلوج رہی۔ مغربی پاکستانی سیاستدانوں نے مشرقی پاکستان کی صورتحال کی طرف کوئی توجہ نہ دی نہ ہی کسی نے دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کے التواء پر اعتراض کیا نہ ہی یحییٰ خان کو پاکستان کی تباہی وبربادی سے باز رکھنے کی کوشش کی اور نہ ہی شیخ مجیب الرحمٰن سے مفاہمت کیلئے سنجیدہ کوشش کی گئی۔

آپریشن سرچ لائٹ

ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا۔ گورنر ایڈمرل احسن کو ہٹا کر ان کی جگہ صاحبزادہ یعقوب کو تعینات کر دیا گیا۔ صاحبزادہ یعقوب کا خیال تھا کہ اسلام آباد کے اقدامات فوجی مداخلت کو ناگزیر بنا دیں گے۔ وہ اس کے خلاف تھے انہیں دنوں شیخ مجیب الرحمٰن نے مطالبہ کیا کہ مرکز میں عبوری حکومت بنا دی جائے جو ملک کا نظم ونسق چلائے لیکن صدر یحییٰ خان نے انکار کر دیا اور کل جماعتی کانفرنس کیلئے 10 مارچ کی تاریخ مقرر کر دی۔ جنرل صاحبزادہ یعقوب اس صورتحال سے بے حد پریشان تھے۔ کیونکہ کانفرنس کے مدعوئین میں سے صرف پیپلز پارٹی ہی شرکت پر رضامند تھی۔ چنانچہ صاحبزادہ یعقوب نے 5 مارچ کو اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔ اسی روز جنرل ٹکا خان کا تقرر کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل ٹکا کان کو ذیڈ اے بھٹو کی سفارش پر مشرقی پاکستان فتح کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ جنرل ٹکا خان خود بھی متعدد مرتبہ یحییٰ خان کو باور کرا چکے تھے کہ بنگالی علیحدگی پسندوں پر قابو پانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ جنرل ٹکا خان کے پاس اس وقت دو عہدے تھے ایک تو وہ گورنر تھے دوسرے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر۔ اس کے علاوہ ایک اور خاص تعیناتی بھی ہوئی۔ وہ جنرل عبداللہ خان نیازی حیثیت ایسٹرن کمانڈر تھی۔ یہ تقرری یحییٰ خان کے دست راست جنرل حمید کی سفارش پر کی گئی۔ جنرل نیازی ٹائیگر نیازی کے نام سے مشہور تھے۔ متذکرہ بالا دونوں شخصیات کی شہرت دلیری' جرات اور شجاعت کے حوالے سے تھی۔ یحییٰ خان کا خیال تھا کہ یہ دونوں شخصیات مشرقی پاکستان کے مٹھی بھر شرپسندوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔15 مارچ کو ڈھاکہ روانہ ہونے سے پہلے جنرل یحییٰ خان نے ملٹری ہیڈ [illegible] گورنر [illegible]

سینئر افسروں کی میٹنگ بلائی، جس میں پاکستان کو متحد رکھنے کی کوششوں پر بحث ہوئی۔ جس میں ملٹری اپریشن بھی شامل تھا صرف ایئر فورس کی جانب سے رائے دی گئی کہ ملٹری ایکشن نہ کیا جائے۔

یحییٰ خان پہلے اقتدار حاصل کرنے کیلئے سازشیں کرتے رہے۔ پھر اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کیلئے حیلے بہانے تلاش کرتے رہے۔ کمزور پارٹیوں کو مضبوط کرتے رہے۔ مضبوط پارٹیوں کو کمزور کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں بڑی پارٹیوں میں بھی اختلافات پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اب وہ اور ان کے ساتھی مشرقی پاکستان سے نجات حاصل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ خاص طور پر انتخابات کے بعد ان کا ہر قدم اسی راستے پر اُٹھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے نکات کو باقاعدہ تحریک کی شکل میں اُبھارنے کیلئے حکومت کا رویہ کافی مددگار ثابت ہوا اور وہ نفرت کے بیج بونے میں کامیاب ہوگئے۔ مغربی پاکستان کے سیاستدان، صحافی، دانشور، الغرض ہر طبقہ پاکستان کو متحد رکھنا چاہتا تھا لیکن کیسے ؟اس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ مفاہمت کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ ایک موہوم سی امید باقی تھی۔ وہ تھی یحییٰ خان مجیب مذاکرات۔ 15 مارچ سے 19 مارچ 1971 تک مذاکرات ہوئے، مذاکرات ناکام ہوتے دیکھ کر ایک نازک مرحلے پر سابق چیف جسٹس پاکستان مسٹر جسٹس کارنیلس کی سربراہی میں ایک کمیٹی نے صدر یحییٰ خان کو ایک اہم (کمیٹی کے نزدیک) فارمولہ پیش کیا جس میں تجویز کیا گیا کہ یحییٰ خان کے اپنے منسوخ کردہ 1962ء کے آئین سے مدد حاصل کرتے ہوئے اس کے مختلف حصوں کو بروئے کار لایا جائے۔

فارمولا کے مطابق مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی تشکیل کر دی جائے۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے اختیارات 1962ء کے دستور کے مطابق دے دیئے جائیں۔ مارشل لاء کی عدالتیں اور انتظامیہ مشرقی پاکستان کی حد تک ختم کر دی جائیں صرف چیف مارشل لاء کا عہدہ برقرار رکھا جائے۔ اس عجیب و غریب تجویز کو عوامی لیگ نے فوری طور پر مسترد کر دیا۔ اپنی طرف سے بعض تجاویز پیش کیں جن میں سے ایک تجویز یہ تھی کہ

فوری طور پر مارشل لاء اُٹھا لیا جائے جس پر مسٹر جسٹس کارنیلس نے کہا کہ مارشل لاء فوری طور پر اُٹھانا مناسب نہ ہوگا۔ صرف چار روز بعد یعنی 25 مارچ کو اسمبلی سیشن ہو رہا ہے۔ اس لئے اسمبلی سیشن کا انتظار کر لیا جائے۔ اس موقع پر مجیب اور تاج الدین نے زور دے کر کہا کہ "چار روز کا انتظار بھی روا نہیں مارشل لاء فوراً اُٹھا لینا چاہئے"۔ عوامی لیگ کی ٹیم نے مغربی پاکستان سے مسٹر اے کے بروہی سینئر ایڈووکیٹ کو درآمد کرنے کی تجویز بھی دی۔ مذاکرات میں فیصلہ کیا گیا کہ آئین کے مناسب حصوں کو بروئے کار لانے کا فارمولہ طے کیا جائے اور دونوں جانب سے کمیٹیاں اس پر غور کریں اور ایسا مارشل لاء ریگولیشن ڈرافٹ کر لیا جائے جس سے مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں وجود میں آجائیں۔

مذاکرات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی تجویز پر بھی فیصلہ کیا گیا کہ دو کمیٹیاں تشکیل دی جائیں ایک ڈھاکہ میں جس کے تمام ممبر مشرقی پاکستان سے ہوں دوسری کمیٹی اسلام آباد میں تشکیل دی جائے اس میں مغربی پاکستان سے منتخب نمائندے شامل ہوں۔ اور یہ دونوں کمیٹیاں اپنے اپنے ونگ کیلئے دستوری تجاویز پیش کریں اور یہ سفارشات قومی اسمبلی میں پیش کی جائیں جن کی بنیاد پر پاکستان کا دستور مرتب ہو جائے۔ یہ تجاویز مسٹر بھٹو کی دو اکثریتی پارٹیوں کی تھیوری کے قریب ترین تھیں جس میں انہوں نے مشرقی اور مغربی پاکستان کیلئے دو پارلیمنٹوں کی تجویز دی تھی۔

21 مارچ کو شیخ مجیب الرحمٰن اور تاج الدین نے جنرل یحییٰ خان سے اچانک ملاقات کر کے بتایا کہ نئی صورتحال میں عوامی لیگ صوبائی حکومت کو اپنے مشیروں کی مدد سے چلا سکتی ہے۔ لہٰذا مشرقی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کا سیشن طلب کیا جائے۔ اور اسمبلی کو قانون سازی کے کلی اختیارات دے دیئے جائیں۔ مسٹر جسٹس کارنیلس نے صدر یحییٰ خان کو بتایا کہ مشرقی پاکستان اسمبلی پر مکمل طور پر عوامی لیگ قابض ہے اور ان میں اکثریت ایسے ممبران کی ہے جو آزاد بنگلہ دیش کے حامی ہیں۔ اگر اسمبلی سیشن پر عوامی لیگ آزاد اور خود مختار بنگلہ دیش کا اعلان کر دے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مرکز میں حکومت مخالفت

کے باعث مغربی پاکستان میں شامل مغربی حصے میں قبائلی علاقے بھی اس قسم کا اقدام کرنے پر تُل گئے تو معاملات ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اس کے جواب میں یحییٰ خان نے کہا کہ وہ مارشل لاء اُٹھانے کیلئے تیار ہیں بشر طیکہ مغربی پاکستان کے سیاسی راہنما اس پر صاد کر لیں۔

صوبائی اسمبلیاں بحال کرانے کا عوامی لیگ کا مجوزہ منصوبہ اس بات کا غماز تھا کہ اسے مرکزی حکومت کے موثر یا غیر موثر ہونے سے کوئی غرض نہ تھی اور اس منصوبے پر عمل کرنے سے صوبائی اسمبلی مختار کل ہو جاتی اور اسے مرکز مخالف فیصلوں پر عمل درآمد کرنے میں بھی کوئی دشواری نہ ہوتی۔

22 مارچ کو یحییٰ خان' بھٹو اور مجیب الرحمٰن ڈھاکہ موجود تھے۔ تینوں مقتدر راہنما ذہنی طور پر تیار تھے کہ اب مشرقی پاکستان کو علیحدگی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ لہذا اس پر مزید پیش رفت کیا ہوتی۔ صرف مجیب الرحمٰن کا ذہن کمپیوٹر کی طرح چل رہا تھا اس نے مذاکرات کے دوران ایک اور مطالبہ پیش کر دیا کہ 25 مارچ کو اسمبلی سیشن بلانے کا اعلان واپس لیا جائے۔ اس دوران مغربی پاکستان کے بعض راہنما مشرقی پاکستان پہنچ گئے۔ ان میں خان عبدالولی خان' مفتی محمود' سردار شوکت حیات' میاں ممتاز دولتانہ اور میر غوث بخش بزنجو شامل تھے۔ اس شام اجلاس ہوا اس میں پیپلز پارٹی کا کوئی راہنما شامل نہ تھا۔ اس اجلاس میں بھی یحییٰ خان نے تجویز پیش کی کہ مارشل لاء اُٹھا دیا جائے جس پر میاں ممتاز دولتانہ نے اعتراض کیا اور بتایا کہ ایسا کرنا قومی مفاد کے منافی ہو گا۔ ایسا قدم صرف قومی اسمبلی کے اجلاس میں اُٹھایا جا سکتا ہے تاکہ قومی اسمبلی اس اعلان کی توثیق کرے۔ اس کے علاوہ کسی راہنما نے مفاہمتی تجویز پیش نہ کی۔ آخر بے بس ہو کر یحییٰ خان نے ان راہنماؤں سے کہا کہ وہ مجیب الرحمٰن سے ملیں اور اسے رضامند کریں کہ وہ 25 مارچ کو ہونے والے قومی اسمبلی کے سیشن میں شامل ہو جائے۔ شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کے بعد راہنماؤں نے صدر یحییٰ خان کو بتایا کہ وہ رضامند نہیں ہوا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر یحییٰ خان نے ان راہنماؤں سے مشورہ طلب کیا تو سب نے یک زبان کہا۔ "جناب آپ صدر ہیں آپ اپنا فرض ادا کریں"

"You are the President , do yor duty"

اس سے پہلے ایوب خان نے بھی یحییٰ خان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ آئین کے تحت اپنا فرض ادا کرے اور جس طریقے سے انہوں نے فرض ادا کیا تھا اس کا نتیجہ تھا کہ آج مغربی پاکستان کے اہم رہنما ایک مرتبہ پھر یحییٰ خان کو مشورہ دینے پر مجبور تھے کہ وہ اپنا فرض ادا کریں۔

25 اور 26 مارچ 1971 کی درمیانی رات ایک بجے شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا گیا۔ 26 مارچ کو صدر یحییٰ خان نے تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ عوامی لیگ کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں کو پاکستان دشمن اور تحریک عدم تعاون کو غداری کے مترادف قرار دے دیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے ناظم اعلیٰ نے ملکی سالمیت کے تحفظ کیلئے اور صورتحال پر قابو پانے کیلئے فوری احکامات نافذ کر دیئے۔

فوج نے صوبے بھر میں ہر اس مقام پر حملہ کیا جہاں مکتی باہنی نے اپنے اڈے قائم کر رکھے تھے۔ ڈھاکہ پولیس بھی مکتی باہنی کی تخریبی کاروائیوں میں شریک ہو چکی تھی۔ فوج نے پولیس لائنز پر بھی حملہ کر کے اسلحہ بارود قبضے میں لے لیا۔ عوامی لیگی لیڈر بھاگ کر بھارت کے سرحدی علاقوں میں قائم کیے گئے کیمپوں میں چلے گئے۔ یہ لوگ بھارتی علاقوں سے ہی تخریب کاری کیلئے آتے تھے۔ بھارتی سرحدی پولیس ان کی مدد کرتی تھی۔

28 جون کو صدر یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کیا اور کہا کہ آئین بنانے کیلئے ایک اعلیٰ سطح کمیٹی قائم کر دی گئی ہے۔ آئین کی تیاری کے چار ماہ بعد اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپ دیا جائے گا۔ میاں ممتاز دولتانہ نے یحییٰ خان کو مشورہ دیا کہ موجودہ نازک حالات میں جب بھارت ہم پر جنگ مسلط کرنے کی تیاری کر رہا ہے ملکی سالمیت کو خطرات کا سامنا ہے اقتدار منتقل نہ کیا جائے۔

مشرقی پاکستان کے عوام کے اطمینان کیلئے 28 اگست کو ڈاکٹر مالک کو مشرقی پاکستان کا گورنر نامزد کر دیا گیا۔ ٹکا خان کی جگہ اے کے نیازی کو مشرقی پاکستان میں ناظم مارشل لاء بنا

دیا گیا یہ سول حکومت کی بحالی کی طرف اہم قدم تھا۔

4 ستمبر کو مشرقی پاکستان میں جرائم کے مرتکب افراد کو عام معافی دے دی گئی۔ اور باز پرس نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ صدارتی فرمان میں کہا گیا کہ لوگ شکوک و شبہات دور کر کے گھروں کو لوٹ آئیں۔

جنرل یحییٰ خان جانتے تھے کہ بھارت نومبر یا دسمبر میں مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ جس کے متعلق وہ تمام دنیا کے اہم ممالک کو آگاہ کر چکے تھے لیکن عالمی برادری نے بھارت کو مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے سے نہ روکا۔ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے پاک بھارت کشیدگی ختم کرانے کیلئے ثالثی کی پیش کش کی جسے قبول کرتے ہوئے صدر یحییٰ خان نے قیام امن کیلئے سہ نکاتی فارمولا پیش کیا۔

۱۔ متفقہ فاصلے تک فوجیں پیچھے ہٹائی جائیں۔

۲۔ اقوام متحدہ کے مبصرین فوجوں کی واپسی کی نگرانی کریں۔

۳۔ لو تھان قیام امن کے مشن پر برصغیر کا دورہ کریں۔

28 اکتوبر کو بھارتی فوجوں نے مشرقی پاکستان پر بہت بڑا حملہ کیا جسے پاک فوج نے پسپا کر دیا۔ 4 نومبر تک بھارتی فوج پورے مشرقی پاکستان کا محاصرہ کر چکی تھی۔ 22 نومبر کو بھارت نے پاکستان پر باقاعدہ حملہ کر دیا اور مشرقی پاکستان میں تمام محاذوں پر جنگ شروع ہو گئی۔ ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔

28 نومبر 1971 کو یحییٰ خان نے بھٹو سے ملاقات کر کے جنگ کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ بھٹو نے یحییٰ خان کو مشورہ دیا کہ وہ مغربی پاکستان سے کمک مشرقی پاکستان نہ پہنچائیں کیونکہ اگر بھارت نے مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا تو پاکستان کا دفاع انتہائی خطرے میں پڑ جائے گا۔ دراصل یہ فیصلہ دونوں لیڈروں کا مشرقی پاکستان کے مستقبل کے بارے میں مایوسی پر اتفاق رائے تھا۔

پاکستانی فوج کو ایک طرف بھارتی افواج کا سامنا تھا تو دوسری طرف تربیت یافتہ

بنگالی ان کی پیٹھ میں خنجر اگھونپنے میں مصروف تھے۔ مغربی پاکستان کا رابطہ مشرقی پاکستان سے ٹوٹ چکا تھا۔ یکم دسمبر کو ایمرجنسی کمیٹی کی ایک میٹنگ میں فوج کی جانب سے یہ باور کرایا گیا کہ مشرقی پاکستان کی صورتحال کنٹرول میں ہے۔ ایمرجنسی کمیٹی کے بعض ممبران نے جب اپنی طرف سے شک وشبہہ کا اظہار کیا تو فوج کی جانب سے بریفنگ دینے والے افسران نے بتایا کہ شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور یہ کہ ملٹری اپریشن صرف سرحدی علاقوں تک ہی محدود ہے۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت تک کئی سرحدی شہر مکتی باہنی کے قبضے میں جا چکے تھے۔ الغرض کہ ایسے نازک موقع پر بھی فوجی حکمرانوں نے اپنی ہی تشکیل کردہ ایمرجنسی کمیٹی کے ارکان کو اعتماد میں نہ لیا۔

2 دسمبر کو صدر یحییٰ خان نے امریکی صدر رچرڈ نکسن سے ایک خط کے ذریعے استدعا کی کہ امریکہ بھارتی جارحیت کے مقابلے کیلئے پاکستان کی امداد کرے۔ اس کے جواب میں امریکہ کے سیکرٹری خارجہ ہنری کسنجر نے پاکستان کے صدر کی فوجی امداد کی استدعا کے بارے میں انکار کرتے ہوئے بتایا کہ اس استدعا کی قبولیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے نومبر کے آخر میں امریکہ نے صدر یحییٰ خان کو مشورہ دیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت کے خلاف سیکورٹی کونسل سے رابطہ کرے۔ لیکن صدر یحییٰ خان نے اس مشورے پر عمل نہ کیا حالانکہ آخر کار یہ معاملہ اقوام متحدہ تک ہی پہنچنا تھا۔ حتیٰ کہ جب فارن آفس نے اس بارے میں تجویز کیا کہ حزب اختلاف کے لیڈر کی قیادت میں وفد تشکیل دیا جائے تب صدر یحییٰ خان نے کہا کہ اس کیلئے کوئی جلدی نہیں۔

4 دسمبر کو ایسٹرن کمانڈر کے ایک ماتحت جرنیل نے اپنے کمانڈر کو یہ مشورہ دیا کہ فوج کو ہٹا کر پیچھے جمع کیا جائے لیکن اس مشورہ پر عمل نہ کیا گیا جس سے صورتحال اور بھی خراب ہو گئی اسی روز صبح سویرے بھارتی فوج نے زبردست حملے شروع کر دیے جس کا سلسلہ تین دن تک جاری رہا اور پاکستانی جوان محدود وسائل کے باوجود بے جگری کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن جدید اسلحہ سے لیس کئی گنا زیادہ دشمن کی فوج سے مقابلہ کب تک جاری

رہتا آخر کار پاکستانی دستے اپنی چوکیاں چھوڑ کر عقبی پوزیشنوں کی طرف جانے پر مجبور ہو گئے اس کے تین بنیادی اسباب تھے۔

۱۔ فوج کی صف بندی چھوٹے چھوٹے منتشر دستوں میں کی گئی تھی۔

۲۔ تمام ذرائع مواصلات پر باغی چھائے ہوئے تھے۔

۳۔ ایسا کوئی جامع منصوبہ نہ تھا جس کے مطابق فوجی دستے پیش قدمی کر کے اہم مقامات پر جمع ہو جاتے۔

5 دسمبر کو یہ واضح ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان میں فوج مزید صرف سات روز تک بھارتی جارحیت کا مقابلہ کر سکے گی۔ اس صورتحال میں جنرل نیازی نے اسلام آباد ایک مایوس کن پیغام بھیجا اس کے فوراً بعد دوسرا پیغام

Enemy offensive intensified

جنرل نیازی کو دیر بعد ہی سہی ہوش تو آیا لیکن اسلام آباد سب کچھ گنوانے کے بعد بھی مدہوش تھا۔ اسی روز بھارتی فضائیہ نے بمباری کر کے ڈھاکہ ایئرپورٹ کا رن وے تباہ کر دیا جس سے پاک فوج فضائیہ کی امداد سے بالکل محروم ہو گئی۔ اس کے بعد بھارتی افواج نے مغربی پاکستان پر بھی حملہ کر دیا۔

6 دسمبر ہی کو بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ بھارت نے بنگلہ دیش کو آزاد ریاست کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے انہوں نے امید ظاہر کہ اس معاملے میں دیگر اقوام بھی ان کی تقلید کریں گی۔

10 دسمبر کو نئی دہلی میں نام نہاد بنگلہ دیش اور بھارت کے درمیان ایک دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔ اس معاہدے کے تحت بھارتی فوج اور مکتی باہنی ایک متحدہ کمان کے تحت کام کریں گی اس متحدہ فوج کا کمانڈر بھارتی کور کمانڈر ہو گا۔ اس معاہدے پر بھارتی حکومت کی طرف سے وزیراعظم اندرا گاندھی اور نام نہاد بنگلہ دیش کی حکومت کی طرف سے خود ساختہ قائم مقام صدر نذر اسلام اور وزیراعظم تاج الدین احمد نے دستخط کئے اسی روز

گورنمنٹ ہاؤس میں مقیم جنرل راؤ فرمان نے جنرل نیازی سے صورت حالات پر بریفنگ لینے کے بعد پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف وائس ایڈمرل مظفر حسن سے مشورہ کر کے دو پیغام ڈرافٹ کئے ایک صدر کے نام تھا دوسرا اقوام متحدہ کیلئے۔ جس میں اقوام متحدہ سے جنگ بندی کی اپیل کی گئی تھی اس پیغام رسانی پر جب محب وطن حلقوں کی جانب سے رد عمل ظاہر کیا گیا تو اسلام آباد اور ڈھاکہ دونوں نے اس ڈرافٹ سے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا۔ لیکن اس وقت تک یہ پیغام عالمی نشریاتی اداروں پر نشر ہو چکا تھا۔

اقوام متحدہ میں راؤ فرمان علی کا پیغام

سیکرٹری جنرل یہ خاص رپورٹ اس التجا کے ساتھ جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کو پیش کر رہے ہیں کہ اسے نہایت اہم تصور کرتے ہوئے اس پر غور کیا جائے۔

10 دسمبر 1971ء بروز جمعہ مقامی وقت کے مطابق 1 بجے اسٹنٹ سیکرٹری جنرل (برائے امدادی کاروائی مشرقی پاکستان بتوسط اقوام متحدہ) مسٹر پول مارک ہنری نے گورنر مشرقی پاکستان ڈاکٹر عبدالمالک کے فوجی مشیر میجر جنرل راؤ فرمان علی اور چیف سیکرٹری مشرقی پاکستان سے ملاقات کی اور انہوں نے مندرجہ ذیل مراسلہ مسٹر پول مارک ہنری کے حوالے کیا۔

ا۔ برائے صدر پاکستان

ب۔ چونکہ آخری اور مہلک نوعیت کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے لہذا میں آپ کی منظوری سے مندرجہ ذیل مراسلہ اسٹنٹ سیکرٹری جنرل مسٹر پول مارک ہنری کے حوالے کر رہا ہوں۔

۱۔ پاکستان کی مسلح افواج کا یہ ارادہ کبھی نہ تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کی سرزمین پر اپنے آپ کو جنگ میں الجھا دیتیں۔

۲۔ تاہم ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ جس نے مسلح افواج کو دفاعی اقدام اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

۳۔ حکومت پاکستان کا ہمیشہ سے یہ ارادہ تھا کہ مشرقی پاکستان کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ اس کے لئے مذاکرات بھی ہو رہے تھے۔

۴۔ مسلح افواج نے بڑی شجاعت سے غیر معمولی مشکلات کے باوجود بہادری کے ساتھ جنگ لڑی اور اب بھی جنگ جاری رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن مزید خون خرابے اور معصوم زندگیوں کے ضیاع کو روکنے کیلئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کر رہا ہوں:

a- چونکہ یہ تصادم سیاسی اسباب کی پیداوار تھا لہٰذا اسے سیاسی حل کے ذریعے ہی ختم کیا جانا چاہیے۔

b- لہٰذا میں صدر پاکستان کی طرف سے دیئے گئے اختیارات کے تحت مشرقی پاکستان کے منتخب نمائندوں سے کہتا ہوں کہ وہ ڈھاکہ میں پُرامن طریقے سے حکومت کے قیام کے انتظامات کریں۔

c- یہ پیشکش کرتے ہوئے میں یہ کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان کے عوام کا مطالبہ یہ ہوگا کہ بھارتی فوجیں فوری طور پر ان کی سرزمین کو خالی کر دیں۔

d- لہٰذا میں اقوام متحدہ پر زور دے کر کہتا ہوں کہ وہ پُرامن انتقال اقتدار کا بندوبست کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ مطالبہ کرتا ہوں:

۱۔ فوری جنگ بندی کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ افواج پاکستان کو باعزت طریقے سے مغربی پاکستان بھیجا جائے۔

۳۔ مغربی پاکستان کے جو باشندے واپس جانا چاہیں انہیں واپس بھیجا جائے۔

۴۔ 19؍ ء سے جو لوگ مشرقی پاکستان میں آباد ہیں' ان کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔

۵۔ اس بات کی ضمانت دی جائے کہ مشرقی پاکستان میں کسی شخص کے خلاف انتقامی کاروائی نہیں کی جائے گی۔

۶۔ یہ پیشکش کرتے ہوئے میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ پرامن انتقال اقتدار کے لئے یہ ہماری قطعی تجویز ہے۔

۷۔ پاکستان کی مسلح افواج کے ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس مسئلے

پر اس پہلو سے غور کیا جائے گا۔ اگر یہ تجویز قابل قبول نہیں تو پھر جب تک ہمارا ایک سپاہی بھی زندہ ہے 'ہماری مسلح افواج جنگ جاری رکھیں گی۔

13 دسمبر کو پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر بھٹو نے سلامتی کونسل سے اپیل کی کہ پاکستان کی سالیت کے تحفظ کیلئے جنرل اسمبلی کی قرارداد کا احترام کیا جائے۔ روس نے امریکی قرارداد کو تیسری مرتبہ ویٹو کر دیا جس کو 2 کے مقابلے میں 11 ارکان کی حمایت حاصل تھی۔ بھٹو نے کہا اگر چند ممبر ممالک کے دلوں میں یہ شائبہ ہے کہ بھارت کو مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دینی چاہئے تو وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہے انہوں نے کہا میں امن کی بھیک مانگنے نہیں بلکہ انصاف حاصل کرنے آیا ہوں اس سے اگلے روز مشرقی پاکستان کے گورنر عبدا   مالک ان کی کابینہ کے ارکان اور سینئر افسروں نے اپنے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیا اور انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں پناہ حاصل کر لی جسے بین الاقوامی ریڈ کراس نے جائے پناہ قرار دے دیا تھا۔

16 دسمبر کو ڈھاکہ بھارت کے قبضے میں آگیا اور پاک فوج نے ریس کورس گراؤنڈ میں بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح مشرقی پاکستان پر بھارت کا مکمل قبضہ ہو گیا۔

سقوط ڈھاکہ کی دستاویز

یہ 16 دسمبر 1971ء کی صبح کے 9 بجے ہیں۔ ڈھاکہ شہر پہ اداسی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ کہیں کہیں سے گولیاں چلنے کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہزاروں افراد ہاتھوں میں نیزے اور آنکھوں میں شعلے لئے ریس کورس میدان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اچانک انسانوں کے ہجوم میں فوجی گاڑیاں رونما ہوتی ہیں 9 بج کر 10 منٹ پر پاک فوج کے لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی ریس کورس میدان میں پہنچے ہیں۔ سب کی نظریں پاکستانی افواج کے کمانڈر جنرل نیازی پر جمی ہوئی ہیں بھارتی افواج کا رویہ تضحیک امیز ہے۔ بین الاقوامی آداب اور شائستگی نام کو نہیں۔ مکتی باہنی کے رضاکار بھارتی فوج کا استقبال کر رہے ہیں ان کی رائفلیں اور مشین گنیں خوشی سے فائرنگ کر رہی ہیں جوانوں کی پیٹیاں اتاری جا رہی ہیں ان کے ہاتھ انہیں پیٹیوں سے باندھ دیئے جاتے ہیں پھولوں کی بارش میں "جے ہنگلہ" کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ میدان کے درمیان لکڑی کی سادہ سی میز رکھی ہے جس کے دونوں طرف بھارتی فوج کے سپاہی قطار میں کھڑے ہیں۔ جنرل نیازی خاموش اور افسردہ ہیں۔ اخباروں اور ٹیلی ویژن کے کیمرے حرکت میں آتے ہیں۔ سامنے میز پر پڑے ہوئے مسودے پر جنرل نیازی اور جگجیت سنگھ اروڑہ مفتوح اور فاتح کی حیثیت سے سقوط ڈھاکہ کی دستاویز پر دستخط کرتے ہیں۔ جنرل نیازی اپنا ریوالور خالی کر کے جنرل اروڑہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جنرل نیازی کے رینک اور تمغے اتار دیئے جاتے ہیں اس طرح مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو قانونی شکل دی جاتی ہے اور سقوط ڈھاکہ کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔

ہتھیار ڈالنے کا معاہدہ

پاکستان ایسٹرن کمانڈ نے مشرقی محاذ پر ہندوستان اور بنگلہ دیش کی فوجوں کے جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے سامنے ہتھیار ڈالنا منظور کر لیا ہے اس معاہدے کا اطلاق بنگلہ دیش میں موجود پاکستان کی تمام مسلح افواج پر ہوگا جن میں پاکستان کی بری فضائی اور بحری افواج نیم عسکری تنظیمیں اور سول ارمڈ فورسز شامل ہیں۔

افواج کی جو نفری جس مقام پر موجود ہے اسی مقام پر لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کی زیر کمان باقاعدہ انڈین دستوں کے سامنے ہتھیار ڈالے گی۔

اس دستاویز پر دستخط کیے جانے کے فوراً بعد پاکستان کی ایسٹرن کمانڈ لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے احکام کے تحت آجائے گی۔ "دستاویز سقوط" کی دفعات کے معانی یا توجیہات میں کوئی شبہ ہونے کی صورت میں لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کا فیصلہ آخری ہوگا۔

لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا یہ ضمانت دیتے ہیں۔ کہ جو سپاہی ہتھیار ڈالیں گے ان سے عزت و احترام کا وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ جنیوا کنونشن کی دفعات کی رو سے مستحق ہیں نیز پاکستان کی جو فوجی اور نیم فوجی نفری ہتھیار ڈالے گی ان کی سلامتی اور بہبود کی ضمانت دی جائے گی۔ لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے ماتحت فوج غیر ملکی باشندوں۔ نسلی اقلیتوں اور مغربی پاکستان کے باشندوں کی حفاظت کرے گی۔

(دستخط)

امیر عبداللہ خان نیازی

لیفٹیننٹ جنرل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

اور کمانڈر ایسٹرن کمانڈ پاکستان

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱

(دستخط)

جگجیت سنگھ اروڑا

لیفٹیننٹ جنرل

جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف افواج ہندوستان

و بنگلہ دیش مشرقی محاذ

مجیب الرحمٰن کے چھ نکات

شیخ مجیب الرحمٰن 1966ء میں نیشنل کانفرنس میں شرکت کیلئے مغربی پاکستان آئے تو اپنے ہمراہ چھ نکاتی پروگرام لے کر آئے تھے۔

لاہور کی نیشنل کانفرنس گلبرگ میں چوہدری محمد علی کی رہائش گاہ کے بیرونی لان میں منعقد ہوئی۔ لاہور میں ان دنوں اعلان تاشقند کے سلسلے میں تحریک کے دوران گرفتار کئے جانیوالے راہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی کے سلسلے میں بھی گفت و شنید چل رہی تھی۔ اور برملا یہ کہا جا رہا تھا کہ پاکستان نے جنگ کے میدان میں جو فتح حاصل کی تھی وہ مذاکرات کی میز پر شکست سے ہمکنار ہوئی۔ یہ تاثر عام تھا مغربی پاکستان کی حد تک۔ مشرقی پاکستان کے راہنماؤں اور دانشوروں کی سوچ مختلف تھی۔ وہ اعلان تاشقند کو اپنے لئے رحمت قرار دیتے تھے۔ سوچ کا یہ تضاد کانفرنس کے دوران بھی نمایاں رہا یوں لگتا تھا کہ کانفرنس دو متحارب فریقوں کے درمیان محاذ آرائی کا میدان ہے۔

کانفرنس کے پہلے ہی دن یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ سبجیکٹ کمیٹی کی جانب شیخ مجیب الرحمٰن کو ایک قرارداد کانفرنس میں پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جا رہی اور اس پر کانفرنس میں زبردست کشیدگی پائی جاتی ہے۔ جنرل اعظم خان نے کشیدگی دور کرنے کیلئے زبردست کوشش کی بالآخر شیخ مجیب الرحمٰن اس بات پر رضامند ہوئے کہ ان کی قرارداد سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دی جائے جو قرارداد پیش کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قطعی فیصلہ کرے گی لیکن منتظمین اس پر بھی تیار نہ ہوئے۔

اگلے روز روزنامہ کوہستان نے شہ سرخیوں کے ساتھ چھ نکات کے بارے میں خبر شائع کی جنرل اعظم خان کے مشرقی پاکستانی سیاست دانوں سے تعلقات کی بناء پر یہ توقع کی جارہی تھی کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن کو یہ نکات واپس لینے پر آمادہ کرلیں گے لیکن بعض عناصر نے نہ صرف نیشنل کانفرنس کے مقاصد کو سبوتاژ کیا بلکہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان باقاعدہ محاذ آرائی کی راہ ہموار کردی۔

25 مارچ 1966ء کو شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک شائع شدہ طویل بیان میں چھ نکات کی وضاحت کی اور اپنے ہموطنوں سے اپیل کی کہ ان نکات کو تسلیم کرلیا جائے۔ یہ اپیل دراصل ایک بالواسطہ دھمکی تھی کہ دونوں حصوں کے درمیان تعلقات کار کا انحصار ان نکات کے قبول کرنے پر ہے۔

1966ء میں پیش کئے جانے والے چھ نکات یوں تھے۔

1۔ آئین کو قرارداد لاہور پر مبنی ایک وفاق پاکستان اور ایک ایسے پارلیمانی نظم کا ضامن ہونا چاہیئے جس میں بالغ رائے دہی کی بناء پر براہ راست منتخب ہونے والی مقننہ کو بالادستی حاصل ہو۔

2۔ وفاقی حکومت کے پاس صرف دو محکمے "دفاع اور امور خارجہ ہوں گے۔ جب کہ باقی تمام محکمے صوبوں کے زیرانتظام ہوں گے۔

3۔ دونوں صوبوں کیلئے علیحدہ مگر آسانی سے قابل تبادلہ کرنسیوں کا اجراء کیا جائے۔

ب۔ تمام ملک کیلئے ایک ہی کرنسی مقرر کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں ملک کے مشرقی حصے سے مغربی حصے میں دولت کی منتقلی کو روکنے کیلئے آئین میں تصریحات کی جائیں۔

ج۔ مشرقی پاکستان کے لئے علیحدہ مالیاتی ذخائر رکھے جائیں اور اس کیلئے الگ اقتصادی اور مالیاتی پالیسی طے کی جائے۔

4۔ ٹیکسوں کے نفاذ اور حصول کا اختیار صوبوں کو ہوگا۔ اور یہ کہ وفاقی حکومت کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ فیڈریشن کو اپنے مطلوبہ اخراجات کیلئے ریاستی ٹیکسوں میں سے حصہ دیا جائے گا۔ وفاقی فنڈ تمام ریاستی ٹیکسوں پر لگائی جانے والی ایک متعین شرح پر مشتمل ہوگا۔

5۔ا دونوں حصوں میں زرمبادلہ کے ذخائر علیحدہ رکھے جائیں گے۔

ب۔ مشرقی پاکستان کی آمدنی حکومت مشرقی پاکستان آمد مغربی پاکستان کی آمدنی حکومت مغربی پاکستان کے زیرانتظام ہوگی۔

ج۔ وفاقی حکومت کی زرمبادلہ کی ضروریات دونوں حصے مساویانہ طور پر یا کسی طے شدہ تناسب کے تحت پوری کریں گے۔

د۔ دونوں حصوں کے درمیان مصنوعات کی نقل وحمل ڈیوٹی کے بغیر ہوگی۔

ر۔ آئین کے تحت صوبائی حکومتیں بیرونی سمجھوتے کرنے کی مجاز ہوں گی۔

6۔ مشرقی پاکستان کیلئے ملیشیا یا نیم فوجی فورس کا قیام

4 سال بعد 1970ء میں معمولی ردوبدل کے بعد یہی نکات عوامی لیگ کے انتخابی منشور کی اساس بنے۔ اس سے پیشتر گول میز کانفرنس کے موقع پر یہ چھ نکات شیخ مجیب الرحمٰن نے محمد ایوب خان کو پیش کئے تھے۔

1970ء میں ان کی صورت یوں تھی۔

1۔ ملک کا طرز حکومت وفاقی اور پارلیمانی ہوگا جس کے تحت وفاقی مقننہ اور صوبے کی مقننہ کیلئے انتخابات براہ راست اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوگا۔ وفاقی مقننہ میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر دی جائے گی۔

2۔ وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امور خارجہ اور نیچے درج شدہ نکتہ نمبر 3 میں بیان کی گئی شرائط کے تحت کرنسی کے شعبے ہونگے۔

3۔ ملک کے دونوں حصوں میں دو الگ الگ کرنسیاں ہوں گی جو باہمی طور پر یا آزادانہ طور پر قابل تبادلہ ہوں۔ یا پھر ملک کی ایک کرنسی کی صورت میں محفوظ مالیاتی ذخائر کا ایک وفاقی نظام ہوگا۔ جس کے تحت علاقائی ریزرو بنک قائم کئے جائیں گے۔ جو ایک حصے سے دوسرے حصے میں وسائل اور سرمائے کی منتقلی کو روکنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

4۔ صوبے اپنی اقتصادی پالیسی خود تیار کریں گے۔ وفاقی حکومت کو دفاع اور امور خارجہ کیلئے مطلوبہ مالیاتی وسائل دستیاب ہوں گے۔ اس مقصد کیلئے وفاقی حکومت آئین میں طے شدہ طریق کار کے تحت متعینہ شرح اور انداز سے مالی وسائل خود بخود وضع کرنے کی مجاز ہوگی۔

متعلقہ آئینی تصریحات میں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ وفاقی حکومت کی مالی ضروریات اس انداز میں پوری کی جائیں کہ ایسا کرتے ہوئے صوبائی حکومت کا اپنی اقتصادی پالیسی پر کنٹرول متاثر نہ ہو۔

5۔ آئین کے تحت صوبوں کے زر مبادلہ کیلئے علیحدہ حسابات کا نظام قائم کیا جائے گا۔ جو کہ متعلقہ صوبے کی حکومت کے زیر انتظام ہوگا۔

وفاقی حکومت کی زر مبادلہ کی ضروریات صوبائی حکومتیں آئین میں دیئے گئے طریق کار کے تحت معین تناسب کی بنیاد پر پوری کریں گی۔

حکومتوں کی خارجہ پالیسی کے جو کہ وفاقی حکومت کی ذمہ دار ہوگی۔ دائرہ کار میں رہتے ہوئے غیر ملکی تجارت اور امداد کے معاملات طے کرنے کا آئینی اختیار ہوگا۔

6۔ صوبائی حکومتیں سالمیت میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کیلئے یا نیم فوجی فورس قائم کرنے کی مجاز ہوگی۔

سقوط ڈھاکہ اور امریکی کردار

پاکستان بھارت کے مقابلے میں ایک چھوٹا ملک ہے۔ آبادی، وسائل اور رقبہ ہر لحاظ سے بھارت پاکستان سے بڑا ہے اور یہ آزادی سے پہلے ہی امریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر چکا تھا۔ روس میں بھی اس کا ایک کونسل خانہ قائم تھا جہاں پنڈت جواہر لعل نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت سفیر کے عہدے پر فائز ہو چکی تھیں۔

پاکستان میں لیاقت علی خان کے زمانے میں امریکہ نے اپنا تسلط قائم کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے اس قدر اثر رسوخ قائم کر لیا کہ پاکستانی حکمران اس کے ہاتھوں میں کھلونا بننے لگے۔ پاکستان نے بھی دونوں بڑی طاقتوں کے ساتھ تعلقات میں توازن قائم کرنے کے بجائے امریکہ کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ یہ رشتہ ہمیشہ یکطرفہ اور امریکی مفادات کے تابع رہا۔

امریکی حکمران اور دانشور طبقوں میں شروع ہی سے پاکستان کی بقاء کے بارے میں شکوک و شبہات پائے جاتے تھے۔ شکاگو یونیورسٹی کے Center for the study of American foreign policy کے ڈاکٹر پروفیسر Hans J. Morgentheu نے واشنگٹن ڈی سی میں چھپنے والے جریدے The New Republican مارچ 1965ء میں لکھا کہ "مغربی اور مشرقی پاکستان میں تضادات

بہت واضح تھے یعنی دونوں حصوں کے درمیان 1200 میل کا فاصلہ ہے مغربی حصے کے باشندوں کا کوئی سماجی رابطہ مشرقی حصے کے لوگوں سے نہ تھا۔ لسانی طور پر مغربی حصے کے لوگ اس میں شامل چاروں صوبوں میں سے کوئی ایک زبان بول سکتے تھے۔ لیکن ان صوبوں کے شہری مشرقی حصے کے لوگوں سے یا گفتگو کرنے سے قاصر تھے۔ جبکہ مشرقی حصے کے لوگ بھارتی جنوبی حصے کے زیادہ نزدیک تھے۔ ان کا زیادہ آسان رابطہ مغربی بنگال کے دارالحکومت کلکتہ کے ساتھ تھا۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو پاکستان کے دارالحکومت کراچی سے بہت دور پاتے تھے۔

انہوں نے پاکستان کے داخلی مشکلات تضادات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان مشکلات اور تضادات پر قابو پانے کے لئے جس عقل کی ضرورت ہے وہ پاکستان کے دریاؤں میں نہیں پائی جاتی صرف کوئی معجزہ ہی پاکستان کی بقاء کی ضمانت دے سکتا ہے۔

اسی طرح ایک آرٹیکل The Bangla Desh Papers میں شائع ہوا جس کے ابتدائی الفاظ تھے کہ "مغربی اور مشرقی کبھی بھی ایک ملک نہ تھے" یہ آرٹیکل 1971ء میں اس وقت چھپا جب یحییٰ خان کے حکم پر مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن جاری تھا۔ اس آرٹیکل کے تین مصنفین تھے جن کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان ایک علیحدہ ریاست بن چکا تھا اور ملٹری ایکشن کو سول وار کہا جاسکتا تھا بلکہ یہ ایک ملک کی جانب سے دوسرے ملک پر جارحیت تھی۔ اسی آرٹیکل میں نئی ریاست کے خدوخال بھی بتائے گئے اور اس کے خارجہ تعلقات کے حوالے سے تفصیلی بحث بھی کی گئی تھی۔ دراصل یہ آرٹیکل بنگلہ دیش کی نئی حکومت کے لئے تجاویز پر مبنی تھا۔ اس کے علاوہ دیگر تجزیئے بھی امریکہ میں مشتہر کئے جارہے تھے۔

پاکستان امریکہ کا فوجی اتحادی تھا ایسے میں امریکہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ پاکستان کی ہر قسم کی مدد کرتا لیکن اس نے ایسا نہ کیا سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر اور سابق امریکی صدر اس بات کا اعتراف کرچکے ہیں کہ 1971ء میں امریکہ نے

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی منظوری دی تھی اگر امریکہ چاہتا تو پاکستان کو ٹوٹنے سے بچا سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔

1970ء میں مولانا بھاشانی نے بھی مشرقی پاکستان میں فسادات کرنے کے لئے "سی آئی اے" کے منصوبے کا انکشاف کیا تھا۔ اس نازک موقع پر چین پاکستان کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن امریکہ نے دھمکی دی کہ اگر چین نے پاکستان کی فوجی مدد کی تو امریکہ بھی جنوبی ایشیا میں فوجی مداخلت پر مجبور ہو جائے گا۔ چنانچہ چین نے پاکستان کی صرف خفیہ امداد جاری رکھی۔

1970-71ء کے درمیان پاکستان میں موجود امریکی سفارت کاروں نے اپنے دفتر خارجہ سے جو خفیہ خط و کتابت کی ان میں سے چند خطوط پیش خدمت ہیں :

شعبہ خارجہ واشنگٹن ڈی سی :

خفیہ :برائے قائم مقام وزیر خارجہ۔

موضوع : پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے ہماری بات چیت مؤرخہ 5 مئی سہ پہر 3 بجے۔

میں آپ کو ممکنہ پاک بھارت جنگ کے حوالے سے امکانی دستاویز ارسال کر رہا ہوں جس پر کل سہ پہر ہماری بات چیت بھی ہوئی۔ ان امکانی دستاویزات سے زیادہ وضاحت نہیں ہورہی۔ اہم نکات یہ ہیں :

(ا) مشرقی بنگال میں سیاسی تصفیے کی صورتحال پیدا نہیں ہورہی

(بی) بھارت بنگلہ دیش فورس کو مسلسل امداد دے رہا ہے۔

(سی) مشرقی بنگال کی سرحد پر پاک بھارت فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی ہیں اور تصادم کی کیفیت بڑھتی جارہی ہے۔

پاک بھارت تنازعے کا خلاصہ یہ ہے۔

1۔ تعارف :

مشرقی پاکستان میں "سول وار" شروع ہوئے پانچ ہفتے سے زائد ہو گئے ہیں۔ پاکستانی فوج بھارتی سرحد کی طرف بڑھ رہی ہے اور مشرقی پاکستان کی تمام اہم زیادہ آبادی والے سنٹروں کا کنٹرول سنبھال لیا ہے۔ اس ظاہری عسکری کامیابی کے برعکس سیاسی اور عسکری سالمیت خطرے میں ہے اور خطرہ ہے یہ کسی بین الاقوامی تصادم کی صورت اختیار نہ کریں یہ دستاویزات اس امکانی صورتحال سے متعلق ہیں کہ اگر جنگ پھوٹ پڑے تو امریکہ کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔

اشارات

گزشتہ دس روز سے ہمیں اطلاعات مل رہی ہیں اور صحافی بھی آگاہ کر رہے ہیں کہ بھارت بنگالی علیحدگی پسندوں کی مدد کر رہا ہے اور پوری طرح اس میں ملوث ہے اور بھارت اپنے طور پر جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ بھارتی حکومت نے باڈر سیکورٹی فورس کے یونٹوں اور باقاعدہ فوج کو سرحدوں پر بھیجنا شروع کر دیا ہے اور وہ سرحد سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہیں۔ بھارتی سیکورٹی فورس نے دو ہزار کیمپ قائم کیے ہیں جو بنگالیوں کو گوریلا اور سبوتاژ ٹریننگ دے رہے ہیں۔ محدود پیمانے پر اسلحہ اور ایمونیشن بنگالی علیحدگی پسندوں کو فراہم کیا جا رہا ہے ان کی باقاعدہ تربیت کی جا رہی ہے۔ سرحدوں پر کئی سیریس حادثات ہو چکے ہیں ان میں دونوں اطراف کے یونٹ ملوث ہیں۔ اور پاکستانی طیارہ ایک بار بھارتی فضائی حدود کی خلاف ورزی کر چکا ہے۔

ان سرگرمیوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بنگالی علیحدگی پسندوں کو بھارت کی مکمل حمایت حاصل ہے وہ ان کا حوصلہ بڑھا رہا ہے اور پاکستانی فوج سے کامیابی سے لڑنے کے لیے ٹریننگ دے رہا ہے۔ بھارت کے پاس اس کے کئی محرکات ہیں اسے اس کے لیے عوامی ار پارلیمنٹ کے دباؤ کا سامنا ہے کہ بنگالیوں کی مدد کی جائے یہاں تک کہ عوامی

لیگ کی معتدل مزاج قیادت کی حمایت سے اس کے ریڈیکل عناصر خصوصاً قومیت پرست بنگالی علیحدگی پسندوں کی قیادت سنبھال لیں۔

جب کہ بھارت پاکستان کے ساتھ جنگ کے خطرے کو نہیں ٹال سکتا۔ بنگالیوں کی حمایت سے پیدا ہونے والے خطرات کے لیے پہلے سے خود کو تیار کیا گیا ہے۔

سیاسی مفاہمت کی راہ ہموار کرنے کے لیے مراحل :

طویل المعیاد سیاسی مفاہمت سے ہی شدت کا خطرہ کم ہو سکتا ہے۔ سیاسی مفاہمت کے لیے ہم یہ کر سکتے ہیں کہ :

☆ حکومت پاکستان پر زور دیا جائے کہ سیاسی مفاہمت بہت ضروری ہے تاکہ صورتحال میں بہتری آئے اور یہ کہ پاکستان کو معاونت فراہم کرنے کی ہماری کاوشوں کا انحصار سیاسی مفاہمت پر ہے۔ (اس طرح کی کسی پیش کش کو کھلا رکھنا چاہئے اور یحییٰ خان کی صوابدید پر ہونا چاہئے کہ سیاسی قیادت کس طرح اس کے ساتھ کام کرے)۔

☆ حکومت پاکستان کو تجویز کیا جائے کہ عوامی لیگ کی قیادت کے ساتھ صرف مفاہمت ہی ایک حل ہے۔

☆ حکومت پاکستان سیاسی مفاہمت کے لیے بلاواسطہ بھارتیوں اور براہ راست کلکتہ میں بنگلہ دیش کی صوبائی حکومت سے بات چیت کرے اور زور دیا جائے کہ عوامی لیگ بھی سیاسی مفاہمت چاہتی ہے۔

☆ پاکستان کے بنگالیوں کے ساتھ مذاکرات شروع کرانے کے لیے پاکستان کی معاشی اور عسکری معاونت کو بطور آلہ استعمال کیا جائے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ سیاسی اور انسانی ہمدردی کی بناء پر اپنا کردار ادا کرے اس میں سیاسی مفاہمت کے لیے لوگوں سے اپیل بھی شامل ہو سکتی ہے اور اپنا نمائندہ اس علاقے میں بھیجے۔

بنگالیوں کو طویل المعیاد چلنے والی گوریلا جدوجہد سے کامیابی ملنے کی امید کم ہے' اس لیے بنگالیوں کی اس سلسلے میں حوصلہ افزائی کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان شدت باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ 1965ء میں ہمیں بہت سے مشکل فیصلوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اب صورتحال 1965ء سے زیادہ پیچیدہ ہے' اور اس بار تصادم مغربی اور مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر ہو گا اور اس میں چین ملوث ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کس حد تک سوویت یونین بھی ملوث ہو جائے۔ ہمیں اس تصادم کو روکنے کے لیے تیز تر اقدامات کی ضرورت ہے اور یہی کرنا چاہیے۔

☆ صدر نکسن فوری طور پر صدر یحییٰ اور وزیر اعظم اندرا گاندھی سے تصادم ترک کرنے کی اپیل کریں۔

☆ فوری طور پر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس بلایا جائے اور اقوام متحدہ کے جنگ کو روکنے کے لئے کسی بھی اقدام کی بھرپور حمایت کی جائے' اس میں "سیز فائر" کے لیے امن دستوں کی تعیناتی کی تجویز بھی شامل ہو سکتی ہے۔

☆ اس نازک وقت میں سیز فائر کے لیے سوویت یونین کے ساتھ مل کر کوشش کی جائے خواہ یہ تعاون سلامتی کونسل میں ہو یا اس سے باہر۔

☆ بھارت اور پاکستان کے لیے تمام عسکری معاونت اور امداد معطل کر دی جائے (تاہم اگر چین پاکستان کی حمایت و معاونت جاری رکھے تو ہمیں بھارت کے لئے عسکری امداد ضروری جاری رکھنی چاہیے۔)

☆ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے جن میں جنگ شروع ہو سکتی ہے ان کو مد نظر رکھ کر پاکستان اور بھارت کی معاشی امداد معطل کر دی جائے۔

ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ ٹیلیگرام

خفیہ 203

کراچی 0311482 00022

JAN 72 00310142

موضوع: شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی کے لیے صدر ذوالفقار علی بھٹو سے گفتگو

بھٹو نے مجھے بتایا کہ آج وہ راولپنڈی میں موجود شیخ مجیب الرحمان کی غیر مشروط رہائی کا اعلان کر دیں گے۔

بتایا گیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن اسی جیل اور اسی سیل میں قید تھے جس میں خود بھٹو کو نظر بند کیا گیا تھا۔ اس غیر مشروط رہائی کا آغاز امریکہ کی سفارتی کوششوں سے ہوا جو گزشتہ مہینوں میں کی گئیں اور یہ یقین دلایا گیا کہ اس کے بے جتنا بھی زیادہ وقت مہیا کیا گیا یہ مفید ثابت ہو گا۔

بھٹو کو یقین تھا کہ ہندوستان کی پوری کوشش تھی کہ اسے (مجیب الرحمٰن) سزا مل جائے۔ جب کہ چائنہ اور روس مجیب کی رہائی کے حق میں تھے۔ بھٹو نے اس ماہ کے اختتام پر چین کے دورے کا حتمی پروگرام ترتیب دیا۔

صدر بھٹو سے میری ملاقات ان کی کراچی کی رہائش گاہ پر مقامی وقت کے مطابق 11 بجے ہوئی۔ ہماری بات چیت تقریباً 45 منٹ جاری رہی جس میں دوسرے معاملات کے علاوہ مذکورہ بالا باتیں زیر بحث آئیں۔

انہوں نے آج کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اسرائیلی قیادت ان کے ارادے سے مکمل طور پر آگاہ ہو۔ اگرچہ ان کی نئی انتظامیہ کو سیاسی خطرات نے گھیرے میں لیا ہوا

ہے انہوں نے کہا کہ آج 15:00 بجے کراچی میں کی جانے والی تقریر کے دوران وہ شیخ مجیب الرحمٰن کی غیر مشروط رہائی کا اعلان کریں گے جو کمال حسین اور ان کی فیملی کے خاص افراد کے ہمراہ راولپنڈی میں ہے۔ اس طریقہ کار کے متعلق میرے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ اس (انداز) طرز رہائی کے خاطر خواہ نتائج پر غور کریں گے۔ بھٹو نے کہا کہ وہ ان پہلوؤں پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو ان کے اور مجیب الرحمان کے مابین تلخ تجربات کا باعث ہے۔

شیخ کی قید کے متعلق میری تحقیقات کے بارے میں انہوں نے طنزاً کہا کہ شیخ کو اس حوالات کے اس سیل میں رکھا گیا جہاں انہیں (بھٹو کو) نظر بند کیا گیا تھا جب اسے اختیار حاصل تھا۔

بھٹو نے کہا کہ انہوں نے شیخ کو ایسے سیل سے باہر نکالا اور اسے ایک گیسٹ ہاؤس میں لے گئے جہاں اس نے ایک رات قیام کیا اور پھر راولپنڈی میں شیخ سے ان کے تعلقات کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ انہوں نے مجیب الرحمان سے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے رہا ہو کر پنڈی آنے پر وہ اپنے پنڈی کی رہائش کو چھوڑ دیں۔ تاہم وہ اسے بتانے کے لئے گئے کہ مجیب کی سزا کا قبل از وقت خاتمہ عوامی حالات کو اس کے خلاف کر سکتا ہے۔ جس سے مجیب پوری طرح متفق ہوا۔

بھٹو اور مجیب کے مابین ہونے والی گفتگو پر مبنی رپورٹ بڑی دلچسپ ہے اور اس میں کوئی غیر متوقع بات نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجیب نے باہر سے آنے والی معلومات کے تمام ذرائع عملاً ختم کر دیئے تھے۔ اور جب اس نے یہ ذمہ داری قبول کر لی کہ اہم حصوں میں جنگ ہو رہی تھی اور اسی دوران مشرقی پاکستان پر انڈیا نے قبضہ کر لیا۔ پاکستان جس حادثاتی شکست میں مبتلا ہوا وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے جتنی جلدی ممکن ہو سکا مجیب سے بات چیت کی اور

دوران گفتگو ریڈیو، ٹی اور اخبارات بھی موجود تھے۔ دوران گفتگو صدر نے کہا کہ ان کے پاس مجیب سے جواب طلبی کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ انہوں نے مجیب کی موجودہ حالت کی بہتری اور اس کے سیاسی میدان عمل میں واپسی پر تبصرہ نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ حالات کی یہ تبدیلی جو مجیب کو درپیش ہے اس سے وہ ذہنی صدمے کا شکار دکھائی دیتا ہے اور جب اسے پتہ چلا کہ انڈین فوج نے پورے مشرقی حصے پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ بہت دل شکستہ ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ اس بات چیت کے دوران شیخ نے انڈین تسلط کا حوالہ دیا اور اس نے کہا کہ وقت اپنے آپ کو دوہرائے گا اور وہ اکیلا اس خیرات کو قبول نہیں کرے گا۔

25 مارچ ان کی پالیسی کے آغاز میں جو حادثاتی دور چل رہا تھا اس پر عام بحث کے دوران بھٹو نے نہ صرف اس پر اطمینان ظاہر کیا بلکہ یہ رائے دی کہ حکومت پاکستان کو خیر سگالی اور امریکہ کی مدد کی ضرورت ہے۔

امریکہ کی پالیسی کا احترام کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اپریل کے آغاز میں وہ مشرقی اور مغربی ونگ کے مابین سیاسی موافقت پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے آئین کے تحت سیاسی حکومت بنائی جائے گی جس کے ذریعے طاقت کی منتقلی عمل میں آئے گی۔

کیا انڈین افواج کی طاقت کا استعمال غیر ضروری اور ناجائز تھا انہوں نے کہا کہ یحییٰ کو سیاسی موافقت کی طرف بڑھانے کی یونائیٹڈ اسٹیٹ کی کوشش نہ صرف قابل تعریف ہے بلکہ انہیں ایک طویل عرصے تک سراہا گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر امریکہ کی کوششوں کے لئے مناسب وقت دیا جائے تو وہ عوامی حکومت کے قیام میں مددگار ثابت ہوں گی اور 27 دسمبر تک عوامی حکومت انتظام سنبھال لے گی۔ اس پر مجیب کی رہائی کے اثرات مرتب ہوں گے اور مذاکرات بھی شروع کیے جائیں گے انہوں نے کہا کہ یہ کوششیں اس لیے تباہ ہو گئیں کہ انڈیا نے کبھی بھی 1947ء میں

ہونے والی بر صغیر کی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔

آخر میں انہوں نے کہا کہ وہ مجیب کی رہائی کے متعلق روس اور چین کے خیالات کا احترام کرتے ہیں اور دونوں ملکوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی بنیاد رکھیں گے۔ امریکی حکومت کی پوزیشن کو نمایاں اور اس کی سیاسی ہم آہنگی کی امید کو پورا کرنے کا جو مقصد ہے اس کے بارے میں سیکرٹری روجرس سے اپنی بات چیت کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کی آج کی تقریر سے کا نیا موقع سامنے آتا ہے۔ انہوں نے مجیب کی رہائی کے لیے روس اور چائنہ کے طرز عمل کو حوالہ دیا اور امریکی حکومت کے کردار کی تعریف کی۔

دروازے تک جاتے ہوئے بات چیت چلتی رہی۔ بھٹو نے مجھے کہا کہ پاکستان کو مسلسل سیاسی استحکام کی ضرورت ہے انہیں امید ہے کہ اس ماہ کے آخر تک انہیں چو این لائی کی طرف سے چین کے دورے کا دعوت نامہ آجائے گا۔

وزیر خارجہ واشنگٹن :

مورخہ 17 مارچ 1972ء

خفیہ : یادداشت برائے صدر

موضوع : صدر بھٹو کی قریبی عسکری تعاون کے لیے تجاویز

ذوالفقار علی بھٹو نے ہمیں اس ارادے سے آگاہ کر دیا ہے کہ حکومت پاکستان ہمارے ساتھ قریبی عسکری تعلقات کی خواہاں ہے اور اس کے لیے ہمیں زمین اور پورٹ کی سہولیات فراہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔

یہ پیش کش دسمبر میں پاک بھارت جنگ کے بعد سے گردش کر رہی ہے۔ بھٹو نے سلزبرگر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ امریکہ اور پاکستان کے درمیان باہمی تعاون کے 1959ء کے معاہدے کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں اور امریکی اسلحہ چاہتے ہیں

اور اس وقت انتخابات کے سال جیسے مسائل بھی درپیش نہیں ہیں۔ بھٹو نے جنگ میں شکست میں سوویت یونین کے کردار کا بھی ذکر کیا اور ہمیں بتایا کہ پاکستان "سینٹو" میں زیادہ متحرک ہو جائے گا۔ وزارات خارجہ کے سیکرٹری جنرل عزیز احمد نے اپنے منصوبوں کے متعلق بتایا اور یہ کہ جنوبی ایشیاء میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ہمارے تاثرات کیا ہیں۔

اس میں درج ذیل اہم تجاویز ہیں :

☆ پاکستان بحیرہ عرب میں ساحل کراچی کے قریب ہمیں پورٹ اور ٹریننگ سٹیشن فراہم کرنے کے لیے تیار ہے۔

☆ حکومت پاکستان سوچ رہی ہے کہ ضرورت کے مطابق سہولیات بڑھادی جائیں گی اور اس میں بہت زیادہ امریکی اہلکار نہیں ہوں گے۔

☆ پاکستان "سٹرٹیجک ملٹری پلاننگ' میں تعاون کو بھی خوش آمدید کہے گا۔

☆ تازہ ترین پیش کش یہ بھی ہے کہ پاکستان کو دفاع کے لیے بھاری اسلحہ کی بھی ضرورت ہے۔

ان سے بھٹو کے مقاصد واضح طور پر نظر آتے ہیں وہ چین سے بھی دفاعی تعلقات مضبوط کرنے کے لیے اقدامات کر چکے ہیں اور اب امریکہ سے اس نوعیت کے تعلقات کا خواہاں ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ تعاون کا تناظر واضح ہے کیونکہ بھارت کے متعلق سوویت یونین کے تعلقات اور ہمارے چین سے بڑھتے ہوئے تعلقات کا تقاضا یہی ہے۔ وہ سوویت یونین کے بارے میں شک وشبے کا شکار ہیں مگر وہ اس سے بھی قریبی تعلقات کے لیے کوشاں ہیں۔

کیا اس سے واضح نہیں ہو جاتا کہ ہمارے ساتھ تعلقات بڑھا کر بھٹو بھارت کے خلاف طویل المعیاد منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ مجموعی طور پر جب سے بھٹو نے اقتدار سنبھالا ہے۔ ماضی میں بھٹو کا بھارت سے متعلق جارحانہ رویہ کی شدت میں کمی

آئی ہے کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کی بھارت سے متعلق ماضی میں اختیار کی گئی پالیسیوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔۔

اب ہمیں چاہیے کہ پاکستان کی معاشی ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ امداد دیں لیکن جب تک پاک بھارت مذاکرات زیادہ واضح نہیں ہو جاتے، عسکری رسد کو ملتوی رکھا جائے۔

بھارتی تنظیم ”را“ اور مشرقی پاکستان

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر مشرقی پاکستان میں "فوجی ایکشن" نہ کیا جاتا تو آج صورتحال مختلف ہوتی جبکہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ 1965 کی جنگ کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے بھارتی سفارتکاروں کے ساتھ باقاعدہ خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

بھارتی تنظیم "RAW" نے مشرقی پاکستان کے متعدد مقامات پر اپنی سرگرمیوں کو تیز کر دیا۔ اس کے اہم مراکز میں ڈھاکہ میں بھارتی ہائی کمیشن کے علاوہ چٹاگانگ اور راجشاہی میں ڈپٹی ہائی کمشنر (قونصل خانے) شامل تھے۔ یہاں ”را“ کے اہلکار سفارتکاروں کے روپ میں آتے جو بظاہر وزارت خارجہ سے وابستہ ہوتے لیکن درحقیقت وہ ”را“ کے ایجنٹ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مالی باغ کلکتہ میں بھی را کا ایک ریجنل آفس قائم تھا اس دفتر کا سالانہ بجٹ 20 کروڑ سے زائد تھا۔ را کے ایجنٹوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

ا۔ بھارتی شہری جنہیں جاسوسی اور تخریب کاری کی تربیت دے کر مشرقی پاکستان بھیجا جاتا یہ مشرقی پاکستان میں صحافی تاجر طالب علم اور فنکار بن کر اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔

۲۔ بنگلہ دیشی شہری جنہیں مختلف مفادات کے تحت را اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتی تھی ان میں زیادہ تعداد مشرقی پاکستانی ہندوؤں کی تھی۔

۳۔ کسی اور ملک کے شہری یہ نہ مشرقی پاکستان اور نہ ہی بھارت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ملٹی نیشن اداروں، غیر سرکاری تنظیموں، تجارتی اداروں کارپوریشنز اور بین الاقوامی اداروں سے تعلق رکھتے تھے۔

اس زمانے میں صدر ایوب خان کے بعض اقدامات مثلاً بڈابیر کے مقام پر موجود امریکی مواصلاتی اڈے کی معیاد ختم ہونے پر توسیع نہ کرنا اور خاص طور پر چین کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات پر امریکہ کو تشویش تھی۔ اب امریکہ کی نظر نئی نسل کے نمائندہ ایوب خان کے نوجوان وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو پر تھی۔

سی آئی اے کی منصوبہ بندی ایوب خان کو اقتدار سے الگ کرنے تک محدود تھی۔ اور اس مقصد کیلئے عوامی لیگ کو ایک موثر قوت سمجھا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آزاد بنگلہ دیش کا قیام بھی ' سی آئی اے " کے منصوبے میں شامل ہو گیا۔ سی آئی اے نے نئی نسل کے ہر طبقے کو یہ باور کرانا شروع کر دیا کہ بنگلہ دیش کا قیام ہی ان کے مسائل کا واحد حل ہے لیکن اس وقت تک عوامی لیگ سمیت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مشرقی پاکستان اتنی تیز رفتاری کے ساتھ بنگلہ دیش میں تبدیل ہو جائے گا۔

مغربی پاکستان کی نااہل سیاسی قیادت اور خود غرض جرنیلوں کی موجودگی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے۔ بھارت کی بدنام زمانہ انٹیلی جینس ایجنسی "" ریسرچ اینڈ اینالیزونگ "جو "را" کے نام سے مشہور ہے' نے بھی اپنے مکروہ کھیل کا آغاز کر دیا۔ 1968ء میں اپنے قیام کے بعد سے یہ ایجنسی بھارت کی خارجہ پالیسی کے اہداف کے حصول کیلئے سرگرم رہی۔ بھارت نے منظم طریقے سے مشرقی پاکستان میں اپنے جاسوسوں اور تخریب کار عناصر کا جال پھیلا دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نیٹ ورک وسیع ہوتا گیا اور اُس نے مشرقی پاکستان کے ہر حصے میں اپنے پنجے گاڑھ دیئے۔

ان دنوں مغربی پاکستان میں "RAW" جنرل یحییٰ خان کی جاسوسی کرانے کیلئے بعض بدنام زمانہ خواتین کو بھی استعمال میں لا رہی تھی۔ ان میں سے ایک مسز کے حسین تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب 6 دسمبر کو فوجیں مشرقی اور مغربی محاذوں پر کامیابیاں حاصل کر رہی تھی تو اس نے یحییٰ خان کو مجبور کرنا شروع کر دیا کہ جنگ بند کر دینی چاہیئے جنگ کا کوئی فائدہ نہیں معاملات زیادہ الجھ جائیں گے۔ اس کا یہ اصرار بدستور شدت اختیار کرتا جا رہا

تھا۔ دوسری طرف انڈیا ریڈیو اپنی برتری کی جھوٹی خبریں نشر کر رہا تھا اور شمیم حسین یحییٰ خان کو مجبور کر رہی تھی کہ جنگ بند کر دیجئے میرا شہر میری تہذیب اور میرا خطہ تباہ ہو جائے گا۔ پاکستان کی فوج بھی تباہ ہو جائے گی۔ یحییٰ خان اپنی جنس زدہ عیاش طبیعت کے ہاتھوں زچ ہو گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ جنگ بندی کے فیصلے کے بعد یہ خاتون پُر اسرار طور پر غائب ہو گئی اس خاتون کو آگے لانے اور اپنے اثرات بڑھانے میں کن کن عناصر اور افراد کا ہاتھ تھا یہ سب کچھ بھارتی سازش کا حصہ تھا جو پاکستان کے خلاف کی گئی۔

انتخابات جیتنے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے 10 جنوری 1971 کو اپنی رہائش گاہ کے باہر جمع ہونے والے ورکروں سے کہا "تمہیں بنگلہ دیش مبارک ہو اگر تم لوگ عوامی لیگ کو اس قدر بھری مینڈیٹ سے کامیاب نہ کراتے تو تم کو وہ (مغربی پاکستان والے) کتے کی موت مار دیتے"۔

مشرقی پاکستان کے گورنر احسن نے اسی روز شام کو ڈھاکہ سے صدر یحییٰ خان کو ایک ٹاپ سیکرٹ رپورٹ بھیجی جس میں کہا گیا تھا کہ کسی قسم کی تاخیر کئے بغیر فوجی قیادت شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کرے اور عوامی لیگ کو باور کرایا جائے کہ اس کی بھارت نواز پالیسی کے باعث حکومت انتہائی اقدام پر مجبور ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ گورنر احسن نے قومی اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کو یقینی بنانے کیلئے جنرل پیرزادہ اور جنرل عبدالحمید پر زور دینا شروع کیا تو انہوں نے یحییٰ خان سے کہہ کر انہیں عہدے سے فارغ کرا دیا۔ اور ان کی جگہ صاحبزادہ یعقوب علی خان کو گورنر بنا دیا گیا۔

مشرقی پاکستان خانہ جنگی کی زد میں تھا اور حکومت ملک کو علیحدگی سے بچانے کیلئے ہر ممکن اقدام کر رہی تھی ان حالات میں یحییٰ خان کے لئے تمام صورتحال سے باخبر رہنا ضروری تھا مگر جنرل پیرزادہ اور جنرل عبدالحمید پر مشتمل گروپ سرگرم تھا جو یحییٰ خان کو بعض حساس نوعیت کی اطلاعات سے بھی لاعلم رکھ رہا تھا۔ یہ راز آج تک نہیں کھل سکا کہ یحییٰ خان کو اندھیرے میں رکھنے والا یہ گروپ کن قوتوں کا آلہ کار بنا ہوا تھا۔

جب صاحبزادہ یعقوب نے بعض تجاویز کے تحت مسائل کے سیاسی حل پر زور دینا شروع کیا تو انہیں بھی فارغ کر دیا گیا ان کی جگہ جنرل ٹکا خان کو 7 مارچ 1971 کو ڈھاکہ بھجوایا گیا اس وقت شیخ مجیب الرحمن لاکھوں بنگالیوں سے خطاب کر رہے تھے اگر شیخ مجیب الرحمن کو اس وقت اطلاع مل جاتی کہ جنرل ٹکا خان کس مشن پر ڈھاکہ آئے ہیں تو ممکن تھا کہ اسی روز عوامی لیگ کا فوج سے ٹکراؤ ہو جاتا کیونکہ مکتی باہنی کرنل عثمانی کی سربراہی میں بھارتی کمانڈو کے تربیت یافتہ ایک لاکھ بنگالی نوجوانوں کی فوج تیار کر چکی تھی جو بوقت ضرورت کام میں لائی جا سکتی تھی۔

ایک خفیہ معاہدہ

اکتوبر 1971ء کو نئی دہلی میں نام نہاد بنگلہ دیش کی پروویژنل گورنمنٹ اور بھارت کے درمیان ایک خفیہ معاہدے پر دستخط ہوئے اس معاہدے کے سات نکات حسب ذیل تھے :

۱۔ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد تحریک آزادی میں حصہ لینے والے انتظامی افسران اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔ بقیہ افسران کو فارغ کر کے خالی اسامیوں پر بھارتی انتظامی افسران تعینات کئے جائیں گے۔

۲۔ بنگلہ دیش بن جانے کے بعد خاص تعداد میں بھارتی فوجی بنگلہ دیش میں موجود رہیں گے۔ معاہدے میں فوجیوں کے قیام کی مدت کا تعین نہیں کیا گیا۔

۳۔ بنگلہ دیش باقاعدہ اور رسمی فوج نہیں رکھے گا۔

۴۔ داخلی سلامتی اور امن و امان کے قیام کیلئے فریڈم فائٹرز پر مشتمل ملیشیا قائم کی جائے گی۔

۵۔ پاکستان سے ممکنہ جنگ کی صورت میں بھارتی مسلح افواج کے چیف آف سٹاف کی نگرانی میں مکتی باہنی کام کرے گی۔

۶۔ دونوں ممالک کے درمیان تجارتی لین دین آزادانہ اور کھلے طور پر ہو گی۔ قیمتیں پونڈ اسٹرلنگ میں ادا کی جائیں گی۔

۷۔ بنگلہ دیش کی وزارت خارجہ بھارتی وزارت خارجہ سے رابطے میں رہ کر اس کی زیر نگرانی کام کرے گی۔

واضح رہے کہ خفیہ معاہدے کے نکات آج تک بنگلہ دیش اور بھارت کی حکومتوں نے شائع نہیں کرائے۔ مذکورہ معاہدے کے حوالے سے بنگلہ دیش کی پروویژنل گورنمنٹ جس کے قائم مقام صدر سید نذر الاسلام تھے درج ذیل اقدامات کیلئے رضامند ہو گئی۔

ا۔ جنرل عطاالغنی عثمانی کے بدلے لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا اتحادی فوجوں کے سربراہ مقرر کئے گئے۔

۲۔ پاکستانی فوج جنرل اروڑا کے سامنے ہتھیار ڈالے گی۔ (گویا جنگ سے قبل ہی سقوط کی سازش مکمل ہو چکی تھی)

۳۔ سول انتظامات میں مدد کرنے کیلئے بھارت سے سول سرونٹس کو ڈھاکہ لایا جائے گا۔

۴۔ پاکستانی افواج ہتھیار ڈالنے کے بعد بھارتی افواج بنگلہ دیش میں رہیں گی۔

۵۔ رکھی باہنی قائم کی جائے گی۔

بھارت بنگلہ دیش میں غیر معینہ عرصے کیلئے اپنی فوج تعینات کرنا چاہتا تھا مگر دس جنوری 1971 کو شیخ مجیب الرحمٰن کی واپسی کے بعد بھارتی فوجوں کو واپس جانا پڑا کیونکہ مجیب نے بھارت سے سرکاری طور پر اپنی فوجیں بلانے کے لئے کہا تھا۔ سابق بھارتی صدر گیلانی ذیل سنگھ نے بھی ایک انٹرویو میں کہا کہ بھارتی فوجوں کی واپسی سے بھارتی مفادات کو زک پہنچی۔

مجیب الرحمٰن کا مقدمہ

25 اور 26 مارچ 1971 کی درمیانی رات شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر کے مغربی پاکستان بھیج دیا گیا۔ مجیب الرحمٰن کے ساتھی بھارت فرار ہو گئے۔ عوامی لیگ کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں کو غدار قرار دے دیا گیا۔ ملزمان کو پہلے میانوالی جیل میں اور پھر لائل پور (اب فیصل آباد) جیل میں رکھا گیا۔ 24 جولائی 1971 کو جنرل یحییٰ خان نے مارشل لاء کا ضابطہ نمبر 84 اور 92 جاری کیا۔ جسے خفیہ رکھا گیا تھا۔ ضابطہ نمبر 84 اور 92 کا متن اس طرح ہے :

24 جولائی 1971ء کو مارشل لاء کا ایک ایسا ضابطہ جاری کیا گیا جسے خفیہ رکھا گیا ہے۔

☆ ایک خصوصی فوجی عدالت جس کی ترتیب ذیل میں بیان کی گئی ہے لائل پور (اب فیصل آباد) میں 11 اگست 1971ء بروز بدھ سے شیخ مجیب الرحمٰن ولد مولوی لطف الرحمٰن کے خلاف عائد کردہ الزامات جن کی وضاحت اس ضابطہ کے شیڈول میں بیان کی گئی ہے سماعت کرے گی۔

ا۔ خصوصی فوجی عدالت کے ارکان

ا۔ بریگیڈیئر رحیم الدین خان۔ صدر عدالت

۲۔ لیفٹیننٹ کرنل بی۔ ڈی۔ احمد (رکن)

۳۔ لیفٹیننٹ کرنل اکرم ظفر (رکن)

۴۔ کمانڈر ایف ایچ سید (رکن)

۵۔ ونگ کمانڈر عبدالسجود خان (رکن)

۶۔ جسٹس عبدالغفور خان لودھی (رکن)

۲۔ استغاثہ کے ارکان

۱۔ ایم۔بی زمان ایڈووکیٹ جنرل پنجاب

۲۔ بریگیڈیئر محمد رفیق

۳۔ کمانڈر ایس ایم طیب

۴۔ ونگ کمانڈر سکندر رخت

۵۔ شیخ اعجاز علی ایڈووکیٹ

۳۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یا ان کی جانب سے مقرر کردہ کسی بھی عہدے دار کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر وہ ضروری سمجھے تو مقدمے کی سماعت کے دوران کسی بھی وقت پیراگراف 2 میں درج کردہ استغاثے کے ارکان کے علاوہ کسی دوسرے شخص یا اشخاص کو استغاثے کے رکن کی حیثیت سے مقرر کرے یا اس میں ردوبدل کرے۔

۴۔ مارشل لاء آیڈمنسٹریٹر زون بی کسی شخص کو بطور مترجم مقرر کریں گے۔

۵۔ جناب خورشید آحمد آف تھرڈ بریگیڈ بطور شارٹ ہینڈ رائٹر کام کریں گے۔

۶۔ اس عدالت کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو مارشل لاء کے ضابطہ 2 کے تحت کسی خصوصی فوجی عدالت کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کا طریق کار بھی مندرجہ ذیل مراعات کے علاوہ وہی ہوگا۔

۷۔ ملزم کو ایک پاکستانی شہری ہونے کی حیثیت سے اختیار ہوگا کہ وہ سی ایم ایل اے کی عائد کردہ پابندیوں کی حدود میں رہتے ہوئے کسی بھی وکیل کو اپنے دفاع کیلئے مقرر کرے لیکن اگر ملزم اپنے دفاع کیلئے کسی وکیل کو مقرر کرنا پسند نہ کرے یا اگر وقت کی کمی کے باعث یا کسی اور وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو ملزم کی طرف سے دفاع کیلئے سی ایم ایل اے کا نامزد کردہ کوئی فوجی کونسل یا مسلح افواج کا کوئی عہدے دار کرے گا جسے ڈیفنڈنگ افسر کا نام دیا جائیگا۔

۸۔ مقدمے کی کاروائی عدالت کے بند کمرے میں ہوگی اور عدالت کے ارکان استغاثہ کے ارکان یا وکیل صفائی یا ڈیفنڈنگ کونسل اور مقدمے کے گواہوں کے علاوہ صرف وہی فرد عدالت کے کمرے میں داخل ہو سکے گا جسے عدالت نے کسی خاص وجہ سے اس کی جازت دی گئی۔

۹۔ مقدمے کی کاروائی میں شریک تمام افراد کو یہ حلف اٹھانا ہوگا کہ وہ سی ایم ایل اے کی اجازت کے بغیر مقدمے کی روداد سے کسی کو آگاہ نہیں کریں گے۔

۱۰۔ سی ایم ایک اے یا ان کی طرف سے مقرر کردہ عہدیدار کی منظوری کے بغیر کسی فرد کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مقدمے سے متعلقہ کوئی مواد یا عدالتی کاروائی شائع کرے۔

۱۱۔ وکیل صفائی یا استغاثہ کے ایک سے زائد رکن کا اختیار یہ ہوگا کہ وہ کسی گواہ سے پوچھ گچھ کر سکیں۔

۱۲۔ عدالتی کاروائی کے بعد ساری کاروائی توثیق کیلئے سی ایم ایل اے کے پاس پیش کی جائے گی۔

۱۳۔ ایم ایل اے زون "بی" اور زون "سی" پر ان گواہوں کو پیش کرنے کی ذمہ داری ہو گی جنہیں استغاثہ یا صفائی کے وکیل طلب کریں گے۔ عدالت کے دوسرے انتظامات کے ذمہ دار ایم ایل اے زون "سی" ہوں گے۔

۱۴۔ خصوصی فوجی عدالت کی کاروائی کسی حال میں ملتوی نہیں کی جائے گی سوائے اس کے کہ عدالت کو یقین ہو کہ انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کیلئے سماعت کا التواء ضروری ہے۔ اگر وکیل صفائی یا "ڈیفنڈنگ آفیسر" عدالت میں موجود ہو تو ملزم کی عدم موجودگی کے باعث مقدمے کی کاروائی ہرگز ملتوی نہیں کی جائے گی۔ اگر عدالت کی رائے میں وکیل صفائی یا ڈیفنڈنگ آفیسر کی غیر موجودگی کا سبب خود ملزم ہو یا اس کی عدم موجودگی سے قبل ملزم کا رویہ ایسا ہو جس سے عدالتی کاروائی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو پھر بھی کاروائی ملتوی نہیں کی جائے گی۔

۱۵۔ عدالت کو اختیار ہو گا کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے استغاثے کے کسی رکن کی تحریک پر یا ملزم کے خلاف عائد کردہ الزامات میں کوئی ردوبدل کرے۔ ایسی ہر تبدیلی یا اضافے سے ملزم کو مطلع کیا جائے گا اور اگر ملزم اس بنیاد پر عدالتی کاروائی کو ملتوی کرنے کی درخواست کرے تو عدالتی کاروائی زیادہ سے زیادہ 24 گھنٹوں کے لئے ملتوی کی جاسکتی ہے۔

۱۶۔ مقدمے کی سماعت کے دوران کسی بھی وقت استغاثہ کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ عدالت کی رضامندی سے ملزم کے خلاف کسی الزام یا الزامات کو واپس لے لے۔

۱۷۔ اگر مقدمے کی سماعت کے دوران خصوصی عدالت کا کوئی رکن کسی وجہ سے عدالت میں موجود نہ ہو تو پھر بھی عدالت کی کاروائی جاری رہے گی بشرطیکہ صدر عدالت سمیت تین ارکان عدالت میں موجود ہوں۔

۱۸۔ ایسے کسی مسئلہ میں فوجی عدالت کے فیصلے کی ضرورت ہو اور ارکان عدالت میں اختلاف رائے ہو تو اکثریت کے ذریعے اس کا فیصلہ کیا جائے گا اگر تائید اور مخالفت کرنے والوں کی تعداد مساوی ہو تو پھر صدر عدالت کی رائے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو گی۔

۱۹۔ شہادت کے خصوصی ضابطے

خصوصی عدالت حسب ذیل قواعد کو بطور شہادت قبول کر سکتی ہے۔

(الف) کسی ایسے شخص کا تحریری بیان جسے کسی فرسٹ کلاس مجسٹریٹ نے قلم بند کیا ہو اور وہ مقدمے کی سماعت کے وقت فوت ہو چکا ہو 'مفقود الخبر' ہو یا اس کو عدالت میں پیش کرنے سے غیر معمولی انتظامات یا غیر معمولی اخراجات کا اندیشہ ہو۔

(ب) کوئی ٹیپ کی ہوئی تقریر یا بیان جسے قابل اعتماد افراد شناخت کر لیں کہ وہ مقرر ہی کی آواز ہے۔

۲۰۔ مقدمے کی سماعت کے دوران جن دستاویزات یا املاک وغیرہ کو ضبط کیا جائے گا ان کے بارے میں یہ عذر قابل سماعت نہ ہو گا کہ یہ ضبطی مروجہ قانون کے مطابق نہ تھی۔

۲۱۔ عدالت یا استغاثہ عدالت کی اجازت سے کسی بھی متعلقہ مسئلہ کے سلسلے میں جو عدالتی کاروائی کے دوران پیدا ہوا ہو پولیس سے تحقیقات کیلئے کہہ سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں

پولیس کی تحقیقات سے جو شہادت فراہم کی جائے گی اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا۔

۲۲۔ خصوصی عدالت کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ کسی ایسے شخص یا اشخاص کو جو اس ضابطے کی عملدرآمد میں رکاوٹ حائل کریں یا کوئی ایسا عمل کریں جس کا اس عدالت کی توہین ہوتی ہو دو چھ ماہ قید دو ہزار روپے جرمانے یا دونوں سزائیں دے۔

۲۳۔ جو کچھ اس ضابطے میں دیا گیا ہے اس قانون کے دفعات پاکستان آرمی ایکٹ مجریہ 1952 اور قانون شہادت مجریہ 1953 یا وہ تمام قوانین جو اس وقت موجود ہیں سے مختلف نہ ہو گا۔

شیڈول

ملزم شیخ مجیب الرحمن ولد مولوی شیخ لطف الرحمن ساکن مکان نمبر 677 روڈ نمبر 32 رہائشی ایریا دھان منڈی ڈھاکہ سابق صدر کالعدم آل پاکستان عوامی لیگ پر مندرجہ ذیل الزمات عائد کئے جاتے ہیں۔

۱۔ پاکستان کے خلاف جنگ کرنا' جنگ کی کوشش کرنا یا ایسی جنگ کیلئے عوام کو ترغیب دینا (زیر دفعہ 121 تعزیرات پاکستان)

۲۔ عوامی املاک کو تباہ کرنا' نقصان پہنچانے کی ترغیب دینا یا ایسی املاک کو نقصان پہنچانے کی ترغیب دینا جس کا تعلق پبلک سروسز یا مسلح افواج کی سپلائی یا عموی سپلائی سے ہو۔ (مارشل لاء ریگولیشنز نمبر 8 (ایم ایل آر 5 کے ساتھ پڑھا جائے)

۳۔ مسلح افواج کے کسی رکن کسی سول افسر یا سی ایم ایل اے کے ماتحت کسی بھی افسر پر حملہ کرنے یا انہیں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی سے باز رکھنے یا نقصان پہنچانے کی ترغیب دینا (ایم ایل آر نمبر 12 ایم ایل آر 5 کے ساتھ پڑھا جائے)

۴۔ سڑکوں' ٹرینوں' ہوائی اڈوں' ٹیلی فون' ٹیلی گراف اور وائرلیس کی تنصیبات یا حکومت کی کسی اور ملکیت کو نقصان پہنچانے کی ترغیب دینا (ایم ایل آر 14 ایم ایل آر 5 کے ساتھ پڑھا جائے)

۵۔ زبانی بات چیت' اشارے یا کسی اور ذریعہ سے ایسی خبر پھیلانا' جس کا مقصد مسلح افواج پولیس یا اس کے کسی رکن کے متعلق مخالفانہ جذبات کو ہوا دے کر نفرت پیدا کرنا اور عوام میں مایوسی پیدا کرنا۔(ایم ایل آر 17)

۶۔ تعلیمی اداروں میں ہڑتال کروانا' ہڑتال کے حالات پیدا کرنا یا ہڑتال کی ترغیب دینا۔ (ایم ایل آر 18)

۷۔ زبانی یا کسی اور ذریعے سے ایسی افواہیں پھیلانا جن کا مقصد صوبائی یا لسانی بنیادوں پر ملک کو صوبائی یا انتظامی بنیادوں پر علیحدگی کی طرف لے جانا۔(ایم ایل آر 19)

۸۔ زبانی' تحریری' الفاظ' اشارے کنائے یا کسی اور ذریعہ سے قانونی طور پر قائم شدہ صوبائی یا مرکزی حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات کو ہوا دینا۔(زیر دفعہ 124 تعزیرات پاکستان)

۹۔ مارشل لاء کے حکم نمبر 115 کی خلاف ورزی پر لوگوں کو اکسانا (ایم ایل آر 25۔ ایم ایل آر 5 کے ساتھ پڑھا جائے)

۱۰۔ زبانی الفاظ' اشاروں یا کسی اور ذریعہ سے سی ایم ایل یا مارشل لاء انتظامیہ کے کسی فرد کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنا۔(ایم ایل آر 22)

۱۱۔ پاکستان کے اندر یا باہر پاکستان کے خلاف سازش کی کوشش کرنا۔(زیر دفعہ تعزیرات پاکستان 124 الف دفعہ 121 کے ساتھ پڑھا جائے)

مذکورہ بالا الزامات کے بارے میں ایم ایل اے زون سی تمام تفصیلات کی چارج شیٹ تیار کر کے عدالت کو بمعہ شہادت پیش کریں گے۔

(چارج شیٹ کی ایک کاپی ملزم کو مقدمے کے آغاز سے کم از کم چوبیس گھنٹے قبل ایم ایل اے زون سے فراہم کریں گے)۔

دستخط آغا محمد یحییٰ خان

جنرل۔ کمانڈر انچیف افواج پاکستان۔ سی ایم ایل اے

24 جولائی 1971ء راولپنڈی

مقدمے کی سماعت کے دوران شیخ مجیب الرحمٰن نے دلائل پیش کرنے سے احتجاجاً انکار کر دیا اور اپنے وکیل اے۔ کے بروہی کو بھی مقدمے کی کاروائی میں شرکت کرنے کی ممانعت کر دی تھی جس سے عدالت کو اندیشہ ہوا کہ اگر وکیل نے ملزم کی ہدایت پر مقدمے کی کاروائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تو پھر کیا ہو گا چنانچہ اس مقصد کے لئے مارشل لاء کا ضابطہ نمبر 92 جاری کیا گیا اسے بھی خفیہ رکھا گیا۔

مارشل لاء ضابطہ 92

مارشل لاء ضابطہ 84 جاری کردہ سی ایم ایل اے میں حسب ذیل ترمیم کی جاتی ہے۔ یہ ضابطہ فوری طور پر نافذ ہو گا۔ مذکورہ ضابطہ نمبر 84 کے پیراگراف 7 میں درج ذیل فقرے کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

"اگر ملزم اپنے دفاع کیلئے کسی وکیل کو مقرر کرے
لیکن مقدمے کی سماعت کے دوران کسی وقت ملزم اس
وکیل کی اعانت کرنے سے انکار کر دے تو سی ایم ایل اے
اس وکیل کو حکم دے سکیں گے کہ وہ ملزم کا دفاع
کرے"۔

دستخط آغا محمد یحییٰ خان

جنرل۔ کمانڈر انچیف افواج پاکستان۔ سی ایم ایل اے

26 ستمبر 1971ء راولپنڈی

شیخ مجیب الرحمٰن نے فوجی عدالت میں جو بیان دیا اس کے متعلق ان کے وکیل مسٹر اے کے بروہی نے بتایا کہ "یہ دو ٹوک بیان تھا اس میں کہیں ابہام نہیں تھا انہوں نے کھل کر بلا خوف و خطر اپنا مافی الضمیر بیان کر دیا تھا اور مجھے امید تھی کہ دنیا کی کوئی بھی عدالت مدعا علیہ کے بجائے مدعی کو سزا سنا سکتی تھی۔ جنرل یحییٰ خان اور آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل

اکبر کی جانب سے "عدالت" پر مسلسل دباؤ ڈالا جارہا تھا کہ ملزم کو سزائے موت ملنی چاہئے لیکن عدالت کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل دکھائی دے رہا تھا"۔

شیخ مجیب الرحمٰن کے مقدمے کا فیصلہ نومبر 1971 کے وسط میں لکھ لیا گیا اور اسے توثیق کیلئے سی ایم ایل اے کے پاس بھیج دیا گیا۔ فیصلہ عدالت میں پڑھ کر نہیں سنایا گیا۔ اور نہ اس کی نقل وکیل صفائی یا اس کے موکل کو دی گئی بلکہ یہ کہا گیا کہ اس فیصلے کی قانونی حیثیت اس وقت ہوگی جب مارشل لاء کے ضابطہ 84 کے تحت سی ایم ایل اے اس کی توثیق کر دیں گے۔ مسٹر اے کے بروہی کا کہنا تھا کہ "میں نہیں کہہ سکتا کہ فیصلہ کیا ہوا ہے لیکن شیخ مجیب الرحمٰن کے بیان کی روشنی میں کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکا اس لئے ان کی رہائی یقینی ہے"۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن پریذیڈنٹ ہاؤس میں صدر ذوالفقار علی بھٹو کے مہمان رہے۔ چند دن کے بعد بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن کو لندن روانہ کر دیا وہاں سے وہ سیدھے دہلی پہنچے جہاں بھارتی فوجی دستے نے انہیں سلامی دی اس کے بعد انہوں نے اندرا گاندھی سے ملاقات کر کے ان کا شکریہ ادا کیا اور ڈھاکہ کیلئے روانہ ہو گئے۔

حکومت پاکستان کا وائٹ پیپر

حرفِ آغاز

اس وائٹ پیپر میں پہلی بار ان واقعات کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کا موجودہ بحران رونما ہوا۔ یہ بحران اس وجہ سے پیدا ہوا کہ عوام کے منتخب نمائندے وفاقی آئین کی اہم باتوں پر متفق نہ ہو سکے اور اس کا سبب عوامی لیگی قیادت کا رویہ تھا جسے عوام نے صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کرنے کا اختیار دیا تھا لیکن اس نے مطالبے کا دائرہ بڑھا کر اسے علیحدگی کی ایک تحریک میں تبدیل کر دینے کی کوشش کی۔

بین الاقوامی برادری نے ان واقعات پر توجہ دی اور تشویش کا اظہار کیا۔ بہر حال ابھی تک دنیا کو ان واقعات کے بارے میں ادھوری اور ناقص اطلاعات فراہم کی جاتی رہیں۔ اس وائٹ پیپر میں تفصیل کے ساتھ ان واقعات کا پس منظر بتایا گیا ہے جو بالآخر مسلح بغاوت کی شکل میں رونما ہوئے اور جس کا مقصد پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا۔

مشرقی پاکستان کے بحران کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے جن بنیادی حقائق کو

نظر میں رکھنا ضروری ہے' وہ یہ ہیں:

۱۔ پاکستان میں انتخابات کا پروگرام ۱۹۷۰ء کے قانونی ڈھانچے کے حکم پر مبنی تھا جسے تمام سیاسی پارٹیوں نے قبول کیا تھا۔ ان میں عوامی لیگ بھی شامل تھی۔ اس حکم میں یہ بات بالکل واضح کر دی گئی تھی کہ آئندہ کسی بھی آئینی نظام کے لئے پاکستان کی سالمیت اور اتحاد پہلی اور بنیادی شرط ہے۔

۲۔ وفاقی حکومت نے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو جو اقدام کیا' اس کا مقصد امن و امان بحال کرنا تھا جو عوامی لیگ کے "عدم تشدد" اور عدم تعاون کی تحریک کے دوران بالکل تباہ ہو گیا تھا۔ اس تحریک کے دوران جو ہنگامے اور ظلم و تشدد کے واقعات ہوئے اس دستاویز میں ان کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

۳۔ اگر ہندوستان مداخلت نہ کرتا اور لوگوں کو تخریب پر نہ اکساتا تو صورت حال جلد ہی معمول پر آ گئی ہوتی۔

☆☆☆

پہلا باب

کشمکش کی طرف

۱۹۶۲ء کے آئین کے خلاف جو سیاسی ایجی ٹیشن ہوا' اس کی وجہ سے قوم ایک سنگین بحران کا شکار ہو گئی اور آخر کار ۲۶ مارچ ۱۹۶۹ء کو مارشل لاء نافذ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ قوم کے نام اپنی پہلی ہی تقریر میں چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جنرل اے ایم یحییٰ خان نے کہا:

"میں آپ پر یہ بات بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری کوئی خواہش نہیں سوائے اس کے کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں جو ایک آئینی حکومت کے قیام کے لئے سازگار ہوں۔ یہ میرا پختہ ایمان ہے کہ ہوشمندانہ اور

تعمیری سیاسی زندگی کے لئے اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادی اور غیر جانبداری کے ساتھ منتخب کئے ہوئے عوام کے نمائندوں کو اقتدار کی پرامن منتقلی کے لئے ایک مستحکم' صاف ستھری اور دیانتدار انتظامیہ کا ہونا پہلی شرط ہے۔ عوام کے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کا یہ کام ہو گا کہ وہ ملک کو ایک قابل عمل آئین دیں اور ان دوسرے سیاسی' اقتصادی اور سماجی مسئلوں کا حل تلاش کریں جن کے بارے میں عوام فکر مند ہیں۔"

اس مقصد کے تحت سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی گئی اور صدر نے تمام سیاسی پارٹیوں اور سیاست دانوں کو یقین دلایا کہ "میری حکومت آپ کے بارے میں قطعی اور مکمل طور پر غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل کرتی رہے گی۔" بہر حال انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اگر کسی فرد' گروپ یا پارٹی نے اسلام اور پاکستان کے نظریے اور سالمیت کے خلاف پرچار کیا یا عوام کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ عوام اور ان کی مسلح افواج کے قہر و غضب کو دعوت دے گی۔

اس کے بعد کئی مہینے تک صدر نے ملک بھر میں سیاست دانوں اور رائے عامہ کے دوسرے لیڈروں سے تفصیلی صلاح مشورے جاری رکھے تاہم ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ء کو انہوں نے بڑے دکھ کے ساتھ یہ بات محسوس کی کہ آئین کے بارے میں کوئی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا باوجودیکہ صدر نے سیاسی لیڈروں سے پرزور اپیل کی تھی کہ وہ حالات کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوں اور قومی مدبرین کی حیثیت سے اس سنگین مسئلے کو سلجھائیں۔

انہوں نے دو بڑے سیاسی فیصلوں کا بھی اعلان کیا۔ اول یہ کہ مغربی پاکستان میں ایک یونٹ کی تنسیخ اور دوسرے آئندہ قومی اسمبلی کے انتخابات کی بنیاد پر ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کی منظوری۔

اس طرح مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان مساوات کا وہ اصول بدل گیا جس پر پہلے تمام سیاسی پارٹیاں (جن میں عوامی لیگ شامل تھی) رضامند ہو چکی تھیں اور ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے آئین اس مساوات کے اصول پر بنے تھے۔ صدر کے فیصلے سے پہلی بار یہ انتظام کیا گیا کہ قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان کو مستقلاً اکثریت حاصل رہے گی۔

سیاسی لیڈروں سے اپنی بات چیت کی بنیاد پر اور عوام کی علانیہ خواہشات کے پیش نظر صدر نے اعلان کیا کہ مندرجہ ذیل مسائل طے شدہ ہیں :۔

۱۔ پارلیمانی نظام حکومت

۲۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات

۳۔ شہریوں کے بنیادی حقوق اور عدالتوں کے ذریعہ ان کا تحفظ

۴۔ عدلیہ کی آزادی اور آئین کے محافظ کی حیثیت سے اس کا کردار

۵۔ آئین کی اسلامی نوعیت تاکہ اس نظریئے کا تحفظ کیا جائے جس کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا تھا۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء تک قانونی ڈھانچہ تیار ہو جائے گا' جون ۱۹۷۰ء تک انتخابی فہرست مرتب کرلی جائے گی اور ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو عام انتخابات کرائے جائیں گے۔ قومی اسمبلی کا فرض یہ ہوگا کہ وہ اپنے پہلے اجلاس کے بعد ایک سو بیس دن کے اندر آئین تیار کرے۔ صدر نے کہا تھا اگر اسمبلی کے اراکین کی تعداد مقررہ معیاد سے پہلے ہی آئین تیار کرلیں تو مجھے خوشی ہوگی لیکن اگر وہ مقررہ وقت تک یہ کام مکمل نہ کر سکے تو اسمبلی خود بخود ختم ہو جائے گی اور قوم کو ایک بار پھر انتخابات میں حصہ لینا ہوگا۔ میں دعا کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ چنانچہ میں آئندہ منتخب ہونے والے نمائندوں پر زور دوں گا کہ وہ پورے احساس ذمہ داری اور حب الوطنی کے جذبہ کے ساتھ اس فرض کو انجام دیں۔ ملک

بھر میں عام انتخابات کے لئے مہم یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو شروع ہوئی اور اس موقع پر صدر نے تمام پارٹیوں سے اپیل کی کہ وہ علاقائی مفادات کو نظرانداز کر دیں اور ذاتی اور مقامی نوعیت کی مصلحتوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ اخبارات' ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو میدان سیاست کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے نظریات اور خیالات پیش کرنے کی مکمل آزادی حاصل رہی۔ تمام سرکاری ملازمین کو سختی سے ہدایت کی گئی کہ وہ قطعی طور پر غیر جانب داری سے کام لیں۔ ۲۸ مارچ ۱۹۷۰ء کو قوم کے نام ایک تقریر میں صدر نے کہا:

> "میں ایک بار پھر آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جہاں تک انتخابی مہم کا تعلق ہے' اس کے بارے میں یہ حکومت ہمیشہ بالکل غیر جانبدار رہی ہے اور آئندہ بھی وہ اس پالیسی پر قائم رہے گی۔ بہر حال حکومت یہ توقع رکھتی ہے کہ کوئی سیاسی پارٹی یا فرد پاکستان کے نظریے اور اس کی سالمیت کے خلاف کام نہ کرے گا۔"

اس تقریر میں صدر نے قانونی ڈھانچے کے حکم ۱۹۷۰ء کی اہم دفعات کا بھی اعلان کیا۔ اس حکم میں وہ بنیاد فراہم کی گئی جس پر تمام سیاسی پارٹیوں نے انتخاب میں حصہ لیا۔

قانونی ڈھانچے کے حکم کے دیباچے میں قومی اسمبلی کا بنیادی کام یہ قرار دیا گیا کہ وہ اس حکم کے مطابق پاکستان کا دستور مرتب کرے گی۔ حکم کی دفعہ ۴(۱) میں بتایا گیا:

> قومی اسمبلی کے ممبروں کے عام انتخابات ہو جانے کے بعد صدر پاکستان آئین تیار کرنے کی غرض سے مناسب جگہ تاریخ اور وقت پر قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کریں گے۔"

یہ بات بھی طے کردی گئی کہ قومی اسمبلی اپنے پہلے اجلاس کے بعد ایک سو

بیس دن کے اندر ایک مسودے کی شکل میں آئین مرتب کرے گی جو آئینی بل کہلائے گا اور اگر اسمبلی اس میں ناکام ہو گئی تو وہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ قومی اسمبلی وفاق کی پہلی مجلس قانون ساز کی حیثیت سے کام شروع نہیں کرے گی اور جب تک آئینی بل قومی اسمبلی میں منظور ہونے کے بعد صدر کی منظوری حاصل نہ کر لے' اس وقت تک صوبائی اسمبلیوں کا اجلاس نہیں بلایا جائے گا۔

کسی وفاقی آئین کی تیاری کے سلسلے میں تاریخی روایت یہ رہی ہے کہ یا تو وفاقی یونٹوں کے درمیان عام اتفاق رائے ہو جاتا ہے یا تمام وفاقی یونٹوں کی واضح اکثریت کی مرضی معلوم کر لی جاتی ہے اور صدر نے اسی اصول کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا تھا کہ "آئین ایک مقدس دستاویز ہے اور یہ دراصل مل جل کر ساتھ رہنے کا ایک عہد نامہ ہے اور عام قانون سے بہت مختلف چیز ہے" قانونی ڈھانچے کے حکم میں بعض ایسے بنیادی اصول طے کر دیئے گئے جنہیں آئین میں شامل کرنا ضروری تھا ان میں یہ اصول شامل تھے :

۱۔ جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی پابندی کی جائے گی اور اس مقصد کے لئے بالغ رائے دہی اور آبادی کی بنیاد پر وقتاً فوقتاً وفاقی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے براہ راست اور آزادانہ انتخابات کرائے جائیں گے۔

۲۔ شہریوں کو بنیادی حقوق حاصل ہوں گے اور ان حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

۳۔ حصول انصاف اور بنیادی حقوق کے نفاذ کے معاملہ میں عدلیہ کی آزادی کا تحفظ کیا جائے گا۔

۴۔ تمام اختیارات جن میں قانون سازی اور انتظامی اور مالیاتی اختیارات شامل ہوں گے' وفاقی حکومت اور صوبوں کے درمیان اس طرح تقسیم کئے جائیں گے کہ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہو گی یعنی انہیں قانون سازی اور انتظامی اور مالی امور میں زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں گے

لیکن وفاقی حکومت کو بھی دیگر شعبوں کے علاوہ قانون سازی' انتظامی اور مالی امور میں کافی اختیارات حاصل ہوں گے تاکہ وہ داخلی اور خارجی امور کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری پوری کر سکے اور ملک کی آزادی اور علاقائی سالمیت کا تحفظ کر سکے۔

۵۔ اس بات کا پورا خیال کیا جائے کہ

(ا) پاکستان کے تمام علاقوں کے لوگ ہر قسم کی قومی سرگرمیوں میں پوری طرح حصہ لے سکیں۔

(ب) ایک مقررہ مدت کے اندر قانون بنا کر اور دوسری تدابیر اختیار کر کے صوبوں کے درمیان اور صوبوں کے مختلف علاقوں کے درمیان اقتصادی اور دوسرے شعبوں میں عدم مساوات ختم کر دی جائے۔

۶۔ آئین کے دیباچے میں اس بات کا اعلان کیا جائے کہ

(ا) پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کا موقع دیا جائے گا کہ وہ قرآن اور سنت کے مطابق اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال سکیں۔

(ب) اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ اور پیروی کی پوری آزادی ہو گی اور پاکستان کے شہریوں کی حیثیت سے انہیں دوسرے تمام حقوق' مراعات اور تحفظ حاصل ہوں گے اور سب سے زیادہ اہم بات حکم میں یہ رکھی گئی تھی کہ وہ ہر صوبے اور دوسرے علاقے جو پاکستان میں شامل ہیں یا بعد میں شامل ہوں گے' ایک وفاق کی شکل میں اس طرح متحد کئے جائیں گے کہ پاکستان کی علاقائی سالمیت اور قومی استحکام برقرار رہے گا اور وفاق کے اتحاد کو کسی بھی طرح کوئی بھی نقصان نہ پہنچنے پائے۔

صدر نے اپنی ۲۸ مارچ کی تقریر میں کہا تھا ہمارے عوام بڑے ہی محب وطن

ہیں چنانچہ وہ بہت سی اور باتیں تو گوارہ کر لیں گے لیکن پاکستان کی سالمیت کے خلاف
کسی تخریبی کارروائی کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ وہ ملک یا
عوام کے وقار کو زک پہنچا سکتا ہے یا عوام کے بنیادی اتحاد کو ختم کر سکتا ہے تو پھر وہ
شدید غلط فہمی کا شکار ہے۔ عوام ایسی کسی حرکت کو برداشت نہیں کریں گے۔ ملک کے
آئینی 'سیاسی' اقتصادی اور انتظامی مسائل کا اپنے طور پر حل پیش کرنے کی آزادی
ہے لیکن کسی کو ایسا حل پیش کرنے کا حق نہیں پہنچتا جس سے پاکستان کے عوام کے اتحاد
واستحکام پر برا اثر پڑے۔ اسے کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا۔ عوامی لیگ نے اپنے
جن نکات کا اعلان کیا' اس میں پاکستان کی خود مختار حیثیت کو بدلنے یا اس میں تخفیف کا
کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ نکتہ نمبر ایک میں کہا گیا تھا کہ "حکومت کا نظام وفاقی اور
پارلیمانی ہو گا۔"

شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنی انتخابی مہم کی تقریروں میں بار بار اسی بات پر زور دیا
تھا کہ وہ صرف صوبائی خود مختاری کے طالب ہیں اور ملک کر ٹکڑے کرنے یا اس کی
اسلامی حیثیت کو گھٹانے کے حامی نہیں ہیں۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۰ء کو نرائن گنج میں ایک عام
جلسے میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"چھ نکاتی پروگرام پر عمل کیا جائے گا لیکن اس کے ساتھ ہی نہ تو
پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچے گا اور نہ اسلام کے لئے کوئی خطرہ پیدا ہو گا۔
۲۴ ستمبر ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے انتخابات کو
"صوبائی خود مختاری کے مسئلے پر ایک ریفرنڈم قرار دیا۔ ۶ نومبر ۱۹۷۰ء کو
سلہٹ میں ایک اور تقریر میں انہوں نے کہا کہ عوامی لیگ کے چھ نکاتی
پروگرام کا مقصد اس بات کا انتظام کرنا ہے کہ آئین میں علاقائی خود مختاری
کے ذریعہ مشرقی بنگال کے مفادات کا بھی تحفظ کیا جائے گا"۔

دوسرے عوامی لیگی لیڈر بھی اس انداز کی باتیں کرتے رہے۔ مشرقی پاکستان

عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر تاج الدین نے ۲۱ ستمبر ۱۹۷۰ء کو نرائن گنج میں کہا
کہ "چھ نکات کے حصول کا ملک کی سالمیت اور استحکام سے بہت گہرا تعلق ہے۔"

آل پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر اے ایچ ایم قمر الزمان نے
۲۷ ستمبر ۷۰ء کو لاہور میں ایک عام جلسے میں "اس خیال کی نہایت واضح الفاظ میں
تردید کی کہ ان کی پارٹی کا مقصد پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔ اس سے پہلے ۲۱
جون ۱۹۷۰ء کو راجشاہی میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ "مشرقی اور
مغربی پاکستان کا رشتہ ناقابل شکست ہے اور اس اتحاد کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ مشرقی
پاکستان عوامی لیگ کے نائب صدر خوندکر مشتاق احمد نے ۲۰ مارچ ۱۹۷۰ء کو فینی میں
ایک عام جلسے میں اعلان کیا کہ عوام لیگ ایک مضبوط پاکستان کی حامی ہے۔ انہوں نے
کہا کہ "مکمل علاقائی خود مختاری مل جانے سے قوم کو مضبوط و مستحکم بنانے میں مدد
ملے گی۔"

بہر حال شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں کی ان تقریروں کے ساتھ
ساتھ نہایت جذبات انگیز اور غلط باتوں سے پر ایسے بیانات بھی جاری کئے گئے جن میں
مشرقی پاکستان کے عوام کو اپنے مغربی پاکستان کے بھائیوں کے خلاف بھڑکایا گیا۔
۱۱ مارچ ۱۹۷۰ء کو مشرقی پاکستان کے ہزاری باغ پارک میں تقریر کرتے ہوئے شیخ
مجیب الرحمٰن نے کہا "میں نواب زادہ نصر اللہ خان' مولانا مودودی اور خان عبدالقیوم
خان سے یہ پوچھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے آقاؤں کے ذریعے بنگال کی جو دولت لوٹی
ہے' وہ اسے اور کتنے عرصے تک واپس نہیں کریں گے۔" انہوں نے بنگالیوں سے کہا
کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں اور بنگال کی مقدس سرزمین سے سیاسی میر جعفروں اور طفیلیوں
کا قلع قمع کر دیں۔

۱۰ جون ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ میں ایک عام جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مشرقی
پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر تاج الدین احمد نے کہا "گزشتہ برسوں میں

استحصال پسندوں اور ڈاکوؤں نے بنگالیوں کی بوٹیاں نوچ کھائیں ہیں اور ان کا خون چوس لیا ہے۔ آئندہ انتخابات میں ملک کی سیاست میں انہیں نیست و نابود کر دینا ضروری ہے"

دوسرے دن ڈھاکہ میں کالا ایشور ہائی سکول کھیا میں ایک عام جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا "مغربی علاقے کے استحصال پسندوں کا ایک طبقہ پچھلے تئیس برس سے مشرقی بنگال کا خون چوس رہا ہے۔ پاکستان کی تاریخ سازشوں اور مسلسل ظلم و استبداد کی تاریخ ہے۔"

اس کے بعد مشرقی پاکستان میں انتخابی مہم شروع ہوئی تو عوامی لیگ بالکل بے لگام ہو گئی جس کی وجہ سے ہر سیاسی پارٹی کو زبردست شکایات پیدا ہوئیں۔ انتخابی مہم میں عوامی لیگ کی اس روش کے خلاف جن لوگوں نے علانیہ صدائے احتجاج بلند کی، وہ یہ تھے :

۱۔ جناب نور الامین صدر پاکستان جمہوری پارٹی اور مشرقی پاکستان کے ایک سابق وزیر اعلیٰ

۲۔ جناب محمود علی نائب صدر پاکستان جمہوری پارٹی

۳۔ جناب عبد السلام صدر مغربی پاکستان شاخ پاکستان جمہوری پارٹی

۴۔ پروفیسر غلام اعظم امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان

۵۔ سید الطاف حسین جنرل سیکرٹری مشرقی پاکستان نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ)

۶۔ پیر محسن الدین صدر جمعیت العلمائے اسلام مشرقی پاکستان

۷۔ مسز امینہ بیگم سینئر نائب صدر پاکستان نیشنل لیگ اور سابق قائم مقام صدر عوامی لیگ۔

متذکرہ بالا رہنما اور دوسرے لیڈر ۱۹۷۰ء کے دوران عوامی لیگ کے مجرمانہ طریق کار یعنی جلسوں کو درہم برہم کرنے، سیاسی حریفوں کو مارنے پیٹنے اور

دوسری جماعتوں کے دفتروں کو توڑنے پھوڑنے اور لوٹ مار کے خلاف برابر احتجاج کرتے رہے۔ یہ نکتہ چینی شدت اختیار کر گئی مگر حکومت نے اس خیال سے مداخلت نہ کی کہ کہیں یہ شکایت نہ کی جائے کہ حکومت انتخابی مہم میں دخل انداز ہو رہی ہے۔

۱۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں ایک سیاسی جماعت کا پہلا جلسہ منعقد ہوا جس پر ایک ہجوم نے دھاوا بول دیا۔ اس جھگڑے میں ایک آدمی ہلاک ہوا اور پانچ سو کے چوٹیں آئیں۔ یہ جلسہ جماعت اسلامی کا تھا۔ اس نے الزام لگایا کہ جن لوگوں نے میدان میں گھس کر حملہ کیا اس میں عوامی لیگ کے کارکن شامل تھے جو پہچانے گئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھیار اور دستی بم تھے۔

ڈھاکہ کے روزنامے پاکستان آبزرور نے اپنے ۲۰ جنوری ۱۹۷۰ء کے شمارے میں اس کی مذمت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ان واقعات سے کہ اندھیرا ہوتے ہی لوگوں کے جتھے آنا شروع ہوئے، جلسہ کو درہم برہم کیا، پنڈال کو آگ لگائی، ہزاروں کے مجمع کو منتشر کیا، ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام منظم طور پر اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ورنہ اتنے تھوڑے سے وقت میں اس کام کا انجام پانا ممکن نہ تھا۔

تشدد کے مظاہرے پر صدر پاکستان نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے خبردار کیا کہ "سیاسی مقصد کے حصول کی خاطر تشدد کے استعمال سے عوام کو اقتدار کی منتقلی میں رکاوٹ پڑنے کا احتمال ہے اور جو لوگ اس کے مرتکب ہوں گے، وہ رائے عامہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔"

انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ "جو لوگ دلیل کے بجائے ڈنڈے سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں، ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو نہ اپنے مقصد پر بھروسہ ہوتا ہے اور نہ جمہوریت پر، خواہ وہ زبان سے کیسے ہی دعوے کیوں نہ کرتے ہیں۔"

اس واقعہ کے ایک ہفتے کے اندر اندر ایک اور سیاسی جماعت پاکستان جمہوری پارٹی کا جلسہ درہم برہم کرنے کی کوشش کی گئی اور سترہ رہنماؤں نے اپنا مشترکہ بیان

جاری کیا کہ جس میں اس کی مذمت کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ نرائن گنج میں ۳۱ جنوری ۱۹۷۰ء کو جو جلسہ ہو رہا تھا اس کو شرپسندوں اور غنڈوں نے منظم ہو کر منتشر کیا۔ اسی روز انہی رہنماؤں نے ایک اور مشترکہ بیان جاری کیا جس میں انہوں نے عوامی لیگ پر الزام لگایا کہ وہ غنڈہ گردی اور دہشت پسندی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ میں جماعت اسلامی کے دفتر پر ہلہ بول دیا گیا اور اس جماعت کے جنرل سیکرٹری نے ایک اخباری بیان میں الزام لگایا کہ یہ حملہ مقامی عوامی لیگ کے غنڈوں نے کیا تھا۔ انہوں نے دفتر کا دروازہ توڑا میز کرسی کو توڑا پھوڑا۔ سائن بورڈ کو نکال پھینکا اور دفتر کے کاغذات اور جھنڈے کو آگ لگادی۔"

یکم فروری ۱۹۷۰ء کو عوامی لیگ کے کارکنوں نے ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں عوامی جمہوری پارٹی کے ایک اور جلسہ کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔ حملہ آور "جے بنگلہ" کا نعرہ لگا رہے تھے اور اس گڑبڑ میں نظام اسلام پارٹی کے لیڈر مولوی فرید احمد سمیت بہت سے لوگوں کو چوٹیں آئیں۔ پاکستان جمہور پارٹی کے صدر مسٹر نور الامین نے اس غنڈہ گردی سے متاثر ہو کر جو بیان جاری کیا تھا اس میں کہا تھا کہ "میرے پاس عوامی لیگ کی اس غنڈہ گردی کی مذمت کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں جس نے اپنی بات منوانے کے لئے فاشی طریقے اختیار رکھے ہیں اور یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ عوامی لیگ نے مذموم حرکت کی ہو۔"

۲۸ فروری ۱۹۷۰ء کو چٹاگانگ سے نکلنے والے دو اخباروں "روزنامہ بنیاد" اور "روزنامہ سنگرام" کے دفتروں پر جو عوامی لیگ پر تنقید کرتے تھے، حملہ کیا گیا۔ چنانچہ پاکستان جمہوری پارٹی کے نائب صدر مسٹر محمود علی نے اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے اسے اخباروں کی آزادی پر حملہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر بنیاد اور سنگرام عوامی لیگ سے اختلاف رکھتے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو تباہ کر دیا جائے۔ کیا عوامی لیگ کے نزدیک جمہوریت کا یہی تصور ہے جسے وہ پاکستانی عوام کے سامنے پیش

کر رہی ہے۔

۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ کے روزنامے پاکستان آبزور سمیت کئی اخباروں میں یہ خبر تھی کہ "عوامی لیگ کے پانچ سو سے زیادہ ہتھیار بند کارکنوں نے حالی شہر ہاؤسنگ سوسائٹی کے رہنے والوں پر دھاوا بول دیا جس سے بائیس آدمی زخمی ہوئے اور جن میں سے سات کی حالت بہت خراب ہے۔ اس حملہ کی وجہ یہ تھی کہ عوامی لیگ نے ہڑتال کا مطالبہ کیا تھا اور ان لوگوں نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

ڈھاکہ کے اخبار پوربودیش نے ۱۷ اگست ۱۹۷۰ء کے شمارے میں یہ خبر چھاپی تھی کہ ۱۲ اگست کو ضلع فرید پور کے قصبے گولپائی گنج کے میدان میں ہونے والے پاکستان جمہوری پارٹی کے ایک جلسہ میں عوامی لیگ اور اسٹوڈنٹس لیگ کے کارکنوں نے گڑبڑ مچائی۔ اس خبر میں یہ بتایا گیا کہ حملہ آور گولپال میں شیخ مجیب کے گھر سے جو جلسہ گاہ سے بہت قریب تھا، نکل کر آئے تھے۔

ڈھاکہ کے اخبار روزنامہ سنگرام مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۷۰ء میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ ۲۲ اگست ۷۰ء کو طالب علموں کے ایک گروہ نے چٹاگانگ کے اخبار روزنامہ "اذان" کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی۔ یہ شرپسند نوجوان چھ نکات کی حمایت میں نعرے لگا رہے تھے اور "جے بنگلہ" "جے بنگلہ" پکار رہے تھے۔

۱۹ ستمبر ۱۹۷۰ء کو عوامی لیگیوں نے یشودری کے اسلامی چھاترو سنگھو کے جنرل سیکرٹری کو زدوکوب کیا اور ۲۴ ستمبر ۱۹۷۰ء کو عوامی لیگ کے کارکنوں نے قصبہ چاندپور کے نواح میں بھوری بازار میں نظام اسلام پارٹی کے دفتر پر ہلہ بول دیا اور فرنیچر کو توڑ تاڑ کر رکھ دیا۔

ڈھاکہ کے روزنامے "سنگباد" نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں یہ خبر چھاپی تھی کہ "شرپسندوں کے ایک گروہ نے جس کا تعلق عوامی لیگ سے ہے، بچوں میاں کے مکان واقع سڑک نمبر ۱۳ ہزاری باغ ڈھاکہ پر ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو

چڑھائی کی۔ فسادیوں نے مکان میں پتھر پھینکے' عورتوں کو گالیاں دیں اور بچوں کو مارا پیٹا۔"

۵ نومبر ۱۹۷۰ء کو مسز امینہ بیگم سینئر نائب صدر پاکستان نیشنل پارٹی سابق قائم مقام صدر عوامی لیگ نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے عوامی لیگ کے پیروکاروں کے ہاتھوں ان کے انتخابی دفتر واقع متوائل پر حملہ کی مذمت کی اور ایک ہفتے کے بعد پوربودیش نے اپنے ۱۰ نومبر ۱۹۷۰ء کے شمارے میں یہ خبر شائع کی کہ کونسل مسلم لیگ کے امیدوار خواجہ خیر الدین کے حامیوں نے کل رات سینٹرل ڈھاکہ سے ایک بڑا جلوس نکالا۔ جب یہ جلوس امیر باغ پہنچا تو اس پر عوامی لیگ کے کارکنوں نے ہلہ بول دیا جس میں پانچ آدمیوں کے چوٹیں آئیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۷۰ء کو جو قیامت خیز طوفان آیا تھا اور جس نے مشرقی پاکستان کے ساحلی علاقوں میں زبردست تباہی مچائی' اس کے پیش نظر مشرقی پاکستان کے تقریباً تمام ہی رہنماؤں نے یہ مطالبہ کیا کہ انتخابات کو کچھ اور مدت کے لئے ملتوی کر دیا جائے تاکہ وہ مصیبت زدہ لوگوں کی آباد کاری و بحالی کے کام پر پوری توجہ دے سکیں۔ اگرچہ انتخابات کے مزید التواء سے مغربی پاکستان کے لوگوں کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تاہم پاکستان کے تمام لیڈروں نے ایک زبان ہو کر اپنی رضامندی کا اعلان کیا۔ شیخ مجیب الرحمان تھوڑے دن تو خاموش بیٹھے رہے اور پھر التواء کی تجویز کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ انہوں نے مرکزی حکومت پر شدید نکتہ چینی کی اور کہا کہ وہ مشرقی پاکستان کے عوام کی دلی خواہش کے حصول کی خاطر مزید دس لاکھ جانوں کی قربانی دینے پر آمادہ ہیں۔

صدر نے انتخابات ملتوی نہیں کئے اور ۳ دسمبر ۱۹۷۰ کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "میری حکومت کی نیت پر بہت سے شبہات کا اظہار کیا گیا مگر اس کے باوجود ہم اپنے عزم پر قائم ہیں کہ اس سرزمین پر جمہوریت کا بول بالا

کر کے رہیں گے۔

اس کے ساتھ صدر نے اس بات پر زور دیا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دستوری معاملات کے بارے میں اتفاق رائے پیدا کیا جائے' اس لئے کہ دستور ملک کا کوئی عام قانون نہیں ہوتا بلکہ آپس میں مل جل کر رہنے کا عہد نامہ ہوتا ہے اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ عوام کے منتخب نمائندے اور خاص طور پر سیاسی جماعتوں کے راہنما اس فرصت میں جو انتخابات کے نتائج کے اعلان کے بعد اور قومی اسمبلی کے انعقاد سے قبل ملے گی' اس کے دوران میں وہ آپس میں مل بیٹھیں اور مجوزہ دستور کی موٹی موٹی باتوں پر مفاہمت کر لیں۔ اس کے لئے ضروری ہو گا کہ افہام و تفہیم سے کام لیں اور ایک دوسرے پر بھروسہ کریں اور اپنی تاریخ کے اس نازک دور کے تقاضوں کو پورا کریں۔

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات دسمبر ۱۹۷۰ء میں ہوئے۔ طوفان زدہ علاقوں میں قومی اسمبلی کی نو نشستوں اور صوبائی اسمبلی کی ۲۱ نشستوں کا انتخاب ایک ماہ بعد جنوری ۷۱ میں ہوا۔ قومی اسمبلی کے نتائج سے دو بڑی پارٹیاں ابھریں۔ ایک عوامی لیگ جس نے ۱۷۲ نشستیں حاصل کیں اور دوسری پاکستان پیپلز پارٹی جس کے حصہ میں ۸۵ نشستیں آئیں لیکن ان دونوں پارٹیوں کی علاقائی حیثیت تھی۔ عوامی لیگ کی نمائندگی صرف مشرقی پاکستان اور پی پی پی کی نمائندگی صرف مغربی پاکستان تک محدود رہی۔

انتخاب کی تکمیل کے بعد یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ قومی اسمبلی کے اجلاس سے قبل ہی سیاسی جماعتوں اور قانونی ڈھانچے کے حکم کے مطابق آئین سازی کے بارے میں مفاہمت ہو جائے گی اور عوامی لیگ بار بار اسی بات پر زور دیتی رہی کہ چھ نکات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ایک متحدہ پاکستان کے دائرے سے باہر ہو اور اس نے صدر کو بھی یہی باور کرایا تھا اور پھر صدر نے ۲۸ جون ۱۹۷۱ء کو نشری تقریر میں یہ بتایا

تھا کہ جب میں نے مجیب الرحمٰن سے بات چیت کے دوران ان سے عوامی لیگ کے چھ
نکات کے بارے میں وضاحت چاہی تو انہوں نے کہا کہ ان نکات میں ردوبدل ہو سکتا
ہے۔ انہوں نے یہ بات صاف طریقے پر بتائی کہ سیاسی جماعتیں اسمبلی سے باہر آپس
میں بات چیت سے آئین کی تمام دفعات پر مفاہمت کر لیں گی۔

مغربی پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے لیڈر جناب بھٹو سمیت تمام
سیاسی لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن سے مفاہمت کی غرض سے ڈھاکہ پہنچے اور خود صدر نے
مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان آئینی بات چیت کو آگے بڑھانے کی خاطر متعدد
جگہوں کے دورے کئے اور انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو علی الاعلان پاکستان کا ہونے
والا وزیراعظم قرار دیا۔ اس کے برعکس شیخ مجیب الرحمٰن کو مغربی پاکستان آنے کی کئی بار
دعوت دی گئی مگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا اور چھ نکات پر بات کرنے سے انکار کر دیا اور
یہ دلیل دی کہ اب یہ عوام کی ملکیت ہے اور ان میں ردوبدل کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

انتخابات ختم ہونے کے بعد عوامی لیگ کا انداز بدل گیا۔ ۷ جنوری ۱۹۷۱ء کو
"اوٹاوا گلوب اینڈ میل" نے لکھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا ہے کہ "میری پارٹی کو
۳۱۳ نشستوں کی اسمبلی میں واضح اکثریت ہو گئی ہے اور اگر مغربی پاکستان نے میری
پارٹی کے چھ نکاتی پروگرام کو پورے کا پورا تسلیم نہیں کیا تو میں تنہا قدم اٹھاؤں گا
اور آئین تیار کراؤں گا۔"

۱۳ فروری ۱۹۷۱ء کو اعلان کیا گیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو
ڈھاکہ میں ہوگا۔ ۱۵ فروری ۱۹۷۱ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے کہا کہ میری
پارٹی اس وقت تک قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوگی جب تک ہمیں یہ
یقین نہ دلایا جائے کہ اکثریتی پارٹی کسی حد تک ہم خیالی پر آمادہ ہے۔" انہوں نے کہا
"میرے خیال میں ہم کوئی ایسی راہ نکال سکتے ہیں کہ جس سے ہم دونوں مطمئن
ہو جائیں لیکن اگر ہمیں اس لئے ڈھاکہ جانے کو کہا جائے کہ ہم صرف اس آئین کی

توثیق کر دیں جو عوامی لیگ پہلے ہی تیار کر چکی ہے اور جس میں شمہ بھر بھی کوئی تبدیلی
نہیں کی جا سکتی تو آپ ہمیں ڈھاکہ میں نہیں پائیں گے۔ ۲۱ فروری ۱۹۷۱ء کو شیخ مجیب
الرحمٰن نے کہا "ہمارا موقف بالکل واضح ہے۔ آئین چھ نکات کی بنیاد پر بنے گا۔"
قومی اسمبلی کا کام پاکستان کے وفاق کے لیے آئین تیار کرنا تھا جس کے پانچ
وفاقی یونٹ ہیں اور کوئی یونٹ باقی چار یونٹوں پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔
آئین کو وفاق کے تمام دوسرے یونٹوں کے لئے قابل قبول بنانے کی غرض
سے یہ ضروری تھا کہ آئین سازی کے بنیادی اصولوں پر عام اتفاق رائے ہو جائے گا۔
مشرقی اور مغربی پاکستان کی بڑی سیاسی پارٹیوں کے درمیان آئینی تعطل سے
یہ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ اتفاق رائے نہ ہونے کی صورت میں قومی اسمبلی آئین نہیں
بنا سکے گی اور ٹوٹ جائے گی۔ اس سے عوام کی تمنائیں پوری نہیں ہوتیں اور ساتھ ہی
اقتدار کی منتقلی کا جو منصوبہ بڑی احتیاط سے تیار کیا گیا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ جاتا۔
یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو صدر نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا
مشرقی اور مغربی پاکستان کے سیاسی لیڈروں کے درمیان سیاسی کشمکش سے پوری قوم پر
مایوسی طاری ہو گئی ہے انہوں نے کہا "مختصراً صورت حال یہ ہے کہ مغربی پاکستان کی
بڑی پارٹی اور اس کے ساتھ بعض دوسری سیاسی پارٹیوں نے بھی ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کے
قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان
کی پیدا کی ہوئی کشیدگی کی عام فضا سے پوری صورت حال اور الجھ گئی ہے اس لئے میں
نے قومی اسمبلی کا اجلاس بعد میں کسی تاریخ تک ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔
میں نے بار بار کہا ہے کہ آئین کوئی عام قانون نہیں ہوتا بلکہ یہ آپس میں مل
جل کر زندگی گزارنے کا ایک عہد نامہ ہوتا ہے لہٰذا ایک صحت مند اور قابل عمل آئین
کے لئے یہ ضروری ہے کہ آئین سازی کے کام میں مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں کو
شرکت کا پورا احساس ہو۔

قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنے کے ساتھ یہ قطعی یقین دہانی کرادی گئی کہ جیسے ہی مذکورہ حالات آئین سازی کے لئے سازگار ہو جائیں گے' اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اقتدار کی منتقلی کی منزل مقصود اب بھی سب سے مقدم ہے۔

شیخ مجیب الرحمن کی طرف سے اس کارد عمل یہ ہوا کہ انہوں نے عام ہڑتال کی اپیل کی۔ ۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ اس نازک گھڑی میں ہر شعبہ زندگی میں ایک بنگالی پر جس میں سرکاری ملازمین بھی شامل ہیں' یہ مقدس فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عوام دشمن طاقتوں سے تعاون نہ کرے بلکہ اس کے بجائے بنگلہ دیش کے خلاف سازش کو ناکام بنانے کے لئے کوئی کسر اٹھانہ رکھے۔

عوامی لیگ کی ہڑتال کی اپیل اور خوف وہراس پھیلانے کی مہم سے سارے مشرقی پاکستان میں روزمرہ کا کاروبار مفلوج ہو کر رہ گیا اور امن وامان کی صورت حال تیزی سے خراب ہونے لگی۔

(ان واقعات کا مکمل بیان اس وائٹ پیپر کے تیسرے باب میں موجود ہے)

۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو صدر نے قومی اسمبلی کے پارلیمانی گروپوں کے بارہ منتخب ممبروں کو دعوت دی کہ وہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ میں جمع ہوں تاکہ آئینی بحران حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس کانفرنس میں مدعو کئے جانے والے لیڈر یہ تھے۔

۱۔ شیخ مجیب الرحمن (عوامی لیگ)
۲۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو (پاکستان پیپلز پارٹی)
۳۔ خان عبدالقیوم خان (پاکستان مسلم لیگ)
۴۔ جناب نورالامین (پاکستان جمہوری پارٹی)
۵۔ میاں ممتاز دولتانہ (کونسل مسلم لیگ)

۶۔ خان عبدالولی خان (نیشنل عوامی پارٹی)
۷۔ مولانا مفتی محمود (جمعیت العلمائے اسلام)
۸۔ مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیۃ علمائے پاکستان)
۹۔ جناب عبدالغفور احمد (جماعت اسلامی)
۱۰۔ جناب محمد جمال گوریجہ (پاکستان مسلم لیگ کنونشن)
۱۱۔ میجر جنرل جمال داد (قبائلی علاقوں کے نمائندے)
۱۲۔ ملک جہانگیر خان (قبائلی علاقوں کے نمائندے)

ایوان صدر کے اعلان میں یہ بھی کہا گیا: صدر کے خیال میں کوئی وجہ نہیں کہ اس کانفرنس کے دو تین ہفتے کے اندر قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد نہ ہو۔

شیخ مجیب الرحمن نے اسی شام صدر کی دعوت مسترد کرنے کا اعلان کر دیا۔

مشرقی پاکستان میں لاقانونیت زور پکڑتی گئی جس سے بھاری جانی ومالی نقصان ہونے لگا۔ شیخ مجیب الرحمن نے "عدم تشدد اور عدم تعاون" کی تحریک پر عمل درآمد کے لئے ہدایات جاری کرنی شروع کر دیں۔ انہوں نے ٹیکس ادانہ کرنے کی مہم چلانے کا بھی اعلان کیا۔

۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے صدر نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہوگا۔ جن لوگوں نے عام اتفاق رائے کے بغیر پاکستان کے آئندہ آئین کے قابل عمل ہونے کے بارے میں شکوک وشبہات ظاہر کئے تھے' ان کو مخاطب کرتے ہوئے صدر نے کہا" میں یہ بات بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خواہ کچھ بھی ہو' جب تک پاکستان کی مسلح افواج کی کمان میرے ہاتھ میں ہے اور میں سربراہ مملکت ہوں' اس وقت تک میں پاکستان کی مکمل سالمیت کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ اس بارے میں کسی کو ذرہ بھر شک وشبہ یا مغالطہ نہیں ہونا چاہئے۔ مجھ پر مشرقی اور مغربی پاکستان کے کروڑوں آدمیوں کی طرف سے اس ملک کے تحفظ کی

ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے یہ توقع کرتے ہیں اور میں انہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

۷ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ کے ایک عام جلسے میں تقریر کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے چار نکاتی مطالبہ پیش کیا اور کہا کہ اس مطالبہ کے مانے جانے کے بعد ہی عوامی لیگ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونے پر غور کرے گی۔"

فروری اور مارچ ۱۹۷۱ء کے مہینوں میں مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارے میں غیر ملکی اخباروں میں جو اطلاعات شائع ہوئیں' ان سے اس وقت کے واقعات کی واضح تصویر سامنے آئی ہے۔ ۲۳ فروری ۱۹۷۱ء کو لنڈن ٹائمز نے لکھا شیخ مجیب الرحمٰن اپنے بیانوں میں مشرقی پاکستان کا نام لینے کے جائے بنگلہ قوم کا ذکر کرنے لگے ہیں۔ "لیور پول ٹیلی پوسٹ" نے اپنی ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھا "وہائٹ ہال میں اب یہ خدشہ محسوس کیا جارہا ہے کہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور مشرقی پاکستان ایک آزاد بنگال مسلم جمہوریہ بننے کا اعلان کردے گا۔ عوامی لیگ کے لیڈر شیخ مجیب جنہوں نے قومی اسمبلی کی تین سو نشستوں میں سے ایک سو اکسٹھ نشستیں حاصل کیں' اب مشرقی پاکستان کا نام نہیں لیتے بلکہ اس کے جائے بنگالی جمہوریہ کا نام لینے لگے ہیں۔ وہائٹ ہال میں محسوس کیا جارہا ہے کہ برطانیہ کی حکومت کو شدید خدشہ ہے کہ کہیں دولت مشترکہ کے ایک ملک کا شیرازہ نہ بکھر جائے۔"

۳ مارچ ۱۹۷۱ء کے واشنگٹن پوسٹ میں شیخ مجیب الرحمان کی ۲ مارچ والی پریس کانفرنس کی خبر شائع ہوئی جس میں کہا گیا کہ عوامی لیگ کے صدر شیخ مجیب الرحمٰن نے ڈھاکہ میں جلدی میں ایک اخباری کانفرنس بلائی جس میں انہوں نے کہا "عوامی لیگ ۷ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ میں ایک عام جلسہ کرے گی جہاں میں بنگال کے عوام کے حق خود اختیاری کے حصول کے لئے ایک پروگرام پیش کروں گا"۔ جب ان

سے پوچھا گیا کہ کیا آپ آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں تو انہوں نے کہا "آپ انتظار کریں۔" اس سے پہلے بھی ۲۷ نومبر ۱۹۷۰ء کو اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا "آزادی' نہیں ابھی نہیں۔"

لندن کے ڈیلی ٹیلی گراف نے ۹ مارچ ۱۹۷۱ء کو لکھا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کی آزادی کا اعلان کردیا ہے جس پر مطالبوں کا ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ہے (وہی چار نکاتی مطالبہ جو ۲۵ مارچ کے اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونے کی شرط کے طور پر پیش کیا گیا تھا)۔ یہ مطالبے ایسے ہیں کہ صدر یحییٰ خان ان کو مان نہیں سکتے.

.... عوامی لیگ کے لیڈر شیخ مجیب نے اپنی تحریک کو "آزادی" کی تحریک کا نام دیتے ہوئے قومی اسمبلی میں تعاون کرنے کے لئے شرطیں رکھی ہیں جن کو صدر یحییٰ خان قبول نہیں کر سکتے۔ اس دن ڈیلی ٹیلی گراف نے ایک اداریے میں کہا "سننے میں آرہا ہے کہ علیحدہ ریاست کا نام مشرقی پاکستان کے جائے بنگلہ دیش رکھا جائے گا۔ اس کا پرچم تیار کرلیا گیا ہے۔"

۱۳ مارچ ۱۹۷۱ء کے "لندن اکنامسٹ" نے لکھا "۲۵ مارچ کو آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے سلسلے میں صدر کے دعوت نامے کے جواب میں انہوں نے چار شرطیں رکھی ہیں اور کہا ہے کہ ان شرطوں کے پورا ہونے کے بعد ہی اجلاس میں میری اور عوامی لیگ کی شرکت ممکن ہے۔ ان میں سے دو شرطیں ایسی ہیں جن کو صدر کے لئے قبول کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ مارشل لاء فوراً ختم کیا جائے اور دوسری یہ کہ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو فوری منتقل کر دیا جائے۔ صدر یحییٰ خان جلد ہی ڈھاکہ جانے والے ہیں تاکہ ان شرطوں سے متعلق اختلافات پر شیخ مجیب الرحمٰن سے شاید آخری بات چیت کر سکیں۔

۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو جس دن صدر یحییٰ خان عوامی لیگ سے مزید آئینی بات

چیت کے لئے ڈھاکہ روانہ ہوئے۔ رسالہ "ٹائم" نے نیویارک سے اطلاع دی :

آئندہ تفرقے (یعنی پاکستان کی دو آزاد ریاستوں میں بٹ جانے) کے پیچھے شیخ مجیب الرحمٰن کا ہاتھ ہے۔ مجیب نے پچھلے ہفتہ ڈھاکہ میں ٹائم کے نامہ نگار ڈان سے کہا "پاکستان اپنی موجودہ شکل میں اب باقی نہیں رہا : اب تصفیے کی کوئی امید نہیں ہے۔" انہوں نے زور دیا کہ مشرقی و مغربی پاکستان کو الگ الگ آئین اختیار کرنا چاہئے اور ان کے پیروکار مرکزی حکومت کو جو مغربی پاکستان میں ہے، ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اب جلد ہی وہ بنگلہ دیش کے نام سے آزادی کا کھلم کھلا اعلان کرنے والے ہیں . . . . . دو دن پہلے مشرقی پاکستان کے لیڈر نے مغربی پاکستان کے لوگوں کے بارے میں کہا "میں انہیں سیدھا کر دوں گا اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دوں گا۔" اس قسم کے بیان کے بعد آزادی کا کھلم کھلا اعلان کر دینا کوئی ڈرامائی بات نہیں ہوگی۔

☆☆☆

دوسرا باب

۲۔ بحران شدید تر ہوگیا

۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان کی صورت حال یہ تھی :

۱۔ عوامی لیگ کے علیحدگی پسندوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے امن و امان باقی نہیں رہا تھا۔

۲۔ آتش زنی اور لوٹ مار کی بے شمار وارداتوں کے علاوہ عوامی لیگ کی تشدد پسندی نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی اور ۳ مارچ کو چاٹگام میں اور ۵ مارچ کو کھلنا میں عوامی لیگ سے متفق نہ ہونے والوں پر حملے کئے گئے جن کے دوران سینکڑوں آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔

۳۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے انتظامیہ، مواصلات، تجارتی لین دین وغیرہ کے کام سے متعلق متعدد ہدایات کا باضابطہ طور پر اعلان کر کے مرکزی اور صوبائی دونوں حکومتوں کے اختیارات کو کھلم کھلا چیلنج کیا تھا۔

۴۔ مشرقی پاکستان کی مشرقی اور مغربی دونوں سرحدوں پر ہندوستان کی مسلح افواج کی نقل و حرکت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ ان واقعات کی تفصیل وائٹ پیپر کے آئندہ باب میں بیان کی گئی ہے۔

شیخ مجیب الرحمٰن کی علیحدگی پسندی کے ان واضح آثار کے باوجود جن کا مزید اظہار ان کے ۷ مارچ والے چار نکاتی مطالبے سے ہوا، پاکستان کے صدر مزید آئینی بات چیت کے لئے ۱۵ مارچ کو ڈھاکہ روانہ ہوئے۔

۷ مارچ کو شیخ مجیب الرحمٰن نے جو چار نکاتی مطالبہ پیش کیا، وہ یہ تھا :

۱۔ مارشل لاء فوراً اٹھالیا جائے۔

۲۔ تمام فوجی عملے کو بارکوں میں فوراً واپس بلالیا جائے۔

۳۔ جانی نقصان کے بارے میں تحقیقات کرائی جائیں اور

۴۔ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو فوراً (قومی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے) منتقل کر دیا جائے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ عوامی لیگ کے لیڈر نے اس بارے میں کوئی یقین دہانی نہیں کرائی تھی کہ اگر یہ شرطیں مان بھی لی جائیں تو وہ صدر کے بلائے ہوئے قومی اسمبلی کے ۲۵ مارچ کے اجلاس میں شرکت کرتے۔ ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ اگر یہ شرطیں پوری ہو گئیں تو ہم اس بات پر غور کریں گے کہ آیا ہمیں اجلاس میں شریک ہونا ہے یا نہیں۔

۱۶ مارچ ۱۹۷۱

شیخ مجیب الرحمٰن نے صدر سے ملاقات کی اور اپنا چار نکاتی مطالبہ پیش کیا۔

بعد میں انہوں نے عوامی لیگ کی ہائی کمان کا اجلاس بلایا۔ اسی دن انہوں نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے لوگوں سے پھر اپیل کی کہ "مشرقی پاکستان کے ایک ایک گھر کو قلعے میں تبدیل کر دیا جائے۔"

۱۷ مارچ ۱۹۷۱ء

صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن سے دوبارہ بات چیت کی اور کہا کہ میں ہمیشہ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو جلد از جلد منتقل کرنے کے اصول پر کاربند رہا ہوں۔ اسی شام عوامی لیگ کا ایک وفد جس میں سید نذر الاسلام، مسٹر تاج الدین اور ڈاکٹر کمال حسین شامل تھے، صدر کے مشیروں سے ملا۔ ملاقات میں اس بات پر غور کیا گیا کہ اقتدار منتقل کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔ مارشل لاء کا ایک ضابطہ تیار کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ وزیروں کی کونسل قائم کی جائے جس کے ممبر عوام کے منتخب نمائندوں میں سے لئے جائیں۔ یہ کونسل صوبے کے گورنر کو ان کے کام میں مدد اور مشورہ دے۔ مارشل لاء کے ضابطے کے مسودے میں یہ بھی کہا گیا کہ مارشل لاء کا عمل دخل کم سے کم کر دیا جائے۔

ساتھ ہی زون "بی" کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ایک حکم جاری کیا جس کے تحت حالات کی تحقیقات کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا جن میں یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو شہری انتظامیہ کی مدد کرنے کے لئے فوج طلب کی گئی تھی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے چار مطالبات کی جو فہرست پیش کی تھی، یہ مطالبہ اس فہرست میں تیسرے نمبر پر تھا۔

مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے ایک جج جنہیں چیف جسٹس نے نامزد کیا ہو، اس کمیشن کے سربراہ مقرر کئے جانے والے تھے۔ کمیشن میں چار ممبر تجویز کئے گئے تھے جو سول سروس آف پاکستان، پولیس سروس آف پاکستان، آرمی اور ایسٹ پاکستان رائفلز سے لئے جانے والے تھے۔"

۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک بیان جاری کیا جس میں تحقیقاتی کمیشن کے قیام کی تجویز کو مسترد کر دیا حالانکہ ۷ مارچ کو انہوں نے جو مطالبات پیش کئے تھے ان میں سے تیسرا مطالبہ یہ بھی تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس قسم کے کمیشن کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ بنگلہ دیش کے عوام اس قسم کے کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے کام کر کے تعاون نہیں کریں گے۔"

انہوں نے مزید کہا کہ "مارشل لاء کے حکم کے تحت اس کمیشن کا قیام اور یہ شرط کہ کمیشن اپنی رپورٹ مارشل لاء کے حکام کو پیش کرے گا قابل اعتراض ہے۔

۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے گیارہ بجے دن صدر مملکت سے ملاقات کی۔ انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ عبوری مدت میں جب تک مارشل لاء کا ضابطہ نافذ ہے، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے اختیارات دیئے جائیں اور مرکز اور صوبوں میں مکمل نمائندہ حکومتیں قائم کی جائیں۔ انہوں نے مارشل لاء بالکل اٹھا لئے جانے کا مطالبہ کیا۔

شام کے وقت پریذیڈنٹ اور شیخ مجیب الرحمٰن کے مشیروں کی ایک اور ملاقات ہوئی۔ عوامی لیگ کی جماعت کو بتایا گیا کہ اگر ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو نافذ ہونے والا مارشل لاء اٹھا لیا جائے تو مرکزی اور صوبائی حکومتیں قائم کرنے والے ادارہ کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے گی۔ اس سے ملک میں آئینی خلا پیدا ہو جائے گا۔ انہیں یہ بھی سمجھایا گیا کہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان صدارت کے عہدے پر اس لئے فائز ہیں کہ وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہیں۔

مسٹر تاج الدین احمد نے کہا کہ یہ مسائل سیاسی ہیں، اس لئے انہیں سیاسی

طریقے سے حل کیا جانا چاہئے۔ ڈاکٹر کمال حسین نے تجویز پیش کی کہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات کو ترک کر کے پاکستان کے صدر کا عہدہ اور اختیارات سنبھال لیں۔

اس ملاقات کے بعد صدر مملکت کے مشیروں نے عوامی لیگ کے مطالبے کو ممکن قانونی حد تک پورا کرنے کے لئے مارشل لاء کا ایک اور ضابطہ تیار کیا۔ مارشل لاء کے اس ضابطے میں جو تجاویز رکھی گئی تھیں، وہ یہ تھیں

۱۔ مرکزی اور صوبائی کابینہ کا قیام

۲۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو ۶۲ کے آئین کے تحت قانون سازی کے اختیارات دینا۔

۳۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں اور فوجی عدالتوں کی تنسیخ لیکن چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ برقرار رکھنا تاکہ قانونی خلا پیدا نہ ہو۔

اسی روز مغربی پاکستان کے تین لیڈر کونسل مسلم لیگ کے میاں ممتاز محمد خان دولتانہ، سردار شوکت حیات خان اور جمعیت العلمائے اسلام کے مولانا مفتی محمود آئینی تعطل دور کرنے کے سلسلے میں صدر اور شیخ مجیب الرحمٰن سے ملنے کے لئے ڈھاکہ پہنچے۔

۲۰ مارچ ۱۹۷۱ء

عوامی لیگ نے جادیو پور میں ایک فوجی قافلے کے ذریعے اور چاٹگام میں پاکستان کے ایک جہاز ایم وی سوات کے ذریعہ لائے جانے والی فوجی رسد میں رکاوٹ ڈال کر حد سے زیادہ اشتعال انگیزی کی۔ اس کے باوجود صدر نے ان کے ساتھ سیاسی بات چیت جاری رکھی۔ دس بجے دن صدر اور ان کے مشیروں اور شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے مشیروں کی ایک اور ملاقات ہوئی۔ سید نذر الاسلام، خوندکر مشتاق احمد، کیپٹن منصور علی، مسٹر تاج الدین، مسٹر اے ایچ قمر الزمان اور ڈاکٹر کمال حسین،

شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ تھے۔

صدر مملکت نے شیخ مجیب الرحمٰن کو صاف صاف بتایا کہ اقتدار کی پرامن منتقلی کی خاطر وہ کسی بھی منصوبے کو اس وقت تک اصولاً قبول کرنے پر غور نہیں کریں گے جب تک تمام سیاسی لیڈر اس پر واضح طور پر متفق نہ ہو جائیں۔

صدر کے مشیروں نے بھی انہیں یہ بات سمجھائی کہ قانونی طور پر اس کا کوئی طریقہ کار نہیں ہے کہ مارشل لاء بالکل اٹھالیا جائے اور جنرل اے۔ ایم یحییٰ خان ملک کے صدر کا عہدہ سنبھال لیں۔ صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے مشیروں کو سمجھایا کہ مجوزہ اعلان کے راستے میں جو قانونی رکاوٹیں حائل ہیں، ان پر قانونی ماہرین کو غور کرنا پڑے گا۔

عوامی لیگ نے اپنے موقف کی تائید میں ایک آئینی ماہر (جناب اے کے بروہی) کو پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کے ساتھ ساتھ صدر کے مشیروں اور جناب مجیب الرحمٰن کے ساتھیوں کے درمیان حسب ذیل مقاصد کے لئے بات چیت جاری رکھنے کی تجویز رکھی گئی:

۱۔ مارشل لاء اٹھالیا جائے۔

۲۔ مرکزی اور صوبائی کابینہ کی تشکیل کا انتظام کیا جائے۔

۳۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے اختیارات بھی دیئے جائیں۔

۴۔ مشرقی پاکستان کی جغرافیائی حیثیت کے پیش نظر دوسرے صوبوں کے مقابلے میں مشرقی پاکستان کو زیادہ صوبائی خود مختاری دی جائے اور

۵۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے، اس پر مزید بحث مباحثہ ہونا چاہئے۔ بتایا گیا کہ قانونی تقاضے پورے کرنے کے لئے مارشل لاء اس وقت تک نافذ رہے گا جب تک قومی اسمبلی اپنے ۲۵ مارچ کے

اجلاس میں ان مقاصد کے حصول کے طریقہ کار کی توثیق نہ کردے۔ شیخ مجیب الرحمٰن یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوئے۔

بعد میں اس روز صدر مملکت کی طرف سے ایک فرمان کا مسودہ تیار کیا گیا تاکہ عوامی لیگ کے اس اعتراض کو دور کی جاسکے کہ مجوزہ حکم مارشل لاء کے ضابطے کی شکل میں نہیں ہونا چاہیے۔ فرمان کے مسودے کا مقصد یہ تھا کہ منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے کے سلسلے میں دوسرے ٹھوس نکتوں پر بات چیت کرنے کے لئے ایک بنیاد فراہم ہو جائے۔ اس سلسلے میں یہ بات کہ اس فرمان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی' عوامی لیگ کے آئینی ماہر سے مزید بات چیت تک ملتوی رکھی گئی۔

اس سب سے اہم معاملے کو چھوڑ کر کہ اس کی قانونی حیثیت کیا ہو گی' فرمان کے مسودے کی خاص خاص باتیں یہ تھی:

۱۔ صوبائی کابینہ کے وزراء جس روز سے اپنے عہدے کا حلف اٹھائیں گے' اس روز سے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو نافذ کیا جانے والا مارشل لاء منسوخ ہو جائے گا۔

۲۔ اس مجوزہ فرمان کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ۴ اپریل ۱۹۶۹ء کا عبوری آئین کا حکم ضروری تبدیلیوں اور اضافوں کے ساتھ عبوری مدت کے لئے پاکستان کا آئین سمجھا جائے گا۔

۳۔ جو شخص اس فرمان کے اجراء کے فوراً پہلے صدر کے عہدے پر فائز ہو گا' وہ عبوری مدت میں صدارت کے عہدے پر فائز رہے۔

۴۔ صدر ملک کے انتظامی سربراہ ہوں گے اور ۱۹۶۲ء کے آئین اور عبوری آئین کے حکم کے تحت دیئے گئے اختیارات استعمال کریں گے اور فرائض انجام دیں گے۔ ۱۹۶۲ء کے آئین اور عبوری آئین کے حکم کو سابق آئین کہا جائے گا۔

۵۔ ایک مرکزی کابینہ ہو گی جس کے وزیروں کو مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں میں سے منتخب کیا جائے گا۔

۶۔ سابق آئین کے تحت پاکستان کی قومی اسمبلی کے فرائض وہ قومی اسمبلی ادا کرے گی جس کا ذکر آئینی ڈھانچے کے حکم میں کیا گیا ہے۔

۷۔ صرف مرکزی اسمبلی کو سابق آئین کے تیسرے جدول میں ذکر کئے گئے معاملوں کے بارے میں قانون بنانے کا اختیار حاصل ہو گا البتہ مشرقی پاکستان کے صوبے میں بعض حدود اور پابندیاں بات چیت کے ذریعے طے کی جا سکتی ہیں۔

(تیسرے جدول میں مرکزی امور اور مرکز کے قانون سازی کے کلی اختیارات کا ذکر ہے)۔

۸۔ صوبائی اسمبلی کے فرائض آئینی ڈھانچے کے مطابق منتخب صوبائی اسمبلی ادا کرے گی مشرقی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ ان معاملات کے بارے میں بھی قانون بنائے جن کے بارے میں قومی اسمبلی کے قانون سازی کے اختیارات پر بعض مدیں عائد کی جائیں۔

۹۔ صوبے کے گورنر کا تقرر صدر اس صوبے کے پارلیمانی گروپوں کے لیڈروں کے مشورے سے کریں گے اور وہ جب تک صدر کی مرضی ہو گی' گورنر کے عہدے پر فائز رہیں گے۔

۱۰۔ ہر صوبے میں وزراء کی ایک کابینہ ہو گی اور وزیر اعلیٰ اس کابینہ کا سربراہ ہو گا۔ یہ گورنر کو اس کے فرائض کی ادائیگی میں مدد دے گی لیکن ایسا کوئی شخص وزیر نہیں ہو گا جو صوبائی اسمبلی کا ممبر نہ ہو یا قومی اسمبلی کا ممبر نہ ہو یا ممبر منتخب نہ ہوا ہو۔

۱۱۔ فرمان کے اعلان کے سات دنوں کے اندر دو کمیٹیاں' ایک ڈھاکے میں اور

دوسری اسلام آباد میں، قائم کی جائیں گی۔ یہ کمیٹیاں ہر صوبے کی خاص ضرورتوں اور شقوں کی ایک ایک فہرست مرتب کریں گی۔

۱۲۔ ان کمیٹیوں کی رپورٹ مل جانے کے بعد صدر مملکت جب اور جہاں مناسب سمجھیں گے، آئین بنانے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرلیں گے۔

۱۳۔ جب صدر مملکت کو صوبے کے گورنر یا کسی اور ذریعے سے یہ معلوم ہوگا کہ صوبے میں ایسی صورتحال پیدا ہو گئی ہے جس میں صوبائی حکومت کام نہیں کرسکتی تو صدر ایک فرمان کے ذریعے صوبے کی حکومت کے کچھ یا تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں۔

اسی روز (۲۰ مارچ ۱۹۷۱ء) کو کونسل مسلم لیگ اور العلمائے اسلام کے لیڈروں نے شیخ مجیب الرحمٰن سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی۔

۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے تاج الدین احمد کے ساتھ صدر سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات پہلے سے طے نہیں تھی۔ انہوں نے کہا کہ اب ہم مرکزی کابینہ کا تقرر نہیں چاہتے۔ یہ ان کے موقف اور ارادوں میں ایک اہم تبدیلی تھی۔ عوامی لیگ وہ آئینی ماہر پیش کرنے میں بھی ناکام رہی جس کا اس نے اپنے فرمان کے مسودے کی قانونی حیثیت ثابت کرنے کے لئے وعدہ کیا تھا۔

صدر کی دعوت پر پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو اپنے مشیروں کے ساتھ ڈھاکہ پہنچ گئے

۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن کے اعلانیہ انکار کے باوجود کہ وہ مذاکرات کے لئے مسٹر بھٹو سے ملاقات نہیں کریں گے، صدر نے دونوں لیڈروں پر زور دیا کہ وہ ان کے

ساتھ اکٹھے ملاقات کریں اس ملاقات کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن کی درخواست کو منظور کرنے کے لئے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس بلائے جانے کے بارے میں صدر کا حکم منسوخ کردیا گیا۔

تجویز پیش کی گئی کہ مجوزہ فرمان کو قانونی حیثیت دینے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس اپریل ۱۹۷۱ء کی دوسری تاریخ کو بلایا جائے۔ یہ تجویز عوامی لیگ نے منظور نہیں کی۔

اسی شام بنگلہ دیش گودریہ چھاترو سنگرام پری شد (طلباء کی مرکزی مجلس عمل) نے علان کیا کہ مشرقی پاکستان میں ۲۳ مارچ کو جس روز سارے پاکستان میں یوم پاکستان منایا جائے گا "پور تیو دودھ دیش" (یوم مزاحمت) منایا جائے گا۔

صدر مملکت نے میاں ممتاز علی دولتانہ، سردار شوکت حیات، مولانا مفتی محمود، نیشنل عوامی پارٹی کے خان عبدالولی خان اور میر غوث بخش بزنجو سے بھی ملاقات کی۔ انہوں نے ان لیڈروں سے کہا کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کریں اور انہیں سیاسی تصفیے پر آمادہ کریں۔

دریں اثناء ترمیم شدہ فرمان کا مسودہ مسٹر زیڈ اے بھٹو اور مسٹر تاج الدین کو فراہم کیا گیا تاکہ مختلف مسائل پر غور کرنے میں سہولت ہو۔ چھ بجے شام مسٹر زیڈ اے بھٹو نے مسٹر محمود علی قصوری، مسٹر جے اے رحیم، ڈاکٹر مبشر حسن، مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ اور مسٹر رفیع رضا کے ساتھ صدر کے مشیروں سے ملاقات کی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے نمائندوں نے حسب ذیل نکات پیش کئے۔

۱۔ مارشل لاء اٹھائے جانے کے بعد اور قومی اسمبلی کی توثیق کے بغیر مجوزہ فرمان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں رہے گی۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ یا مجوزہ فرمان کی قومی اسمبلی سے توثیق کرائی جائے یا اس کا اعلان کردیا جائے لیکن اس پر عمل درآمد قومی اسمبلی کی توثیق کے بعد ہو یا متبادل طور پر، چیف

مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے صدر کی اتھارٹی برقرار رہے تاکہ مجوزہ فرمان کی قومی اسمبلی کی طرف سے توثیق کئے جانے تک قانونی حیثیت برقرار رہے۔

۲۔ پاکستان پیپلزپارٹی کا موقف یہ تھا کہ مجوزہ فرمان کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی تو یہ کسی کام کا نہ ہوگا اور اگر عوامی لیگ یکطرفہ طور پر آزادی کا اعلان کردے تو یہ اعلان اس کے لئے قانونی بندش نہ بن سکے گا۔

۳۔ قومی اسمبلی کے مشترکہ اجلاس میں عوامی لیگ کی زبردست اکثریت کو من مانی کرنے سے روکنے کے لئے انہوں نے یہ تجویز رکھی کہ فرمان میں یہ شق رکھی جائے کہ قومی اسمبلی میں کوئی قانون یا آئین اس وقت تک پیش نہیں کیا جاسکتا جب تک ہر بازو کے ممبروں کی اکثریت اسے منظور نہ کرلے۔

۴۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ۱۹۶۲ء کے آئین کے تیسرے جدول میں ردوبدل کرنے کا اختیار اس جدول میں ترمیم کرنے تک محدود رکھا جائے اور جدول کی تمام شقوں کو بدلنے کا اختیار نہ دیا جائے۔ ان میں وہ شقیں بھی شامل تھیں جن پر اتفاق رائے ہو گیا تھا اور بعض معاملے مثلاً دفاع مرکز کے زیر انتظام رہیں گے۔

۵۔ صوبائی گورنروں کا تقرر صرف اکثریتی پارٹی کے صلاح مشورے سے نہیں بلکہ اس کی سفارشات پر کیا جائے۔ اس دفعہ میں ترمیم کردی جائے کہ بعض حالات میں صوبائی گورنر اپنی مرضی سے فرائض انجام دے سکتے ہیں کیونکہ یہ دفعہ نمائندہ حکومت کے تصور سے متصادم ہے۔

۶۔ پاکستان پیپلزپارٹی نے یہ بھی معلوم کرنا چاہا کہ فرمان جاری کئے جانے کے بعد قانونی ڈھانچے کے حکم کی حیثیت کیا ہوگی۔ اس کا مقصد یہ دریافت کرنا تھا کہ قانونی ڈھانچے کا حکم برقرار رہے گا یا نہیں۔

آخر کار پاکستان پیپلزپارٹی نے یہ سوچا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس پہلے ایک واحد ادارے کی حیثیت سے ہو اور بعد میں دو کمیٹیاں قائم کی جائیں

۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء

۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء کے واقعات کی تفصیل دوسری جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان میں ہتھیار بند لوگوں کے اجتماعات اور شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ پر بنگلہ دیش کا پرچم لہرانے کے واقعات شامل ہیں۔

پونے بارہ بجے دن کے وقت صدر کے مشیروں اور عوامی لیگ کے وفد کی ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر کمال حسین نے فرمان کا ایک مسودہ پیش کیا جو انہوں نے عوامی لیگ کی طرف سے تیار کیا تھا (دیکھیے ضمیمہ ۵) عوامی لیگ کا وفد اس تجویز کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا کہ بڑھتی ہوئی کشیدگی اور حالات کے دباؤ کے پیش نظر اور اس بناء پر کہ پاکستان پیپلزپارٹی اور قومی اسمبلی کی دوسری پارٹیوں سے مشورہ کرنا ضروری ہے' بات چیت سابق مسودہ فرمان کی بنیاد پر آگے بڑھنی چاہئے۔ عوامی لیگ نے اس تجویز سے بھی اتفاق نہیں کیا کہ اگر وہ چاہے تو اصلی مسودے میں اضافہ یا ترمیمیں تجویز کرسکتی ہے۔

ان حالات میں عوامی لیگ کے مسودے کی چھان بین شروع کی گئی اور بات چیت چھ بجے شام تک کے لئے ملتوی کردی گئی۔ پھر شام کو ایک اجلاس ہوا اور عوامی لیگ کے وفد سے مندرجہ ذیل معاملوں پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

۱۔ قانونی اعتبار سے یہ لازمی تھا کہ مارشل لاء اٹھانے سے پہلے اس قسم کے فرمان کی توثیق قومی اسمبلی سے کرالی جائے۔

۲۔ عوامی لیگ کے مسودے میں کہا گیا تھا کہ صوبے میں مارشل لاء اس دن اٹھایا جائے جب صوبے کے گورنر. جنہیں ہٹایا نہیں جاسکتا' اپنے عہدے کا حلف اٹھالیں اور پورے پاکستان میں مارشل لاء فرمان کے نافذ ہونے کے سات دن بعد اٹھایا جائے۔ یہ بتادیا گیا کہ اس سے انتظامی انتشار پھیل جائے گا اور اگر

مارشل لاء اٹھاتا ہے تو یہ اقدام اس دن کیا جائے جب تمام صوبوں میں وزراء اپنے عہدے کا حلف اٹھالیں۔

۳۔ ملک کے دونوں حصوں کے قومی اسمبلی کے ممبروں کی کیٹیاں قائم کرنے کی سابق تجویز کے سلسلے میں عوامی لیگ کے مسودے میں یہ ترمیم کی گئی کہ بنگلہ دیش کی ریاست اور مغربی پاکستان کی ریاستوں سے منتخب ہونے والی قومی اسمبلی کے ممبر الگ الگ حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھائیں اور بنگلہ دیش کی ریاست اور مغربی پاکستان کی ریاستوں کے لئے الگ الگ آئین بنانے پر مامور کئے جائیں۔

یہ بتادیا گیا کہ اس سے پاکستان کی قومی اسمبلی ہٹ کر مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کی اسمبلیوں میں تبدیل ہو جائے گی، یعنی یہ ایسا آئینی فارمولا ہے جس سے علیحدگی کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔

۴۔ عوامی لیگ کو بتایا گیا کہ اس مسودے سے قومی اسمبلی کے ممبروں کے حلف نامے کی نوعیت بھی تبدیل ہو گئی ہے۔ قانونی ڈھانچے کے حکم میں جس کے تحت انتخابات ہوئے تھے اور اسمبلی کا اجلاس ہونے والا تھا، واضح طور پر دفعہ بارہ میں حلف نامے کی عبارت یہ رکھی گئی تھی :

"میں صدق دل سے اس بات کا حلف اٹھاتا ہوں (یا تصدیق کرتا ہوں) کہ پاکستان کا پوری طرح وفادار رہوں گا اور مجھے جو فرائض سونپے جانے والے ہیں، ان کو سچے دل سے اپنی کوشش بھر دیانت داری کے ساتھ قانونی ڈھانچے کے حکم مجریہ ۱۹۷۰ء اور اس حکم میں دیئے ہوئے اسمبلی کے قواعد و ضوابط کے مطابق اور پاکستان کے اتحاد، وحدت، بہبود اور خوش حالی کا خیال رکھتے ہوئے انجام دوں گا۔

عوامی لیگ کے مسودہ آئین کی دفعہ ۱۷(۵) میں مندرجہ ذیل حلف نامہ تھا :

"میں صدق دل سے اس بات کا حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلمہ قانون کے تحت پاکستان کے آئین کا وفادار اور اس پر پوری طرح کاربند رہوں گا۔"

۵۔ صدر کے مشیروں نے عوامی لیگی وفد سے ان کے مسودہ کی اس دفعہ کے سنگین مضمرات پر تبادلہ خیال کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اسمبلی کو "پاکستان کے کنفیڈریشن" کے لئے آئین تیار کرنا چاہئے اور اس بات کی وضاحت بھی کردی گئی کہ کنفیڈریشن سے مراد آزاد اور خود مختار ملکوں کی یونین ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دفعہ قانونی ڈھانچے کے حکم اور عوامی لیگ کے چھ نکات دونوں ہی سے متصادم تھی کیونکہ دونوں میں واضح طور سے یہ بات طے تھی کہ پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگا۔

۶۔ عوامی لیگ کے مسودے کی دفعہ ۱۷(۷) کی عبارت یہ تھی :

"صدر کو جب آئینی بل پیش کیا جائے گا تو وہ اس کی منظوری دے دیں گے اور بل پیش کرنے کی تاریخ سے سادن گزر جانے پر بہر صورت یہ تصور کیا جائے گا کہ اسے صدر کی منظوری حاصل ہو چکی ہے۔ عوامی لیگ کے وفد کو بتایا گیا کہ ان کی یہ دفعہ قانونی ڈھانچے کے حکم میں متعین کردہ پانچ آئینی اصولوں سے متصادم ہے۔

عوامی لیگ کے مسودے کے مالی اور اقتصادی پہلوؤں پر بھی تبادلہ خیال کیا گیا۔ جن اہم امور پر تبادلہ خیال کیا گیا، وہ یہ تھے :

ا۔ عوامی لیگ کے مسودے میں ۱۹۶۲ء کے آئین کے تیسرے جدول کے ۴۹ امور کی جگہ مشرقی پاکستان کے لئے مذکور بالا بارہ امور مرکزی شعبے ہوں گے اور دوسرے امور صوبائی شعبے میں رہیں گے۔

۲۔ حد یہ ہے کہ تیسرے جدول کے بارہ امور کے بارے میں عوامی لیگ نے اہم ردوبدل تجویز کیا۔ اسی طرح عوامی لیگ کے مسودے میں تیسرے جدول

کے پہلے آئٹم میں صرف "پاکستان کا دفاع" کے الفاظ رہ گئے جب کہ ۱۹۶۲ء کے آئین میں اس آئٹم میں پانچ ذیلی شقیں بھی تھیں اور واضح کیا گیا تھا کہ اس میں بری و بحری اور فضائی فوج کی تعمیرات' دفاع سے متعلقہ صنعتیں' اسلحہ سازی اور چھاؤنی کے علاقوں کے دائرہ اختیار وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ ان پر واضح کیا گیا کہ عوامی لیگ نے اس معاملے میں اپنے سابقہ بیانات سے انحراف کیا ہے اور امور خارجہ سے متعلقہ تمام شعبوں میں بیرونی تجارت اور امداد کو الگ کر کے اپنی پوزیشن سے ہٹ گئی ہے۔ عوامی لیگ وفد نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ بیرونی ملکوں میں الگ الگ تجارتی نمائندے مقرر کئے جائیں۔

عوامی لیگ کے مسودے کی دفعہ ۱۴(۱) میں جس کا تعلق مرکزی شعبوں سے تھا بہت سے اہم امور حذف کر دیئے گئے تھے' جن کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ اس میں سنٹرل پبلک سروس کمیشن اور مرکز کے امور سے متعلقہ ملازمتوں اور اسامیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

۲۔ قومی مردم شماری کرانے کے لئے کسی تنظیم کا تذکرہ نہیں تھا۔ ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کے پیش نظر یہ ایک اہم بات تھی جو حذف کر دی تھی۔

۳۔ دونوں حصوں کے درمیان ٹرانسپورٹ کی سروسوں اور بین الاقوامی پوسٹل سروسوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

عوامی لیگی وفد نے بتایا کہ وہ ان معاملات کے بارے میں اپنے موقف میں کسی قسم کا ردوبدل کرنے کو تیار نہیں۔

جہاں تک محصولات کا تعلق ہے' عوامی لیگ نے مسودے میں مرکز کی

طرف سے ٹیکس لگانے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ حد یہ ہے کہ جن مرکزی شعبوں کا خود ان کے مسودے میں ذکر تھا' ان کے سلسلے میں ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے بھی مرکز کو ٹیکس کے اختیارات نہیں دیئے گئے تھے۔ عوامی لیگ نے دو اور دفعات کا بھی اضافہ کر دیا :

۱۔ یہ تجویز رکھی گئی کہ مرکز نے ۷۱-۱۹۷۰ء کے سالانہ ترقیاتی پروگرام میں مشرقی پاکستان کے لئے جو رقم رکھی ہے اس کے مقابلے میں صوبائی وسیلوں میں جتنی بھی کمی پڑے گی' وہ سب مرکز پورا کرے گا حالانکہ مرکز کو مشرقی پاکستان میں ٹیکس وصول کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہو گا۔

۲۔ یہ بات بھی کہی گئی تھی کہ اگر عبوری دور ۲۰ جون ۱۹۷۱ء کے بعد تک قائم رہا تو مرکز کو صوبوں کی طرف سے ملنے والی رقم کے مقررہ فی صد تناسب کا اصول بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

صدر کے مشیروں نے کہا کہ وفاقی طرز حکمرانی کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ مرکز کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اپنی آئینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس کو جس قدر رقم درکار ہو' اسے محصول لگا کر پورا کیا جائے۔

عوامی لیگ کے مسودہ آئین میں یہ وضاحت کر دی گئی تھی کہ مشرقی پاکستان کا ایک الگ اسٹیٹ بنک ہو گا جس کے لئے صوبائی اسمبلی قانون بنائے گی اور وفاقی اسٹیٹ بنک صرف حسب ذیل امور کا ذمہ دار ہو گا :

۱۔ روپے کی زر مبادلہ میں کیا قیمت ہونی چاہیے۔

۲۔ مشرقی پاکستان کے اسٹیٹ بنک کی سفارش پر نئے نوٹ جاری کرنا۔

۳۔ ٹکسال اور سیکورٹی پریس چلانا۔

۴۔ بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے عام کاروبار کرنا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جو بھی لین دین ہو گا' وہ مشرقی پاکستان کے اسٹیٹ بنک کی ہدایت کے مطابق

ہو گا۔

۵۔ عوامی لیگ کے مسودہ آئین کی دفعہ ۱۶ اور ۱۷(ا) کی رو سے قرار دیا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کا اسٹیٹ بینک ۱۹ اپریل یعنی دو ہفتے کے اندر قائم ہو جائے۔ عوامی لیگ اس تجویز میں کسی قسم کے ردوبدل پر آمادہ نہیں تھی۔

عوامی لیگ کے مجوزہ صدارتی فرمان (دیکھئے جدول) کے مطابق ۱۹۶۲ء کے آئین کی ۱۴ دفعات یعنی ۹۹، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲ اور دفعہ ۱۳۱ کی شق نمبر ۲ کو حذف کرنا تجویز کیا گیا۔ دفعہ ۱۳۱ کی شق نمبر ۲ خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں آئین ۱۹۶۲ء کی دفعہ ۶۷، ۶۸، ۷۰، ۸۰، ۸۲، ۸۴، ۸۶ اور ۲۹۲ میں ترمیم کی گئی تھی اور ۹۰ الف تا ۹۰ واؤ کی نئی دفعہ کا اضافہ کیا گیا تھا جس کی غرض وفاقی حکومت کو اور زیادہ کمزور کرنا تھا۔ اس میں یہ بھی وضاحت کی گئی تھی کہ صرف حسب ذیل صورتوں میں مرکزی اسمبلی صوبائی امور سے متعلق قانون بنا سکے گی:

(ا) اگر پاکستان کے تحفظ اور اس کے معاشی و مالیاتی استحکام کو خطرہ لاحق ہو۔

(ب) منصوبہ بندی اور رابطہ پیدا کرنے کے لئے۔

(ج) پاکستان کے مختلف حصوں کے درمیان کسی بھی معاملہ میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے۔

عوامی لیگ نے اپنے موقف میں تبدیلی کرنے سے قطعاً انکار کر دیا حتیٰ کہ وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوئی کہ مندرجہ بالا شق نمبر ایک ہی میں ردوبدل کیا جا سکے۔

صدر کے مشیروں نے اس امر کی وضاحت کی چونکہ صدارتی فرمان کی غرض یہ ہے کہ وہ ایک عبوری آئین کا کام دے، اس لئے اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس میں عوامی لیگ کے تمام مطالبات اور تجویزیں شامل کی جائیں۔ اس کے جواب میں مسٹر تاج الدین نے کہا کہ وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے، اس لئے ۴۸ گھنٹے کے

اندر اندر فرمان جاری کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مجوزہ مدت میں اس کا اعلان نہ کیا گیا تو پھر یہ فرمان بھی سود مند ثابت نہیں ہو گا۔ ان کو یہ بتایا گیا کہ عوامی لیگ نے جو تجویزیں پیش کی ہیں ان کے بارے میں دوسری وفاقی وحدتوں کی پارلیمانی پارٹیوں سے مشورہ کرنا ضروری ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ ۲۰ مارچ ۷۱ کو صدر نے عوامی لیگی لیڈروں پر واضح کر دیا کہ تمام سیاسی جماعتوں کی منظوری حاصل کرنا لازمی شرط ہے۔

اسی روز خان عبدالقیوم خان نے صدر سے ملاقات کی اور شام کو دولتانہ صاحب سردار شوکت حیات، مفتی محمود، خان عبدالولی خان اور مولانا شاہ احمد نورانی صدر سے ملے۔ انہوں نے صدر کو بتایا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نہ بات ہی سننے کو تیار ہیں اور نہ عوامی لیگ کے منصوبے میں کوئی ردوبدل پر آمادہ ہیں۔

اس روز شیخ مجیب الرحمٰن نے ہتھیار بند رضاکاروں کے دستوں کی سلامی لی تھی، بنگلہ دیش کا پرچم لہرایا تھا اور اعلان کیا تھا کہ "ہماری جدوجہد نجات و آزادی کے لئے ہے"۔

۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء

جناب بھٹو صدر سے پھر ملے تاکہ مجوزہ صدارتی اعلان کی قانونی حیثیت کے متعلق گفتگو کریں جس کی رو سے مارشل لاء اٹھا لیا جاتا اور جنرل اے ایم یحییٰ خان صدر کے اختیارات اور فرائض سنبھال لیتے۔

عوامی لیگ کے مشیروں نے چھ بجے شام صدر کے مشیروں سے ایک اور ملاقات کی اور اس کے خاتمے پر انہوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ جہاں تک ان کا تعلق ہے، انہوں نے اس ملاقات کے دوران اپنے نقطہ نظر کی کماحقہ وضاحت کر دی ہے۔

انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی تھی کہ ان کی طرف سے اب مزید تبادلہ

خیال کی گنجائش باقی نہیں رہی۔(روزنامہ پیپلز'ڈھاکہ' مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱)

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء

عوامی لیگ نے تو اعلان بھی کر دیا تھا کہ وہ اب اور بات چیت نہیں کرے گی۔ مجوزہ صدارتی فرمان کا جو مسّودہ اس نے دیا تھا' اس سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو گئی کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو مرکز یا وفاق پاکستان کے امور سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اس مجوزہ صدارتی فرمان کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مرکز بے اثر ہو جاتا کیونکہ وفاق کی جگہ کنفیڈریشن وجود میں آتا اور یکم مارچ سے انہوں نے جو متوازی حکومت مشرقی پاکستان میں قائم کر رکھی تھی' اس کو قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی اور کسی قانونی جواز کے بغیر اس فرمان کے جاری کرنے سے آئینی خلاء پیدا ہو جاتا۔

صدر نے اس کا لب لباب یوں بیان کیا کہ یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ایک پاکستان کی بنیاد پر شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے مشیر کسی مفاہمت کی نیت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی تو صرف یہ کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح وہ مجھ سے ایسا فرمان جاری کروالیں جو قومی اسمبلی کو دو الگ آئین ساز اسمبلیوں میں تقسیم کر دے۔ فیڈریشن کی جگہ کنفیڈریشن وجود میں آجائے اور مارشل لاء ختم کیا جائے تاکہ ملک میں انتشار پھیل جائے۔ اس منصوبے کی غرض یہ تھی کہ بنگلہ دیش کے نام سے ایک الگ ریاست قائم کی جائے۔ یہ کہنا فضول ہے کہ اس طرح قائداعظم نے جو پاکستان بنایا تھا' وہ ختم ہو جاتا۔

☆☆☆

تیسرا باب

مشرقی پاکستان میں دہشت گردی

سیاسی گفت وشنید کے نتائج کے ساتھ ہی ساتھ عوامی لیگ کے کارکن اس

منظم طریقے سے اپنی تیاریاں مکمل کرتے رہے کہ آئینی بات چیت کے نتیجے میں جو فائدے حاصل نہ ہو سکیں' انہیں وہ بزور طاقت حاصل کر لیں۔

شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کی پارٹی نے انتخابات میں بڑی کامیابی کے ساتھ دہشت انگیز ہتھکنڈوں سے کام لیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کے حوصلے اس حد تک بلند ہو گئے کہ انہوں نے سول انتظامیہ کو نقصان پہنچانے' طلباء کو بھڑکانے اور پولیس اور مسلح افواج میں بنگالیوں کو بغاوت پر اکسانے کی ایک مہم شروع کر دی۔ تمام شہروں میں یکے بعد دیگر سنگرام پریشد (انقلابی کونسلیں) قائم کی گئیں اور کالجوں کے کیمپس' دہشت انگیز سرگرمیوں کا تربیتی مرکز بن گئے۔ مرکزی حکومت کے ملازموں اور اداروں کے کارکنوں کو ڈرانے دھمکانے کی زبردست مہم چلائی گئی۔ کافی پہلے یعنی ۱۴ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ میں عوامی لیگ کے حامی روزنامہ "دی پیپل" نے راج شاہی ڈسٹرکٹ عوامی لیگ کے صدر کا ایک بیان شائع کیا جس میں انہوں نے کھلم کھلا ایک آزاد اور خود مختار بنگلہ دیش کی بات کی تھی۔

اس طرح شیخ مجیب الرحمٰن اپنی علیحدگی کی تحریک کے لئے زمین ہموار کر لینے کے بعد صدر کے یکم مارچ ۱۹۷۱ء کے اس اعلان کو (جس میں قومی اسمبلی کے اجلاس کے عارضی التواء کا ذکر تھا) منظم لاقانونیت شروع کرنے کا بہانہ بنالیا اور اس کے بعد عوامی لیگ نے نے "عدم تشدد اور عدم تعاون" کی تحریک کی آڑ میں دہشت اور شر انگیزی کا بازار گرم کر دیا۔

یکم مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک پریس کانفرنس میں ڈھاکہ میں ہڑتال کا اعلان کیا۔ ان کے اعلان کے فوراً بعد عوامی لیگ کے ہتھیار بند دستوں نے شہر کے مختلف علاقوں میں تباہی مچادی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ انہوں نے جگہ جگہ آگ لگائی اور غنڈہ گردی کی دوسری حرکتیں کیں۔ انہوں نے نرائن گنج کلب پر دھاوا بول دیا اور وہاں

سے اسلحہ اور گولہ بارود اٹھا کر لے گئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے اقبال اور جگن ناتھ ہال میں مسلح دستے تیار کئے گئے جو اسلحہ گاڑیاں اور روپیہ بٹورنے کے لئے پورے شہر میں پھیل گئے۔ یکم مارچ کی رات کے دوران پورے ڈھاکہ اور نرائن گنج میں تشدد کی وارداتوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور ان کا دائرہ بھی بڑھ گیا۔

۲ مارچ ۱۹۷۱ء

بیت المکرم میں اسلحہ کی دو دکانیں اور نیو مارکیٹ میں ایک دکان لوٹ لی گئی اور سارا اسلحہ ڈھاکہ یونیورٹی کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا جہاں نشانہ بازی کی مشق کے لئے چاندی ماری کا ایک میدان پہلے ہی بنا دیا گیا تھا۔ اس کی فائرنگ کی آوازیں سارا دن سنائی دیتی رہیں۔

سڑکوں' گلی کوچوں میں لوگوں کے ہجوم جو بندوقوں سے مسلح تھے اور ہاتھوں میں لوہے کی سلاخیں اور لاٹھی ڈنڈے لئے ہوئے تھے' گھومتے رہے۔ جناح ایونیو اور بیت المکرم میں بہت سی دکانوں کاروباری مرکزوں اور شالیمار ہوٹل پر حملے کئے گئے۔ رکشاؤں پر پتھراؤ کیا گیا۔ نرائن گنج میں ایک جوٹ مل (غواصی) اور ڈھاکہ کے فارم گیٹ علاقے میں دو نجی رہائشی مکانات کو آگ لگا دی گئی۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک اور پریس کانفرنس کی اور ۳ مارچ کو پورے مشرقی پاکستان میں عام ہڑتال کا اعلان کیا۔ ابھی یہ پریس کانفرنس جاری تھی کہ عوامی لیگ کے حامی طلباء کے گروپوں نے ڈھاکہ یونیورسٹی میں پاکستان کے قومی پرچم کی بے حرمتی کی اور اسے جلا دیا۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن کی توجہ اس طرف دلائی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں کچھ نہ کہوں گا۔ انہوں نے یہ بات پھر کہی کہ وہ مرکزی حکومت کے خلاف نافرمانی کی ایک تحریک شروع کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ ۷ مارچ کو ایک جلسے میں اپنے عملی پروگرام کی تفصیلات بتائیں گے۔

اس دوران تشدد کا سلسلہ بڑھتا رہا۔ پورا شہر زبردست ہنگاموں کی لپیٹ میں

آ گیا اور بڑے پیمانے پر لاقانونیت کی ان وارداتوں سے نمٹنے کا کام سول انتظامیہ کے بس سے باہر ہو گیا' چنانچہ سول انتظامیہ کی درخواست پر فوج کو جو ابھی تک اپنی بیرکوں میں تھی' طلب کیا گیا اور رات کے دوران کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

کرفیو کے ضابطے کی بڑے پیمانے پر خلاف ورزیاں کی گئیں۔ صدر گھاٹ ڈھاکہ میں ایک ہجوم نے ایک فوجی یونٹ پر حملہ کر دیا جس میں چھ آدمی ہلاک ہو گئے۔ ایک آدمی اس وقت مارا گیا جب فوج نے مقامی ٹی وی سٹیشن کو ایک تشدد پسند ہجوم کی زد سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

۳ مارچ ۱۹۷۱ء

ڈھاکہ کے علاقے اسلام پور' پٹوٹولی بازار' نواب پور اور دوسرے علاقوں میں تشدد اور لاقانونیت کا دورہ دورہ ہو گیا اور تشدد کی کارروائیوں میں پانچ افراد ہلاک اور ۲۶ زخمی ہوئے۔ بہت سی دکانیں اور کاروباری دفاتر اور رہائشی مکانات نذر آتش کر دیئے گئے اور متعدد آدمیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ جناح ایونیو میں ایک جنرل سٹور اور گھڑیوں کی ایک دوکان لوٹ لی گئی اور اسلحہ کی دکانوں سے اور ہتھیار بھی لوٹ لئے گئے۔ پچاس جھونپڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔

اس عرصے میں تشدد کی یہ مہم دو صوبے کے دوسرے علاقوں میں پھیل چکی تھی۔ جیسور میں لاٹھیوں' ڈنڈوں اور برچھیوں سے مسلح ہجوم نے مقامی ٹیلی فون ایکس چینج پر حملہ کر دیا۔ پہرہ داروں نے فائرنگ کی جس سے دو آدمی ہلاک ہوئے اور ۹ زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد ہجوم منتشر ہو گیا۔

صبح کے وقت بھیرب سے لکشم جانے والی ایک لوکل ٹرین کو کامیلا میں روک لیا گیا اور اسے آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ لکشم کے قریب دولت گنج کے ٹیلی فون ایکس چینج پر حملہ کیا گیا اور اسے نقصان پہنچایا گیا۔ کومیلا ٹیلی فون ایکس چینج کا رابطہ صوبے کے باقی حصوں سے کاٹ دیا گیا۔ اکھوڑہ' سلہٹ' حبی گنج اور بیانی بازار میں ٹیلی

فون ایکس چینج پر بھی دھاوا بول کر انہیں اپنا کام بند کر دینے پر مجبور کر دیا گیا۔

ڈھاکہ میں ریڈیو اور ٹیلیویژن نے عوامی لیگ کی ہدایت کے مطابق ایک نیا "بنگلہ دیش" کا ترانہ جایا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کے عوام کے حقوق کے لئے پورے صوبے میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا اعلان کیا۔

۴ مارچ ۱۹۷۱ء

۳ اور ۴ مارچ ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات چاٹگام اور کھلنا میں ہنگامہ برپا ہوا۔ چاٹگام میں عوامی لیگ کے ہتھیار بند دستوں کی راہنمائی میں بلوائیوں نے وائرلیس کالونی اور کئی دوسرے محلوں پر حملے کئے اور اندھا دھند طریقے سے لوٹ مار، آتش زنی، قتل اور آبروریزی کا ارتکاب کیا۔ ایک محلہ فیروز شاہ کالونی میں ۷۰۰ مکانوں کو آگ لگا دی گئی اور ان میں رہنے والے جن میں مرد اور عورتیں بچے سب ہی شامل تھے، جل کر ہلاک ہو گئے۔ جن لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی، انہیں یا تو مار ڈالا گیا یا شدید زخمی کر دیا گیا۔ زندہ جل کر مر جانے والوں کے علاوہ جن کی لاشیں بعد میں ملیں، ۳۰۰ سے زیادہ آدمی تین اور چار مارچ کو ہلاک یا زخمی کر دیئے گئے۔

جیسور میں کھلنا سے آنے والی ایک ٹرین کو پٹڑی سے اتار لیا گیا اور اس کے مسافروں کو کھینچ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جیسور کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں بلوائیوں نے پاکستانی پرچم کی بے حرمتی کی اور اسے جلا ڈالا انہوں نے دفتر پر ایک دستی بم پھینکا۔

کھلنا میں ٹیلی فون ایکس چینج پر حملہ کیا گیا اور کئی ملازمین کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ ڈھاکہ میں دھان منڈی اور نواب پور روڈ سے لوٹ مار کی وارداتوں کی اطلاعات ملیں۔ اسلحہ کی ایک دکان پر دھاوا بول کر وہاں سے ہتھیار لوٹ لئے گئے۔

۵ مارچ ۱۹۷۱ء

چاٹگام میں چھرا گھونپنے اور مکانات جلائے جانے کی وارداتیں ہوئیں۔ کھلنا کے خالص پور اور دولت پور کے علاقوں میں ۵۷ آدمیوں کو ہلاک کرنے کے لئے دستی بم، درانتیاں اور برچھیاں استعمال کی گئیں۔ مرنے والوں کی لاشیں ٹکڑے پائی گئیں۔ کھلنا شہر میں لاٹھیوں اور بندوقوں سے مسلح بلوائیوں نے چار دکانیں لوٹ لیں اور ایک ہوٹل کو آگ لگا دی۔

صوبے کے اندرونی علاقوں کے دوسرے مقامات سے ملنے والی اطلاعات سے پتہ چلا کہ دور دور تک تشدد کا بازار گرم کر دیا گیا ہے اور پورے صوبے میں شہری انتظامیہ مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ٹیلی مواصلات کا سلسلہ اب بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ مشرقی پاکستان بھی بیرونی دنیا سے کٹ چکا تھا کیونکہ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے ملازمین نے عوامی لیگ کے احکامات پر پیغام بھیجنا اور وصول کرنا بند کر دیئے تھے۔

۶ مارچ ۱۹۷۱ء

۵ مارچ اور ۶ مارچ ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات کو ڈھاکہ کے سلیم اللہ مسلم ہال کے طالب علم برٹش کونسل کی عمارت میں گھس گئے۔ انہوں نے مٹی کا تیل چھڑک کر عمارت کو آگ لگانے کی کوشش کی لیکن فوج وقت پر پہنچ گئی اور اس نے فائرنگ کی ڈھاکہ سنٹرل جیل کو توڑ کر ۳۴۱ قیدی فرار ہو گئے۔ پولیس نے گولی چلائی جس سے ۷ قیدی ہلاک ہوئے ایک پولیس سارجنٹ اور ۶ وارڈرز زخمی ہوئے۔ بعد میں ان مفرور قیدیوں نے تشدد پسند عوامی لیگ اور طالب علموں کے گروپوں کی شہہ پر ڈھاکہ کی سڑکوں پر جلوس نکالا اور دھمکی آمیز نعرے لگائے۔

عوامی لیگ اور مشرقی پاکستان اسٹوڈنٹس لیگ کے لوگوں نے تیزاب اور کیمیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لئے سائنس لیبارٹریوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ڈھاکہ کی گورنمنٹ سائنس لیبارٹری کو لوٹ کر وہاں سے تمام آتش گیر مادہ لے جایا گیا۔ اس

غرض سے پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ پر بھی حملہ کیا گیا۔ لیکن جب فائرنگ کی گئی تو بلوائی منتشر ہو گئے۔

مشرقی پاکستان کے تمام بڑے شہروں سے بھی اس قسم کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ ان میں کومیلا اور جیسور شامل ہیں' جہاں بم پھٹنے کے کئی واقعات ہوئے۔

فرید پور کے راجندر کالج کی آفیسرز ٹریننگ کورس کی ۱۰ رائفلیں اور ۱۵ سنگینیں لوٹ لی گئیں۔

چاٹگام میں لوٹ مار اور آتش زنی کا سلسلہ جاری تھا۔ دو مکانات اور کئی جھونپڑیوں کو آگ لگادی گئی۔ کئی مقامات پر چھپ کر گولی چلانے کے واقعات ہوئے۔

راجشاہی میں سٹی مجسٹریٹ کے دفتر کو آگ لگادی گئی۔

۷ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک متوازی حکومت چلانے کے منصوبوں کا اعلان کیا اور باضابطہ طور پر کئی ہدایات جاری کیں۔ (دیکھئے ضمیمہ)

"انہوں نے ۲ مارچ کو شروع ہونے والی عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریک کو جاری رکھنے کے لئے ایک ہفتے کے پروگرام کا اعلان کا۔ اس پروگرام میں یہ باتیں شامل تھیں۔ (۱) ٹیکس ادا کرنا (۲) پورے "بنگلہ دیش" میں تمام تعلیمی اداروں سرکاری اور نیم سرکاری دفتروں۔ ہائی کورٹ اور دوسری عدالتوں میں کام بند رکھنا۔ ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخباروں کو اس بارے میں تفصیلی ہدایتیں دی گئیں کہ عوامی لیگ کی خبریں کس انداز سے پیش کی جائیں اور کہا گیا کہ اگر ان ہدایتوں پر عمل نہیں کیا گیا تو "ان وارداتوں کے بنگالی ملازمین تعاون نہیں کریں گے"۔ کہ "بینک" نہ تو اسٹیٹ بنک کے ذریعہ نہ کسی اور ذریعہ سے رقمیں مغربی پاکستان بھیجیں گے" ایک اور ہدایت میں خاص طور سے کہا گیا کہ ہر یونین' محلے' تھانے سب ڈویژن اور ضلع میں مقامی "عوامی لیگ" کے یونٹوں کی قیادت میں ایک سنگرام پریشد (انقلابی کونسل) منظم کی جائے

ادھر ڈھاکہ میں ریڈیو پاکستان کی عمارت میں آتش گیر مادہ پھینکا گیا۔ شہر کے مختلف محلوں سے یہ خبریں آرہی تھیں کہ عوامی لیگ کے حامی طلبہ جیپ گاڑیاں پک اپ اور مائیکرو بسیں زبردستی چھین کر لے جارہے تھے۔

ضلع جیسور میں برگانہ کے مقام پر پاکستان کا قومی پرچم جلایا گیا۔

۸ مارچ ۱۹۷۱

ڈھاکہ میں جن لوگوں کے پاس لائسنس والے ہتھیار تھے ان سے عوامی لیگی رضاکاروں نے ہتھیار اور کارتوس چھیننے شروع کر دیئے۔ اس قسم کی اطلاعات مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں سے بھی آرہی تھیں۔

صوبے کے طول و عرض میں عوامی لیگ نے جلسے کئے۔ بلوائیوں نے جلوس نکالے' نسل پرستانہ اور پاکستان دشمن نعرے لگائے گئے۔

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر تاج الدین احمد نے "شیخ مجیب الرحمٰن کی ہدایت کے تحت کچھ مستثنیات اور تصریحات" کا اعلان کیا ان میں خاص طور سے یہ حکم شامل تھا۔ کہ "اسٹیٹ بنک یا کسی اور کی معرفت کوئی رقم بنگلہ دیش سے باہر نہیں بھیجی جائے گی"۔

۹ مارچ ۱۹۷۱ء

عوامی لیگ کے رضاکاروں اور حامی طلباء کے گروہوں نے بنگلہ دیش سے سرمائے کے انتقال کو روکنے کے لئے ڈھاکہ میں جگہ جگہ "جانچ پڑتال" کے اڈے قائم کر دیئے اور جانچ پڑتال کے بہانے جن لوگوں کے سامان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ اسے "بنگلہ دیش" کے نام پر ضبط کر لیا جاتا تھا۔

رنگ پور میں ایک شر انگیز مجمع نے لال منیرہاٹ میں ایک ریل گاڑی روک لی

اس کو توڑا پھوڑا اور کچھ مسافروں کو سیاسی اور نسلی اختلاف کی بنا پر ستایا اور شہر کے مختلف محلوں میں بہت سے لوگوں کو مارا پیٹا۔

راج شاہی میں ٹاؤن ہال پر "آزادی کا پرچم" لہرایا گیا۔

لندن کے اخبار "ڈیلی ٹیلی گراف کے نمائندے کیتھ کلارک کا ایک مراسلہ ۹ مارچ ۱۹۷۱ء کو شائع ہوا تھا۔ جس میں بتایا گیا کہ "معلوم ہوا ہے کہ اتوار کی رات (۷ مارچ) جب شیخ مجیب نے اس صوبے کو "علیحدگی کے دروازے تک" پہنچایا ڈھاکہ مکمل لا قانونیت کے سیلاب میں ڈوب گیا۔ آگے چل کر اس خبر میں کہا گیا کہ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب نے اس عمل کو آزادی کی تحریک کا نام دیا اور قومی اسمبلی میں مل جل کر کام کرنے کے لئے ایسی شرطیں لگائیں تھیں۔ جنہیں مان لینا صدر یحییٰ خان کے بس میں نہیں تھا۔ اس اخبار نے یہ بھی لکھا تھا کہ شیخ نے ہدایت جاری کی تھیں کہ ہر گاڑیوں میں عوامی لیگ کے لیڈروں کی سرکردگی میں مکتی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء

عوامی لیگ نے اعلان کیا کہ بنک لاکروں سے کوئی چیز نہیں نکالی جائے گی اور بندرگاہ کے حکام کسی قسم کا تعاون نہیں کریں گے الا اس صورت کے جس کی اجازت شیخ مجیب الرحمٰن کے ہدایت ناموں میں دی گئی ہے۔

کومیلا سے اطلاعات آئیں کہ چائے کے باغات میں فسادات ہوئے ہیں اور علاقے میں خوف وہراس پھیلا ہوا ہے۔

۱۲ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۱ اور ۱۲ مارچ کی درمیانی شب میں باریسال کی جیل توڑی گئی اور بہت سے قیدی بھاگ گئے۔ بوگرا سے بھی جیل کے ٹوٹنے کے ساتھی قیدیوں کے فرار ہونے کی اطلاع آئی کومیلا میں تین سو قیدیوں نے جیل سے بھاگنے کی کوشش کی پولیس نے گولی چلادی جس سے دو قیدی ہلاک اور ۱۸ زخمی ہوئے۔

صوبے بھر میں "مکتی دل" اور نیم فوجی تنظیمیں وجود میں آئیں اور عام لوگوں میں نسلی نفرت واشتعال پیدا کرنے کے لئے ان کی طرف سے چھپے ہوئے اور ہاتھ کے لکھے اشتہار چوری چوری تقسیم کئے گئے۔

ایک فوجی قافلہ کو جو پانچ فوجی گاڑیوں میں سلہٹ سے کومیلا راشن لینے جا رہا تھا، برہمن باڑیا میں ایک مسلح مجمع نے روکنے کی کوشش کی۔

۱۳ مارچ ۱۹۷۱ء

ڈھاکہ میں ریلوے اسٹیشن پر مسافروں کو عوامی لیگ کے رضاکاروں نے گھیرے میں لے لیا تاکہ ان سے "پوچھ گچھ" کی جائے اس لئے کہ ان پر الزام لگایا گیا تھا کہ "وہ مغربی پاکستان کے دلال تھے" ڈھاکہ میں ٹنگرائل کے نواح میں واقع ایک سرکاری دفتر میں تیزاب سے بھری دو بوتلیں پھینکی گئیں جس سے آگ لگ گئی۔

جیسور میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر پر جو پاکستان کا قومی پرچم لہرا رہا تھا اس کو اتار کر اس کی جگہ بنگلہ دیش کا پرچم لگایا گیا۔

کومیلہ میں عوامی لیگی لیڈروں نے دھمکی دی کہ اگر ان دو قیدیوں کو جنہوں نے شمشیر نگر میں قومی پرچم جلایا تھا رہانہ کیا تو وہ جیل توڑ کر ان کو نکال لے جائیں گے۔

۱۴ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ پہلے جتنے ہدایت نامے جاری کئے گئے تھے۔ وہ منسوخ سمجھے جائیں اور ان کی جگہ انہوں نے نیا ہدایت نامہ جاری کیا جس میں عملی پروگرام کی تفصیل بتائی گئی تھی اور جس پر ۵ مارچ ۱۹۷۱ء سے عمل ہونا تھا۔ ان ہدایات میں ایک ہدایت یہ کی گئی کہ "متعلقہ حکام یعنی ڈپٹی کمشنر اور سب ڈویژنل افسر اپنے فرائض کی بجا آوری اور اختیارات کو استعمال کے سلسلے میں اپنے اپنے علاقے کی

عوامی لیگ سنگرام پریشد سے قریبی رابطہ قائم کریں گے اور ان سے تعاون کریں گے۔

ایک اور ہدایت نامے میں قرار دیا گیا تھا کہ "کسٹم کا محکمہ کام کرتا رہے گا۔ اور پورا محصول لے کر مال چھوڑے گا۔ وصول شدہ رقم ایک خاص کھاتے میں جمع کی جائے گی اور اس غرض سے ایسٹرن بینکنگ کارپوریشن لمیٹڈ اور ایسٹرن مرکنٹائل بنک لمیٹڈ (نجی بنک) میں کلکٹر کسٹم کے نام میں حساب کھولا جائے جو ان کھاتوں سے لین دین کا کام ان ہدایات کے مطابق کریں گے جو وقتاً فوقتاً عوامی لیگ کی طرف سے جاری کی جائیں گی اور اس مد میں جو رقم وصول کی جائے گی وہ مرکزی حکومت کے کھاتے میں جمع نہیں کی جائے گی۔

۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء

"سواد سین بنگلہ دیش کیندریا چھترا سنگرام پریشد" (آزاد بنگال کی انقلابی طلبہ کی مرکزی کونسل) کے چار ممبروں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں اعتراف کیا گیا تھا۔ کہ "کچھ ہتھیار بند شر پسند لوگ جو گاڑیوں میں سوار ہیں مختلف گھروں پر چھاپے مارنے میں مشغول ہیں اور سنگرام پریشد کے نام پر لوگوں سے زبردستی چندہ وصول کر رہے ہیں۔"

ادھر یہ خبریں آ رہی تھیں کہ عوامی لیگ نے ڈھاکہ میں جگہ جگہ جو "جانچ پڑتال" کے اڈے قائم کر رکھے ہیں وہاں تلاش کے بہانے نسلی اور سیاسی اختلاف کی بنا پر لوگوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جا رہا ہے۔

کومیلا فینی کے مقام پر ایک ہتھیار بند مجمع نے ایک فوجی یونٹ کے گرد گھیرا ڈالا اور اس پر حملہ کیا۔

بی بی سی لندن نے ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو یہ خبر نشر کی تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک بیان دیا ہے جس میں انہوں نے محکمہ دفاع کے غیر فوجی عملے کو ہدایت کی کہ فوج کا حکم نہ مانیں اور کام پر واپس نہ جائیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے جس کی عوامی لیگ

مشرقی پاکستان کے لئے زیادہ سے زیادہ خود مختاری کی طلب گار تھی، تیس سے زائد ہدایت نامے جاری کئے جن کی غرض اس علاقے کو زیادہ سے زیادہ گرفت میں لینا تھا، مثلاً انہوں نے یہ حکم دیا تھا کہ مرکزی حکومت کی بجائے ان کی حکومت کو ٹیکس ادا کئے جائیں۔

۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء

ناٹور ضلع رنگ پور کے مہاراج ہائی اسکول سے تیزاب اور کیمیاوی اجزاء چرائے گئے

چٹاگانگ میں عوامی لیگ کے رضاکاروں نے اسلحہ کی ایک دکان لوٹ لی۔

لندن کے اخبار گارجین (۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء) میں اخبار کے نامہ نگار مارٹن اڈینی نے عوامی لیگ کی ایک مجلس کا یوں ذکر کیا ہے "یہ مجلس صوبے میں موجود دوسری مجالس عمل کی طرح اس بات پر غور کر رہی تھی کہ مشرقی بنگال کے سلسلے میں جسے وہ آزاد سمجھنے لگے تھے 'اب کیا قدم اٹھانا ہے۔ اٹھاون دیہاتوں کے تین سو باشندوں نے ایک مجلس عمل بنائی جو اگر ضروری ہوئی تو فوج کا مقابلہ کرے گی اور ان لوگوں کو ایک دہقانی تربیت دے رہا ہے جو رائل انڈین آرمی سروس کور میں حیثیت لانس کارپول ملازم تھا۔"

ہندوستان کے اخبار روزنامہ اسٹیٹمن (۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء) نے عوامی لیگ کے ہدایت نامہ مورخہ ۱۴ مارچ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا تھا کہ صدر ہمارے مہمان ہوں گے۔ اس جملہ کا مطلب ڈھاکہ میں لوگوں نے یہ لیا کہ مشرقی پاکستان اپنے آپ کو مغربی پاکستان سے الگ ایک ملک سمجھتا ہے۔"

۱۷ مارچ ۱۹۷۱ء

سولہ سترہ مارچ کی درمیانی شب کو عظیم ڈھاکہ میں واقع ایک سرکاری دفتر

میں تیزاب کی دو بوتلیں پھینکی گئیں۔

جیسور میں بجلی گھر کو نقصان پہنچایا گیا جس کی وجہ سے بجلی کی فراہمی میں خلل پڑا۔ جیسور سے کھلنا جانے والی سڑک پر جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں کھلنا میں پانچ مارچ کے قتل عام میں جو تین سو آدمی بچ گئے تھے ان کو مارنے کی پھر دھمکیاں دی گئیں۔

موضع لالی بار تھانہ کالی گنج ضلع دیناج پور میں طلبہ نے بارہ مکانوں کو جلا دیا۔

۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء

سنٹرل گورنمنٹ ہائی اسکول موتی جھیل ڈھاکہ پر ہلہ بولا گیا اور تیزاب اور کیمیاوی اجزاء لوٹ لئے گئے۔ جیسور میں ایک فوجی کیمپ پر تیزاب سے بھری ہوئی بوتل پھینکی گئی۔

۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء

ڈھاکہ میں میمن سنگھ سے واپس آنے والی ایک فوجی گاڑی پر جب وہ ایک ریلوے کراسنگ پر سے گزر رہی تھی' ایک ہجوم نے اچانک حملہ کر دیا اور حملہ آور چھ آدمیوں کو معہ ان کے ہتھیاروں کے پکڑ کر لے گئے۔

ڈھاکہ سے بائیس میل دور جادیو پور میں ایک ہتھیار بند ہجوم اور فوجیوں نے ایک دوسرے پر گولی چلائی کیونکہ جادیو بازار میں ایک ریلوے کراسنگ پر ایک ریل کھڑی کر کے راستہ کاٹ دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد قصبہ میں کرفیو لگا دیا گیا۔ فوجی جوانوں نے اس ریل کو دھکیل کر راستہ صاف کرنے کی کوشش کی اس کو روکنے کے لئے ہجوم نے گولی چلا دی اور تین جوان بری طرح زخمی ہوئے۔ جادیو پور کے چوراہے پر ایک تشدد پسند ہجوم نے پھر گولی چلائی جوانوں نے گولی کا جواب گولی سے دیا اور ایک شر پسند ہلاک ہو گیا۔ ڈھاکہ میمن سنگھ شاہراہ پر کوئی چھ جگہ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔

۲۰ اور ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء

ہندوستان سے ست کھیرا کے راستے جیسور میں ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ آنے کی اطلاع ملی۔ اس طرح پتہ چلا کہ ناجائز ذریعوں سے حاصل کئے ہوئے ہتھیار اور گولہ بارود چٹا گانگ کو میلا روانہ کیا گیا۔

ہانگ کانگ کے ایک اخبار (فار ایسٹرن اکانک ریویو" (۲۰ مارچ ۱۹۷۱ء) نے خبر چھاپی تھی کہ ادھر تو صدر یحیٰی بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ اگلا قدم کیا اٹھایا جائے اور ادھر شیخ مجیب نے اپنے مکان واقع ڈھاکہ میں مجھ سے یہ کہا کہ یہ آخری بات چیت ہے۔ سوال کیا گیا کہ اس کا مطلب کیا ہے تو انہوں نے وہی "جے بنگلہ" کا نعرہ مارا جو ہزاروں بار اپنے پیروکاروں کے مجمع میں لگا چکے تھے اور جس کا مطلب ہے زندہ باد آزاد بنگال۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء

دیناپور میں عوامی لیگی لیڈروں نے مشتعل لوگوں کا ایک جلوس نکالا۔ لوگ صدر یحیٰی کا ایک پتلا جس کے قلب میں خنجر پیوست تھا اٹھائے ہوئے تھے۔

خبر ملی کہ سلہٹ کے چائے کے باغوں میں ہندوستان کے بھیجے ہوئے ہتھیار موجود ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء

یوم پاکستان کا نام بدل کر یوم مزاحمت رکھا گیا۔ ڈھاکہ اور مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں میں سرکاری اور نجی عمارتوں پر قومی پرچم کی جگہ بنگلہ دیش کا پرچم لہرایا گیا۔

"لبریشن فرنٹ" اور سابق فوجیوں کی جیسی نیم فوجی تنظیموں نے پریڈ کرنی شروع کی اور مارچ پاسٹ کیا۔ عوامی لیگ کی ہدایت پر ڈھاکہ ٹیلی ویژن نے یوم پاکستان پر قومی پرچم کی نمائش نہیں کی۔ میر پور اور دوسرے محلوں میں لوگوں نے بنگلہ دیش کا

جھنڈا اڑانے سے انکار کر دیا اور قومی پرچم لہرانے پر اصرار کیا۔ فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

شیخ مجیب الرحمن نے اپنی قیام گاہ پر مارچ پاسٹ کی سلامی لی اور ان کے مکان پر پورے اہتمام سے بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کی گئی۔

طالب علموں کے گروہوں نے مغربی پاکستان کے تاجروں کو اغواء کیا اور ان کو چھوڑنے کے لئے منہ مانگا معاوضہ طلب کیا۔ ڈھاکہ کے ہوائی اڈے کے قریب ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے مسافروں پر ہتھیار بند گروہوں نے اینٹ پتھر پھینکے اور ان کو طرح تنگ کیا۔

۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء

جنگ باز طالب علموں اور مزدوروں کے گروہوں نے ہاتھ سے لکھے ہوئے اور چھپے ہوئے اشتہارات صوبے بھر میں بانٹنا شروع کئے۔ ان میں عام لوگوں کو تشدد پر اکسایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک اشتہار جو پوربو نگلہ شرامک اندولن (مشرقی بنگال مزدور تحریک) کی ضلع کمیٹیوں نے بانٹنا تھا اس کا متن حسب ذیل ہے :۔

"مشرقی بنگال کی قومی آزادی کی تحریک شروع ہو چکی ہے۔ اس کو جنگل کی آگ کی طرح گھر گھر پھیلا دو۔ وطن پرست اور انقلاب پسند لوگوں ہتھیار اٹھا لو' دشمن فوج کا مقابلہ کرو اور اسے ختم کر دو۔ مسلح مزاحمت کے لیے خونریز جنگ لڑنی ہو گی۔

یاد رکھئے کہ مشرقی بنگال کی قومی آزادی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے مسلح جنگ اور یہ جنگ طویل عرصے تک جاری رہے گی۔ اس لئے ہم چھاپہ مار جنگ کی چالوں سے کام لئے بغیر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ آزاد کرائے ہوئے علاقوں کو ہر وقت پر اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے تیار رہو مشرقی بنگال کی تحریک آزادی ابھی خاتمے کو نہیں پہنچی بلکہ ابھی تو اس کا آغاز ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں کمزور کرنے کے لئے دشمن ناکہ بندیاں کر دے۔ مشرقی بنگال کی فتح ناگزیر ہے۔ ہم نے پاکستانی نو آبادیاتی نظام کی زنجیریں توڑ کر پھینک دی ہیں۔ آزاد مشرقی بنگال زندہ باد۔

رنگ پور میں گولاہاٹ اور شمالی سید پور میں آگ لگانے کی وارداتیں ہوئیں۔

آٹھ ہزار آدمیوں کے ایک مشتعل ہجوم نے جو لاٹھیوں اور مہلک ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ سید پور پر دھاوا بول دیا اور وہاں کے باشندوں پر حملے کئے اور ۵۰ گھروں کو آگ لگادی۔

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء

یہ اطلاع ملی کہ ڈھاکہ میں انجینئرنگ یونیورسٹی اور اقبال ہال اور جگن ناتھ ہال میں بڑے پیمانے پر دیسی بم تیار کئے جا رہے ہیں۔ پورے ڈھاکہ شہر میں جگہ جگہ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے راستے بند کر دیئے گئے۔

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے لندن ٹائمز میں پال مارٹن کی یک رپورٹ چھپی جس میں بتایا گیا کہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے میدان میں انقلابی گروپوں نے طلباء کو آتشیں اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت دینی شروع کر دی ہے۔ مشرقی پاکستان کے بہت سے گاؤں میں "رضاکاروں" کے بریگیڈ بنا دیئے گئے ہیں جو عوامی فوج کی بنیاد بنیں گے اور آئندہ ان کا کام یہ ہو گا کہ وہ پاکستانی فوج کا مقابلہ کریں۔ پچھلے ہفتے لیبارٹریوں سے چرائے ہوئے کیمیاوی مادے سے پٹرول بم اور دوسرے دستی بم تیار کئے جا چکے ہیں اور ڈھاکہ شہر میں ان بموں کے پھینکنے اور پھٹنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔"

سید پور میں چار بلوائی ہجوم جو رائفلوں ار شاٹ گنوں اور خنجروں سے مسلح تھے اور آس پاس کے دیہات سے آئے تھے' سید پور میں شہر میں جمع ہوئے اور انہوں نے قریب کی بستی گولاہاٹ پر حملہ کر دیا۔ وہاں انہوں نے تین افراد کو ہلاک اور سترہ کو زخمی کر دیا۔ زخمیوں میں سے دو کو رائفل کی گولیاں لگی تھیں اور ساتھ بندوق کی فائرنگ سے زخمی ہوئے تھے۔ باقی لوگوں کو لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مارا پیٹا گیا تھا۔ پچاس گھروں کو جال کر راکھ کر دیا گیا۔ فوج کو فائرنگ کرنی پڑی جس سے تین آدمی زخمی ہوئے بعد میں ایک اور تشدد پسند ہجوم نے سید پور چھاؤنی پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے

فوجیوں پر شاٹ گنوں سے فائرنگ کی۔ سپاہیوں کو بھی گولیاں چلانی پڑی جس سے پانچ آدمی زخمی ہوئے۔

ایک اور بڑا حملہ سید پور دیناج پور روڈ پر پوسٹل سروس کی ایک گاڑی پر کیا گیا۔ انہوں نے کنڈکٹر اور ڈرائیور کو کھینچ کر باہر نکال لیا اور کنڈکٹر کو اتنا مارا کہ اس نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔ ڈرائیور کو شدید طور پر زخمی کر دیا گیا۔

چاٹگام میں بندرگاہ سے آکر آباد جانے والی سڑک پر زبردست رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ فوج اور اسلحہ چھاؤنی تک نہ پہنچ سکے۔ بڑی سڑک پر جگہ جگہ گڑھے کھود دیئے اور راستے میں ٹرک' لاریاں' کولتار کے پیپے' ٹوکرے اور بیٹیں وغیرہ ڈال دی گئیں تاکہ ان راستوں سے کوئی گاڑی نہ گزرنے پائے۔ عوامی لیگ نے مسلح بغاوت کے لئے جو زبردست تیاریاں کرر کھی تھیں' ان پر عمل شروع کیا گیا تو شیخ مجیب الرحمٰن نے سابق کرنل عثمانی کو "انقلابی فوج" کا کمانڈر مقرر کیا جو براہ راست ان کے سامنے جواب دہ تھے اور انہوں نے ریٹائرڈ میجر جنرل مجید اور ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کمانڈر معظم کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ سابق فوجیوں کی خدمات حاصل کریں۔ عوامی لیگ کے ہیڈ کوارٹر میں فہرستیں تیار کر کے رکھ دی گئیں اور ان لوگوں کو مسلح کرنے کے انتظامات کئے گئے۔ اس مقصد کے لئے ڈھاکہ 'نرائن گنج' کھلنا اور جیسور میں اسلحہ کی دکانیں لوٹی گئیں اور باغیوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تمام بڑے شہروں میں ہتھیاروں کے انبار لگادیئے گئے۔ صرف ڈھاکہ پولیس اسٹیشن کے ہیڈ کوارٹر میں پندرہ ہزار بھری ہوئی رائفلیں جمع تھیں۔

ایسٹ پاکستان رائفلز اور ایسٹ بنگال رجمنٹ کی مختلف چوکیوں کے درمیان وائرلیس ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطے قائم تھے اور ہدایات آناً فاناً ایک یونٹ سے دوسری یونٹ تک پہنچتی رہیں عملی کارروائیوں کی ہدایت کا سب سے بڑا ہیڈ کوارٹر چاٹگام میں ایسٹ بنگال رجمنٹل سنٹر میں قائم تھا۔

عملی کارروائیوں کا منصوبہ نہایت تفصیل کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ ڈھاکہ میں عوامی لیگ کے ہیڈ کوارٹر سے اشارہ ملتے ہی مسلح بغاوت برپا کر دی جائے۔ اس کا انتظام اس طرح کیا گیا تھا کہ :

(ا) ایسٹ بنگال رجمنٹ ڈھاکہ اور چاٹگام پر قبضہ کرلے گی تاکہ پاکستانی فوج بحری یا فضائی راستوں سے نہ آنے پائے۔

(ب) ایسٹ بنگال رجمنٹ کی باقی فوج ایسٹ پاکستان رائفلز پولیس اور مسلح رضاکاروں کی مدد سے آگے بڑھ کر مختلف چھاؤنیوں اور اسٹیشنوں پر مسلح افواج کا خاتمہ کر دے گی۔

(ج) ایسٹ بنگال رائفلز سرحد پر تمام اہم چوکیوں پر قبضہ کرے گی اور انہیں باہر سے آنے والی امداد کے لئے کھلا رکھے گی۔

(د) مزید اسلحہ اور گولہ بارود کی ضروریات ہندوستان سے پوری کی جائیں گی اور۔

(س) اس دفعہ جب عوامی لیگ کی باغی فوج اہم مرکزوں پر قبضہ کرنے اور پاکستان فوج کو مفلوج کر دینے کا پہلا مرحلہ کامیابی سے طے کرلے گی تو ہندوستانی افواج عوامی لیگی فوج کی مدد کے لئے پہنچ جائیں گی۔

اس مسلح بغاوت کے لئے جمعہ کی صبح سویرے کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ مارچ کی ۲۵ اور ۲۶ تاریخ کی درمیانی شب کو یعنی جس وقت مسلح بغاوت اور بنگلہ دیش کی آزاد جمہوریہ کے قیام کے عوامی لیگی منصوبے پر عمل شروع ہونے والا تھا' اس سے چند گھنٹے پہلے صدر نے پاکستان کی مسلح افواج کو حکم دیا کہ وہ اپنا فرض ادا کریں اور حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو حال کریں۔ چنانچہ فوج نے کارروائی میں پہل کی اور عوامی لیگ کے مسلح بغاوت کے اس منصوبے کو ناکام بنادیا جو اس نے ہندوستان کے مسلح مداخلت کاروں' ایسٹ بنگال رجمنٹ' ایسٹ پاکستان رائفلز' پاکستان پولیس کے باغی عناصر اور نیم فوجی تنظیموں کے ذریعہ بزور طاقت مشرقی پاکستان پر قبضہ جمانے کے لئے

تیار کیا تھا۔

پاکستانی فوج کے دستوں نے جو بیشتر ہندوستان کے ساتھ ملنے والی سرحدوں پر تعینات تھے 'بغاوت کو کچلنے اور ہندوستانی مداخلت کاروں کو نکالنے کے لئے اگلے چند ہفتوں کے دوران کارروائی کی۔ اس عرصے میں جن علاقوں پر باغی اور ہندوستانی مداخلت کاروں کا عارضی طور پر کنٹرول ہو گیا تھا' وہاں عوامی لیگ کی دہشت گردی کے دور میں جو یکم مارچ سے شروع ہوا تھا' ایک لاکھ سے زیادہ مرد' عورتیں اور بچے ہلاک کئے جا چکے تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری نجی عمارتوں' ٹرانسپورٹ اور ذرائع مواصلات اور صنعتی اداروں وغیرہ کو بے انتہا نقصان پہنچا۔

عوامی لیگ کے کارکنوں اور ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز کے باغیوں کے ہاتھوں قتل و غارت گری نے قتل عام کی صورت اختیار کر لی۔ ان کا نشانہ وہ لوگ بنے جو عوامی لیگ کے علیحدگی پسندوں کے منصوبوں سے اتفاق کرنے پر تیار نہیں تھے۔ ان پر ایسے مظالم ڈھائے گئے جو بیان سے باہر ہیں۔

بوگرہ ضلع سانتاہار کے ایک علاقے میں پندرہ ہزار آدمیوں کو گھیرے میں لے کر منظم طریقے سے قتل کیا گیا۔ عورتوں کو ننگا کر کے سڑکوں پر گھمایا گیا اور بے کس ماؤں کو اپنے ہی بچوں کو خون پینے پر مجبور کیا گیا۔ چاٹگام میں دس ہزار افراد کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ ان میں سے ایک چھوٹے سے محلے کی اڑھائی سو عورتیں اور بچے شامل تھے جنہیں سنگینیں بھونک بھونک کر ہلاک کر دیا گیا۔

پبنہ کے قریب سراج گنج میں ساڑھے تین سو عورتوں اور بچوں کو یک ہال میں بند کر کے آگ لگا دی گئی اور وہ سب کے سب جل بھن کر مر گئے۔ سمن سنگھ میں سانکوپارہ کے علاقے میں دو ہزار خاندانوں کی پکی آبادی کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ وہاں کے مردوں کو گھروں سے باہر لے جا کر گولی مار دی گئی اور عورتوں کو آبروریزی کرنے کے بعد انہیں اپنی قبریں آپ ہی کھودنے پر مجبور کیا گیا اور بیشتر کو ہلاک کر دیا

گیا۔

ان میں سے بعض مظالم کی خبریں غیر ملکی اخبارات میں بھی شائع ہوئیں جن کے اقتباسات نیچے دیئے جاتے ہیں:

"لاکھوں غیر بنگالی مسلمانوں نے جو اس وقت مشرقی پاکستان میں پھنسے ہوئے ہیں' ہمیشہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کشیدگی سے پیدا ہونے والے خطرے کو محسوس کیا ہے اور اب اس بات کا اندیشہ ہے کہ بنگالیوں نے اس بہاری اقلیت سے انتقام لینے کی ٹھان لی ہے۔" (اسٹیٹ مین' نئی دہلی۔ ۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء)

"معلوم ہوا ہے کہ پچھلے ہفتے کے دوران پوربو پاکستان میں مشتعل بنگالیوں نے ان ہزاروں بے کس مسلم مہاجرین کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو تقسیم کے وقت بنگال میں آکر آباد ہو گئے تھے۔

قتل کے واقعات کی تصدیق بہاری مسلم مہاجرین نے کی جو اس ہفتے سرحد پار کر کے ہندوستان پہنچے ہیں۔ ایک نوجوان برطانوی کاریگر نے بھی اس کی تصدیق کی جو ہندوستان اور پاکستان کی سرحد پار کر کے آج ہیلی پہنچا۔

(ٹائمز لنڈن ۱۶ اپریل ۱۹۷۱ء)

"کل کلکتہ میں لنگر انداز ہونے والے ایک برطانوی جہاز کے مسافروں نے بتایا کہ مشرقی پاکستان کی بندرگاہ چاٹگام میں بڑے پیمانے پر قتل، آتش زنی اور لوٹ مار کی وارداتیں ہوئی ہیں۔"

"امریکہ کے ایک امدادی منصوبے کے ایک امریکی انجینئر لیون لسٹن نے بتایا کہ پچھلے ہفتے فوج کی آمد سے پہلے پندرہ دن تک چاٹگام کی بنگالی اکثریت وہاں کے مغربی پاکستان کے لوگوں کو قتل کرتی رہی۔"

(ناروان ایکوڈار لنگٹن ۷ اپریل ۱۹۷۱ء)

"ایسٹ پاکستان رائفلز نے جب بغاوت کی تو اس کا پہلا عمل یہ تھا کہ اپنی ہی

فوج کے غیر بنگالیوں کا صفایا کر دیا جائے۔"

"ایسٹ پاکستان رائفلز کے دس سے پندرہ ہزار آدمیوں میں سے ۴۰ فیصد مغربی پاکستانی تھے جن میں سے بیشتر افسر تھے۔"

"ایسٹ پاکستان رائفلز کے آدمیوں نے ایک رات ایک گاڑی بھر کر لاشیں ہندوستان کے سرحدی شہر ہری داس پور کے قریب ایک مقام پر ٹھکانے لگا دیں۔"

(فار ایسٹرن اکنامک ریویو ہانگ کانگ ۲۴ اپریل ۱۹۷۱ء (ٹی آئی ایس جارج)

"سینکڑوں چشم دید گواہوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ محسوس ہوا کہ عوامی لیگ برسر اقتدار آنا چاہتی ہے تو بعض مقامات پر بنگالیوں نے بہاریوں کے مکانوں کو لوٹ لیا اور آگ لگا دی اور ان میں رہنے والوں کو تہ تیغ کر دیا۔"

(نیویارک ٹائمز ۱۰ مئی ۱۹۷۱ء (میلکوم ڈبلیو براون)

"ایک مقامی بنک کے یورپی منیجر نے بتایا کہ یہاں رہنے والے ہر یورپی باشندے کی یہ خوش قسمتی ہے کہ فوج ٹھیک وقت پہ پہنچی ورنہ میں یہ داستان سنانے کے لئے زندہ نہیں بچتا۔"

(نیویارک ٹائمز، نیویارک ۱۱ مئی ۱۹۷۱ء (میلکون براون)

"اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ بلوائیوں نے غیر بنگالیوں کو جن میں سے بیشتر وہ تارکین وطن تھے جنہوں نے ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے وہاں پناہ لی تھی، اپنے حملے کا نشانہ بنایا۔ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ان کے مکانوں کو آگ لگا دی گئی۔"

"چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے ڈیڑھ ہزار بیواؤں اور یتیموں کو بھاگ کر سمن سنگھ کی ایک مسجد میں پناہ لیتے دیکھا کیونکہ مسلح آدمیوں نے جو علیحدگی پسند بتائے جاتے تھے، ان کے شوہروں اور باپوں کو قتل کر دیا گیا۔"

(سیلون ڈیلی نیوز کولمبو ۱۵ مئی ۱۹۷۱ء مارکوس کوائنٹس)

"کل اس اہم بندرگاہ کا دورہ کرنے والے اخباری نمائندوں نے بتایا کہ گولہ باری اور فائرنگ سے بھاری نقصان پہنچا ہے اور باغیوں نے شہریوں کا قتل عام کیا۔"

"پٹ سن کے ایک کارخانے میں جو بااثر اصفہانی خاندان کی ملکیت تھا، اخباری نمائندوں نے ۱۵۲ غیر بنگالی عورتوں اور بچوں کی ایسی قبریں دیکھیں جن میں انہیں مار کر ڈالا گیا تھا۔ بتایا گیا کہ باغیوں نے انہیں پچھلے مہینے اس کارخانے کے کلب میں گولی مار دی تھی۔"

"خون آلود کپڑے اور کھلونے اب تک فرش پر پڑے تھے اور کلب کی دیواروں پر گولیوں کے نشانات تھے۔ ذمہ دار ذریعوں نے بتایا کہ ۲۵ مارچ کو مغربی پاکستان سے آزادی حاصل کرنے کے لئے مشرقی پاکستان کی بغاوت شروع ہونے کے بعد سے ۱۱ اپریل تک جب فوج نے شہر پر دوبارہ قبضہ کیا، چاٹگام میں ہزاروں مغربی پاکستانی اور ہندوستانی مہاجرین (وہ مسلمان جو ۱۹۴۷ء کے بعد سے پوربو پاکستان میں آباد ہوئے تھے) موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

"وہاں کے باشندوں نے ایک جلی ہوئی عمارت دکھائی جہاں بنگالیوں نے مغربی پاکستان کے ساڑھے تین سو پٹھانوں کو جلا کر مار ڈالا تھا۔"

(واشنگٹن پوسٹ ۲۲ مئی ۱۹۷۱ء ایسوسی ایٹڈ پریس کی خبر)

"چاٹگام کے شہر میں پٹ سن کے ایک کارخانے کے کلب میں کپڑوں اور غلاظت کے ڈھیر میں خون میں لتھڑی ہوئی ایک گڑیا پڑی تھی جہاں بنگالیوں نے ایک سو اسی عورتوں اور بچوں کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔

"بنگالیوں نے بعض مغربی پاکستانیوں کو علاقائی تعصب کے جوش میں آکر ہلاک کیا۔"

"بنگالی شہریوں اور مکتی فوج نے لوگوں نے ہندوستان کے صوبے بہار کے آئے ہوئے مہاجرین کا بڑے پیمانے پر قتل عام شروع کیا وہ بازاروں اور آبادیوں میں

دندناتے پھر رہے تھے کسی کو چھرا گھونپتے کسی کو گولی مارتے اور کہیں آگ لگا دیتے گاہے گاہے وہ کسی عورت کی آبروریزی کرتے اور لوٹ مار پر بھی اتر آتے۔

☆☆☆

چوتھا باب

ہندوستان کا کردار

مشرقی پاکستان کے ملک دشمن عناصر کے ساتھ ہندوستان کے گٹھ جوڑ کا براہ راست ثبوت اس وقت ملا جب ۱۹۶۷ء میں اگرتلہ سازش کا راز کھلا۔ کئی گواہوں نے شہادت دی کہ شیخ مجیب الرحمٰن سازش میں ستمبر ۱۹۶۴ء سے ہی ملوث تھے جب مشرقی پاکستان کو ملک کے باقی حصے سے الگ کرنے کے لئے ایک انقلابی تنظیم کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اگرتلہ کی سازش کے تحت اصل منصوبہ یہ تھا کہ فوجی دستوں کے اسلحہ خانوں پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ انہیں مفلوج کر دیا جائے یہ کاروائی چھاپہ ماروں کے انداز میں کی جاتی اور افرادی طاقت کی کمی کو اچانک کارروائی کے ذریعہ پورا کیا جاتا۔ ان مقاصد کے تحت سازشیوں کے نمائندے اور ہندوستان کے نمائندوں میں جو اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کرتے، ایک ملاقات کا انتظام کیا گیا۔

یہ ملاقات ۱۲ جولائی ۶۷ء کو ہندوستان کے شہر اگرتلہ میں ہوئی۔

سازشیوں کو دسمبر ۱۹۶۷ء میں گرفتار کر لیا گیا اور ان میں سے ایک نے انکشاف کیا کہ ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں مسلح بغاوت کو منظم کرنے کے لئے ہتھیاروں اور روپے پیسے کی امداد دینے کا وعدہ کرنے کے علاوہ ہم سب سے یہ بھی کہا تھا کہ جس دن یہ بغاوت شروع ہو گی اس دن ہندوستانی فوج مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے ملا دینے والے فضائی اور بحری راستے بند کر دے گی۔

ہندوستان نے اس منصوبے پر واقعی ۱۹۷۱ء میں عمل کیا جب ہندوستانی

حکومت نے انڈین ایئرلائن کے ایک فوکر فرینڈشپ ہوائی جہاز کو اغواء کر کے لاہور میں زبردستی اتارنے جانے اور بعد میں اغواء کرنے والوں کے ہاتھوں اس کے تباہ کئے جانے کے واقعہ کو بہانہ بنا کر پاکستان کے غیر فوجی ہوائی جہازوں کے ہندوستان پر سے گزرنے پر پابندی لگا دی اور دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی پیدا کر دی۔

حکومت پاکستان نے اس ہوائی جہاز کے مسافروں کی حفاظت کرنے اور انہیں جلد سے جلد ہندوستان بھیجنے کے سلسلے میں ہر ممکن قدم اٹھایا۔ اس پورے واقعے کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کی رپورٹ سے پتہ چلا کہ اغواء کا منصوبہ ہندوستانی ایجنٹوں نے تیار کیا تھا تاکہ پرواز پر پابندی لگانے کا بہانہ ہاتھ آجائے اور سیاسی اور آئینی بات چیت کے نازک مرحلے پر پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان دشواریوں اور کشیدگی کو ہوا دی جائے۔

۲۴ فروری کو گارجین نے لکھا کہ وہ (مجیب) صدر یحییٰ خان اور ان کے جنرلوں سے کہتے ہیں عوام میرے ساتھ ہیں۔ تم سے جو بن پڑے کر لو۔ وہ اس بات کو جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں یحییٰ خان کی فوج کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ اس طرح کے تشدد کی ہمت ہی نہیں کر سکتی۔ پھر یہ کہ پرواز پر پابندی لگ جانے سے کمک پہنچانا غیر ممکن ہو گیا ہے۔"

پاکستان کے اندرونی معاملوں میں ہندوستان کی مداخلت کے کئی اسباب ہیں اور اس مسئلے کی وجوہات ماضی کی تاریخ میں پنہاں ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جھگڑے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہندوستان نے حقیقی معنوں میں پاکستان کے قیام کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ولبھ بھائی پٹیل جیسا ذمہ دار اور سرکردہ بھارتی لیڈر بھی اس خواہش کا برملا اظہار کر چکا ہے کہ ہندوؤں کی مادر وطن بھارت کو پھر سے متحد کیا جائے۔ اس خواہش کی تکمیل کی کوشش میں ہندوؤں نے پاکستان کی جڑیں کاٹنے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس نے پاکستان کے خشک و بے آب علاقوں کو نہری پانی کی فراہمی

اچانک بند کر دی اور لاکھوں مسلم مہاجرین کو پاکستان میں دھکیل کر اس کی معیشت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے جوناگڑھ کو یہ کہہ کر ہڑپ کر لیا کہ وہاں کی آبادی ہندو تھی اور کشمیر پر اس بہانے قبضہ کر لیا کہ وہاں کا حکمران ہندو تھا۔ ۱۹۶۵ء میں اس نے بین الاقوامی سرحد توڑ کر پاکستان کے مغربی علاقے پر کھلم کھلا حملہ کیا۔ اس نے فرخا بند کی تعمیر جلد سے جلد مکمل کرنے کا منصوبہ بنا کر مشرقی پاکستان کے دو کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ آدمیوں کے ذریعہ معاش اور پورے ملک کے اقتصادی استحکام کو خطرے میں ڈال دیا۔ اب مشرقی پاکستان میں تخریب کاری کے ذریعہ وہ پھر پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کی فکر میں ہے۔

فروری ۱۹۷۱ء کے آخر تک ہندوستان کی ایک خاص بڑی فوج مغربی بنگال کے صوبے میں جمع کر دی گئی۔ بظاہر اس کا مقصد انتخابات کے موقع پر حفاظتی کام انجام دینا تھا لیکن انتخابات ختم ہونے کے بعد صورت حال معمول پر لانے کے بجائے مارچ ۱۹۷۱ء کے آخر میں ہندوستانی فوج کے مزید دستے مشرقی پاکستان کی سرحد پر تعینات کر دیئے گئے اور ان دستوں کی مدد کے لئے پہاڑی علاقوں میں لڑی جانے والی فوج اور چھاتہ فوج کے بریگیڈئیر، لڑاکا بمبار طیارے اور فضائی ٹرانسپورٹ کے یونٹ متعین کئے گئے۔

اس کے ساتھ پوربو پاکستان کے ملک دشمن عناصر کی مدد کے لئے سادہ کپڑوں میں ہندوستانی فوجیوں کو کئی طرف سے مشرقی پاکستان کی سرحدوں کے قریب پہنچا دیا گیا۔ سرحدی علاقوں کے ہوائی اڈوں پر جٹ لڑاکا طیارے اور ٹرانسپورٹ ہوائی جہاز بھیج دیئے گئے۔

مغربی بنگال میں پانچ ڈویژن سے زیادہ فوج جمع کرنے کے علاوہ ہندوستانی حکام نے سرحدی حفاظتی فوج کی مزید بٹالینیں بھی تعینات کر دیں۔ یہ ان بٹالینوں کے علاوہ تھیں جو پہلے سے مشرقی پاکستان کے چاروں طرف متعین تھے۔ اس طرح

سرحدی علاقوں میں تقریباً ۶۵ بٹالینیں فوج لگادی گئی۔ ان بٹالینوں کو باغیوں اور علیحدگی پسندوں کی پشت پناہی کے لئے مشرقی پاکستان میں چوری چھپے داخل ہو جانے کے قابل بنانے کی غرض سے سرحدی حفاظتی فوج کے نشانات مٹا دیئے گئے اور جیپوں اور دوسرے گاڑیوں پر سویلین گاڑیوں جیسا رنگ چڑھا دیا گیا۔ سرحدی حفاظتی فوج کے مزید حفاظتی دستے دلی سے روانہ کئے گئے۔ سرحدی حفاظتی فوج کے تمام کورس منسوخ کر دیئے گئے اور پولیس والوں کی چھٹیاں روک دی گئیں۔

ہندوستانی علاقے پر سے پاکستانی ہوائی جہازوں کے گزرنے پر پابندی لگانے کے علاوہ ہندوستان نے مشرقی پاکستان کی طرف جانے والے بحری راستوں میں بھی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ ۲ اپریل ۱۹۷۱ء کو ہندوستان کے جنگی جہازوں نے ہندوستانی بحریہ کے اڈے دوارکا سے ستر میل مغرب میں پاکستان کے ایک تجارتی جہاز اوشن اینڈیورنس کو پریشان کیا۔ اس جہاز کو تعاقب سے بچنے کے لئے کراچی واپس آنا پڑا۔ اس کے تین دن بعد چاٹگام جانے والے حاجیوں کے جہاز سفینہ عرب کو بھی پریشان کیا گیا۔ ہندوستان کے جنوبی علاقے میں متعین زمین سے فضاء میں مار کرنے والے ایک نئے میزائل دستے نے ہندوستان کے ساحل سے بہت دور ۱۲۳ میل کے فاصلے پر فائرنگ کی مشقیں شروع کر دیں اور اس طرح پاکستان کے سول ہوائی جہازوں کو جنوب سے ہو کر پرواز کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

ہندوستان کی فضائی فوج میں بھی سرگرمی کے نمایاں آثار نظر آنے لگے جن سے اندازہ ہوا کہ وہ کسی کارروائی کے لئے تیاریوں میں مصروف ہے۔ مشرقی پاکستان کی مشرقی سرحد پر جو ہنٹر لڑاکا ہوائی جہاز اور ٹرانسپورٹ طیارے متعین تھے، ان کے علاوہ مشرقی پاکستان کی مغربی اور شمالی سرحدوں پر ہندوستانی فضائیہ کے اڈوں کو لڑائی کے لئے پوری طرح تیار رہنے کا حکم دے گیا۔

ساحلوں کی دیکھ بھال کرنے والے بعض ہوائی جہازوں کو خلیج بنگال میں

پاکستانی جہازوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے (کلکتہ کے قریب) بیرک پور میں مامور کر دیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقوں میں بڑے پیمانے پر سراغرسانی کے لئے تصویریں اتاری گئیں۔

بری کارروائی کے سلسلے میں ہندوستان کی سرحدی فوج کے آدمیوں نے چوری چھپے مشرقی پاکستان میں داخل ہونا شروع کیا۔ مشرقی پاکستان تک پہنچنے والے مواصلات اور ٹرانسپورٹ کے نظام کو نئے سرے سے ترتیب دیا گیا اور ہندوستان علیحدگی پسندوں کو خفیہ طریقوں سے اسلحہ اور گولہ بارود بھیجنے لگا۔ بہت بڑی تعداد میں ایسی رائفلیں پکڑی گئیں جن پر ہندوستان کی ایشیاء پور رائفل فیکٹری کے نشانات تھے۔

یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ہندوستان کی سرحدی حفاظتی فوج کی ۷۶، ۸۱، ۸۳، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴ نمبر کی بٹالینیں مارچ ۱۹۷۱ء کے آخر سے مشرقی پاکستان میں کارروائیاں کر رہی تھیں۔ بعد کی اطلاعات سے ظاہر ہوا کہ دو اور بٹالینیں اس کارروائی میں جھونک دی گئیں۔ سرحدی حفاظتی فوج کی ایک بٹالین کا نمبر ۷۳ تھا جسے موکھیل گنج (کوچ بہار) کے علاقے میں تعینات کیا گیا۔ دوسری بٹالین ۷۷ نمبر کی تھی جسے دیناج پور کے مغربی علاقے میں متعین کیا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۸ نمبر کی بٹالین کو جیسور کے مغرب میں بن گاؤں میں تعینات کیا گیا۔ ہندوستان کے سینئر فوجی کمانڈر ان کارروائیوں کی قیادت کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک پہاڑی علاقوں میں لڑنے والی فوج کے ۱۶ ویں بریگیڈ کے کمانڈر تھے۔ اس بریگیڈ کو حال ہی میں رانگامتی (مشرقی پاکستان) سے ۲۵ میل شمال مشرق میں دیماگیری کے مقام پر تعینات کر دیا گیا ہے۔

ہندوستان کی مداخلت کاری ہونے کے بعد ہفتوں کے دوران پاکستانی فوج نے بڑی تعداد میں ہندوستانی ہتھیاروں اور اسلحہ بارود پر قبضہ کیا ہے۔ نرائن گنج کے علاقے میں فوج نے ایک خفیہ خط پکڑا جو عوامی لیگ کے ایک لیڈر نے ہندوستانی ایجنٹ کے نام لکھا تھا۔ اس میں بھارت کی اسلحہ کی فراہمی کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے

کے لئے سرحد پار ایک ہندوستانی سے ملاقات کے لئے کہا گیا تھا۔

ہندوستان نے مشرقی پاکستان کے بحران کے آغاز سے ہی جو کردار ادا کیا ہے، اس کا ثبوت ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے نشر و اشاعت کے اداروں کے ذریعے مل گیا ہے۔ ۲۹ مارچ ۱۹۷۱ء کو ایک ہندوستانی نامہ نگار نے کلکتہ سے اطلاع دیتے ہوئے اس کی تصدیق کی کہ باغیوں "نام نہاد مکتی فوج کے لوگوں" نے ہندوستان سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ بمبئی کے انڈین ایکسپریس کے مطابق اس نامہ نگار نے کشتیا میں شیخ مجیب الرحمٰن کی مکتی فوج کے کمانڈر کے حوالے سے بتایا کہ جیسے ہی بدیسی فوج کے دو دستوں کے لوگوں کو ہلاک کیا گیا یا انہیں ندیا ضلع کی سرحد پر واقع مقام کشتیا سے ہٹایا گیا، مقامی کمانڈر نے جو اپنا نام نہیں بتانا چاہتا تھا، کلکتہ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ اس نے پہلے مسٹر آجے مکرجی سے بات کی جو اس ہفتے کے آخر میں مغربی بنگال کی نئی حکومت کے سربراہ بننے والے تھے اور پھر بعد میں بعض اخباری نمائندوں سے گفتگو کی۔

"بنگلہ دیش" کی حمایت میں ہندوستان کے کئی صوبوں کی اسمبلیوں میں قراردادیں منظور کی گئیں۔ ان میں تامل ناڈو، بہار، مغربی بنگال، آسام، کیرالہ، راجستھان، اتر پردیش، گجرات اور تری پورہ کی اسمبلیاں شامل تھیں۔

مغربی بنگال کے نائب وزیر اعلیٰ نے تو یہاں تک کہا کہ "ہم مغربی بنگال کے لوگ بنگلہ دیش کو تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ مرکزی حکومت نے ابھی تک ایسا نہیں کیا ہے۔"

اس اثناء میں خود ہندوستانی وزیر اعظم نے مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی جسے ۳۰ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہندوستانی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے منظور کر لیا۔ اس قرارداد میں مشرقی بنگال کے ساتھ گہری ہمدردی اور اتحاد کا اظہار کیا گیا اور انہیں (علیحدگی پسندوں کو) یقین دلایا گیا کہ ان کی جدوجہد کو ہندوستان کے عوام کی دلی ہمدردیاں اور حمایت حاصل رہے گی۔

۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے "بنگلہ دیش" کے بارے میں ہندوستانی پارلیمنٹ کی منظور کردہ قرارداد کی "اتفاق رائے سے منظوری دے دی۔" اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے مغربی بنگال یونٹ کے جنرل سیکرٹری مسٹر کے شکلا نے کہا کہ "شیخ مجیب الرحمٰن ہندوستان کے لئے جنگ لڑ رہے تھے۔"

ہندوستان کی وزیر اعظم نے شیخ مجیب الرحمٰن کی مدد کے لئے روپیہ جمع کرنے کی اپیل کی تھی۔ اس کے جواب میں پورے ہندوستان میں سرکاری ہدایت کے مطابق کمیٹیاں قائم کی گئیں اور انہوں نے مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسندوں کی مالی اور مادی امداد کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ صوبہ بہار میں وزیر اعلیٰ کپوری ٹھاکر نے اعلان کیا کہ ان کی حکومت اس فنڈ میں ۲۵ لاکھ دے گی۔

۱۶ اپریل ۱۹۷۱ء کو بمبئی کے اخبار "انڈین نیشن" نے وزیر اعلیٰ ٹھاکر کا ایک بیان شائع کیا جس میں انہوں نے بنگلہ دیش کی فوج آزادی کو اسلحہ اور گولہ بارود کی سپلائی اور دوسری ممکنہ امداد فراہم کرنے کا پھر عزم ظاہر کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ خواہ اس کے نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں بنگلہ دیش کو اسلحہ اور گولہ بارود سپلائی کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہوں۔"

یہ فنڈ اس لئے جمع کیا گیا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی فوج آزادی کے لئے اسلحہ خریدا جائے اور مشرقی پاکستان میں مسلح مداخلت کار بھیجے جائیں۔ روزنامہ اسٹیٹ مین اور کئی دوسرے ہندوستانی اخباروں نے یہ خبر شائع کی کہ جب ہندوستانی وزیر اعظم سے یہ دریافت کیا گیا کہ آیا اسلحہ کی اس رسد کو مشرقی پاکستان پہنچانے کے لئے کوئی انتظام کیا گیا ہے تو انہوں نے ۱۵ اپریل کو یہ کہا کہ "میں اس بارے میں علانیہ کچھ نہیں کہہ سکتی کیونکہ یہ بڑا ہی سنگین معاملہ ہے۔"

ہندوستان مشرقی پاکستان میں گڑبڑ پھیلانے کے لئے باغی عناصر کو برابر

بھرتی کر رہا ہے اور انہیں تربیت دے رہا ہے۔ ۱۵ جون ۱۹۷۱ء کو رائٹر کے نامہ نگار نے خود اپنی آنکھوں سے ان میں ایک ریکروٹنگ سنٹر دیکھا تھا۔ اس کے حوالے سے لندن ٹائمز نے ۱۸ جون ۱۹۷۱ء کو یہ خبر شائع کی کہ سنٹر کے آفیسر انچارج نے دعویٰ کیا کہ نام نہاد بنگلہ دیش کے تمام تربیتی مراکز بنگلہ دیش میں کسی جگہ قائم ہیں۔" لیکن جب نامہ نگار نے مشرقی پاکستان کے اندرونی علاقے میں ان فوجی تربیتی کیمپوں کی صحیح جگہ معلوم کرنا چاہی تو اسے بتایا گیا کہ یہ ایک فوجی راز ہے۔ نامہ نگار نے یہ بھی اطلاع دی کہ "ہندوستانی مغربی بنگال میں غالباً ایسے ۱۰۰ مراکز موجود ہیں۔" نامہ نگار نے یہ بھی بتایا کہ ریکروٹنگ آفس ایک ایسا جگہ قائم کیا گیا ہے جو بظاہر پناہ گزینوں کے رجسٹریشن کا دفتر معلوم ہوتا ہے۔ نامہ نگار نے بتایا کہ جو لوگ بھرتی کے لئے لائے جاتے ہیں انہیں خبردار کر دیا جاتا تھا کہ ایک دفعہ مکتی فوج میں شامل ہو جانے کے بعد وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے اور اگر انہوں نے فرار ہونے کی کوشش کی تو انہیں گولی مار دی جائے گی۔"

برطانوی اخبار لندن کے گارجین نے ایک خبرنامے میں اس کی تصدیق کی کہ ہندوستانی کھلم کھلا مسلح باغیوں کے ان دستوں کو پناہ دے رہے ہیں جو ایسٹ پاکستان رائفلز کے بھگوڑے سپاہیوں، فوجیوں اور بے قاعدہ فوج کے افراد پر مشتمل ہیں اور گزشتہ دنوں میں سرحد پار کر کے پہنچے ہیں۔ نامہ نگار نے سرحد پار کرنے کی ایک جگہ "ہندوستان کی سرحدی فوج کے مورچوں کے اردگرد رائفلوں سے مسلح ان افراد کو کیمپوں میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

۱۴ مئی کو لیگوس کے اخبار نائیجیرین ٹریبون نے خبر دی کہ ہندوستان نے مشرقی پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں پر چھ امدادی چوکیاں قائم کی ہیں جہاں سے اسلحہ، گولہ بارود اور ہندوستانی مداخلت کار مشرقی پاکستان روانہ کئے جاتے ہیں۔ ۳۱ مارچ ۱۹۷۱ء کو کولمبیا براڈکاسٹنگ سسٹم کے نامہ نگار ارنسٹ ویتھراں نے نئی دہلی سے اطلاع

دی کہ اس بات کی تمام علامات موجود ہیں کہ مجیب اور ان کی کالعدم عوامی لیگ نے فوجی مہم کا منصوبہ بہت پہلے سے خوب سوچ سمجھ کر تیار کیا تھا۔ ان کی مکتی فوج کا پہلا نشانہ چاٹگام تھا جو مشرقی پاکستان کی بڑی بندرگاہ ہے۔ اگر اس بندرگاہ کو ایک بار تباہ کر دیا گیا تو صدر یحییٰ خان کو مشرقی پاکستان میں اپنی فوجوں کو رسد پہنچانے میں دشواری ہوگی۔ دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ ڈھاکہ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ پاکستان کی فوج اپنی کارروائی کے اہم مرکز کے طور پر اسے استعمال نہ کر سکے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ مجیب کو بیرونی ذرائع سے کافی طویل مدت سے ہتھیار مل رہے تھے۔ لیکن ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان کے اقدام سے پہلے تک یہ چھپے رہے۔ بہت سے مغربی سفارت کاروں کا خیال ہے کہ یہ ہتھیار صرف ہندوستان سے ہی آ سکتے ہیں۔

لندن ٹائمز کے نامہ نگار نے مغربی بنگال کے ضلع چوبیس پرگنہ سے خبر دیتے ہوئے بتایا کہ مشرقی پاکستان میں سرحد کے پار سے بموں اور بندوقوں کی کھیپ پہنچتی رہی اور مشرقی بنگال میں بیناپول سرحدی چوکی کے قریب مشرقی بنگال کے چھاپہ مار موجود تھے۔

اے ایف پی نے ۲۸ اپریل کو نئی دہلی سے ایک خبر میں اس کی تصدیق کی کہ مشرقی پاکستان میں لڑنے کے لئے دس ہزار سابق فوجیوں کو منظم کیا جا رہا ہے۔ ۲ جون ۱۹۷۱ء کو لنڈن ٹائمز نے خبر دی کہ ہندوستانی حکومت تقریباً ہر محاذ پر بنگلہ دیش کے تصور کو زندہ رکھنے میں مصروف ہے۔ اخبار کلکتہ کے نامہ نگار نے اطلاع دی کہ سرحد کے قریب تقریباً ۳۰ کیمپوں میں ہندوستانی انسٹرکٹر کوئی ۳۰ ہزار رنگروٹوں کو تربیت دے رہے ہیں۔ نامہ نگار نے اس کی بھی تصدیق کر دی کہ نام نہاد آزاد بنگلہ دیش ریڈیو ہندوستانی علاقے ہی میں قائم ہے۔ اس نے بتایا کہ ریڈیو آزاد بنگال کا خفیہ اسٹیشن کئی ہفتے کی خاموشی کے بعد آج پھر سنائی دیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ کئی علاقوں میں مغربی پاکستان کی فوج کا صفایا کر دیا گیا ہے۔ آج صبح میں نے تاروں کے اس گچھے کا استعمال کیا جو

ریڈیو اسٹیشن کی سمت کا پتہ چلانے کے لئے کارآمد ہوتا ہے تاکہ اس ریڈیو کا سراغ لگایا جا سکے جو بنگلہ دیش کے کسی مقام سے پروگرام نشر کرنے کا دعویدار ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ریڈیو کی آواز مشرقی جانب یعنی بنگلہ دیش کی طرف سے نہیں بلکہ شمال کی سمت سے آ رہی تھی اور اس کا انداز و آہنگ بالکل وہی تھا جو آل انڈیا ریڈیو کی نشریات کا ہے۔ شہر میں کئی جگہوں سے بھی یہی تجربہ کر کے تصدیق کی گئی تو کوئی شبہ نہ رہا کہ وہ آواز شمال سے چنسورہ اور ماگورا کی جانب سے آ رہی تھی جہاں آل انڈیا ریڈیو کے ٹرانسمیٹر نصب ہیں۔"

لندن کے اخبار گارجین نے ۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء کو کلکتہ سے اپنے نامہ نگار کی ایک خبر شائع کی جس میں نامہ نگار مارٹن وولاکاٹ نے ہندوستانی اخباروں کی ان خبروں کو محض افسانہ طرازی قرار دیا جن میں کہا گیا تھا کہ عبوری حکومت کے ارکان بنگلہ دیش میں کسی مقام پر ہیں۔ نامہ نگار نے یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں کو بقول اس کے پچھلے جمعہ کو اعلان آزادی کا ڈھونگ رچانے کے لئے ہندوستان نے ضروری ساز و سامان فراہم کرنے میں ان کی مدد کی یعنی ان کے لئے کرسیاں اور دیگر فرنیچر وغیرہ مہیا کر دیا گیا اور اس تقریب میں شریک لوگوں کی حفاظت کے لئے ہندوستانی فوجی بھی مہیا کئے گئے جو سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔"

۲۰ اپریل کو فرانس کے اخبار لی موند نے جو پیرس سے شائع ہوتا ہے' یہ اطلاع دی کہ "بنگلہ دیش کی عبوری حکومت کے قیام کا اعلان ہندوستانی سرحد سے ایک میل کے فاصلہ پر آم کے درخت کے نیچے کیا گیا لیکن یہ کارروائی بیرونی اخبارات کو دکھانے کے لئے کی گئی تاکہ یہ ظاہر کیا جا سکے کہ اس حکومت کا وجود مشرقی پاکستان کے علاقے میں ہے حالانکہ یہ حکومت کلکتہ میں بنائی گئی تھی"۔

ہندوستان نے نہ صرف تخریب کاروں کی مدد کی اور مسلح مداخلت کا رستہ بلکہ اس نے پاکستان کی سرحد پر کشیدگی میں بھی اضافہ کیا۔ پاکستان نے کئی احتجاجی مراسلے

ہندوستان کو بھیجے مثلاً ایک مراسلہ ۲۱ جون ۱۹۷۱ء کو بھیجا گیا جن میں حسب ذیل واقعات کی تفصیل بتائی گئی تھی :۔

۱۔ ۱۶ جون کو ضلع جیسور میں بیناپول کے نواح میں بغیر کسی اشتعال کے ہندوستانی فوجیوں نے پاکستان کے علاقوں (کیوٹی ۷۵۴۲) اور کیوٹی (۷۶۴۲) پر مشین گنوں سے گولیاں چلائیں اور تین انچ دہانے والی مارٹر توپوں سے گولے برسائے۔

۲۔ ۱۷ جون کو ہندوستان کی سرحدی حفاظتی فوج کے جوان غیر قانونی طور سے پاکستان کے علاقے میں گھس آئے اور ضلع میمن سنگھ کے ایک گاؤں (آر ایف ۶۸۱۸) کے دو شہریوں کو ہلاک کر دیا۔

۳۔ ۷ جون ہی کو میمن سنگھ میں کمال پور (کیو ای ۸۵۱۲) کے مقامی پر ایک سرحدی چوکی (بی او پی) کو بغیر کسی وجہ کے چھوٹے ہتھیاروں کی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا اور مارٹر توپوں نے گولے پھینکے۔ یہ عمل ساڑھے پانچ بجے صبح سے چھ بجے صبح تک اور پھر گیارہ بج کر ۴۰ منٹ سے بارہ بجے تک جاری رہا جس میں دو آدمی مارے گئے اور چار زخمی ہوئے۔

۴۔ ۱۸ جون کو ضلع جیسور میں بیناپول کے نواح میں پاکستان کے ایک گشتی دستے پر گولیاں چلائی گئیں۔

۵۔ ۱۷ اور ۱۸ جون کی درمیانی شب کو کمال پور (کیو ای ۸۵۱۲) ضلع میمن سنگھ میں واقع سرحدی چوکی (بی او پی) پر پھر بلا کسی وجہ کے ہندوستان کے فوجیوں نے چھوٹے ہتھیاروں سے گولیاں چلائیں اور مارٹر توپوں سے گولے برسائے۔

۶۔ ۱۸ جون کو ضلع کومیلا میں موضع (آر آر ۳۴۹۹) پر ہندوستانی فوجوں نے مارٹر گولے پھینکے اور چھوٹے ہتھیاروں سے گولیاں چلائیں جس سے چار

آدمی زخمی ہوئے۔

۷۔ ۱۸ جون کو ضلع کومیلا کے علاقے (آر ایم ۲۸۱۸) ضلع جیسور کے بیناپول اور مسلیا علاقے (کیوٹی ۸۶۶۵) اور ضلع سلہٹ کے چیتل پور علاقے (آر ایچ ۱۷۰۳) پر ہندوستانی فوج نے میدانی توپوں اور مارٹر توپوں اور چھوٹے ہتھیاروں سے بلاوجہ گولہ باری کی۔

۸۔ ۱۸ جون کو ہندوستان کے فوجیوں نے ضلع دیناج پور میں کشور گنج (کیو ڈی ۳۱۸۵) کی سرحدی چوکی پر تین انچ دہانے والی مارٹر توپوں سے سو راؤنڈ چلائے۔ تین جولائی کو ہندوستان کی فضائیہ نے مشرقی پاکستان کے ضلع دیناج پور کے مقام امار خانے پر حملہ کیا۔ اس روز ساڑھے بارہ بجے دن کو ہندوستان کے چار لڑاکا ہوائی جہاز اور ایک ہتھیار بند ہیلی کاپٹر چھ میل اندر تک پاکستانی علاقے میں گھس آئے اور مشین گنوں سے گولیاں برسائیں۔ اس دن سہ پہر کے وقت امار خانے پر ہندوستان نے اپنے علاقے سے ۱۲۰ ملی میٹر دہانے والی مارٹر توپوں سے گولہ باری کی۔

ہندوستان کے عزائم بے نقاب ہو چکے ہیں اور جیسا کہ "یارک شائر پوسٹ' نے اپنی یکم اپریل ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ ہندوستان' پاکستان کی تخریب کی جن کوششوں میں لگا ہوا ہے مشرقی پاکستان میں اپنے ایجنٹ بھرتی کر رہا ہے اور پاکستان کو ختم کرنے کی جن سازشوں میں مشغول ہے' اس کی ایک لمبی اور پرانی کہانی ہے۔ اس کی ابتداء تو ۱۹۴۷ء میں اسی روز ہو گئی تھی جب پاکستان وجود میں آیا تھا۔ اس دن سے آج تک ہندوستان نے پاکستان کے آزار وجود کو دل سے نہیں مانا اور اس مملکت کو تباہ کرنے کے لئے کوئی حربہ نہیں اٹھا رکھا۔

لندن کے اخبار روزنامہ ٹیلی گراف (۶ مئی ۱۹۷۱ء) میں ڈیوڈ لوشاک نے لکھا تھا کہ ہندوستان اس میں اپنی بھلائی دیکھتا ہے کہ اس کا حریف اول ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائے یا مفلوج ہو کر رہ جائے۔ آگے چل کر اس نے لکھا ہے کہ ہندوستان کو بے گناہ لوگوں کے حال سے کئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کی غرض سے بنگلہ دیش کے نام پر پروپیگنڈا مہم چلائے ہوئے ہے۔ انگلستان کے ایک مشہور مبصر مائیکل ایڈورڈس نے جو عصر حاضر کے ایشیائی معاملات کے ماہر ہیں' ۱۴ اپریل کو بی بی سی کے پروگرام آج کی دنیا کے ایک مباحثہ میں حصہ لیا تھا اور کہا تھا کہ مغربی بنگال کی سیاسی جماعتیں اور گروہ مشرقی پاکستان کے شرپسندوں کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر جو بیان دے رہے ہیں اور جلسے کرنے اور جلوس نکالنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جو کوشش کر رہے ہیں' اس کو سمجھنے کے لیے صحیح پس منظر کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ مغربی بنگال میں مشرقی پاکستان سے ملنے کا رجحان سیاسی مجبوریوں اور اقتصادی مصلحتوں کے بطن سے پیدا ہوا۔ مغربی بنگال کے لیڈر یہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر پاکستان ٹوٹ جائے گا تو پھر وہ مشرقی پاکستان پر اپنا حکم چلا سکیں گے اور مغربی بنگال کے کارخانوں کے لئے خام مال مہیا ہو سکے گا۔

خود ہندوستان کے لکھنے والے اور مبصروں کی تحریروں سے یہ بات خوبی واضح ہو گئی ہے کہ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے' ہندوستان کے عزائم کیا ہیں۔

ہندوستان کے اخبار "فری پریس جرنل" نے اپنی ۲ اپریل کی اشاعت میں لکھا تھا کہ ہمیں (یعنی ہندوستان کو) چاہئے کہ پاکستان کو کمزور کرنے کے لئے خوب سوچ سمجھ کر اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ کام کریں"۔ آگے چل کر اس نے لکھا تھا کہ ممکن ہے کہ مشرقی بنگال ہمارا احسان مانتے ہوئے کشمیر پر ہندوستان کی بالادستی تسلیم کر لے۔ اس سے دو دن ہی پہلے یعنی ۳۰ مارچ ۱۹۷۱ء کے شمارے میں ہندوستان کے ایک اور اخبار روزنامہ انڈین ایکسپریس نے مشرقی پاکستان میں ہندوستان کی فوجی مداخلت کی تجویز پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمیں ایک تاریخی موقعہ ہاتھ آیا ہے اور عمل کا یہی وقت ہے اور ہندوستان کی دفاعی تعلیمات کے انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر مسٹر

سبرامنیم نے ۷ اپریل ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان میں ہندوستان کی پیدا کردہ بغاوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہندوستان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پاکستان کے مٹنے ہی میں اس کا فائدہ ہے اور آج ہمیں جو موقع ملا ہے' وہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

ہندوستان کے ایک اور روزنامے "مدرلینڈ" مورخہ ۱۵ جون ۱۹۷۱ء میں ہندوستان کے ایک اور مبصر مسٹر سبرامنیم سوامی کا ایک مضمون چھپا ہے جس میں انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ پاکستان کی علاقائی سالمیت کوئی ہماری ذمہ داری تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو پاکستان کا دردسر ہے۔ ہمیں تو صرف دو سوالوں کا جواب سوچنا چاہئے۔ ایک یہ کہ پاکستان کی موت سے آگے چل کر ہمارے قومی مفادات کو فائدہ پہنچے گا اور اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر سوچنا چاہیے کہ اس ضمن میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پاکستان کے مٹ جانے سے ہندوستان کی خارجی اور داخلی سلامتی مستحکم ہو گی۔ ہندوستان کو بین الاقوامی طور سے ایک بڑی طاقت بننا ہے اور اس کے لئے قومی اتحاد یک جہتی کو فروغ دینا ضروری ہے جس کے لئے پاکستان کا ختم ہونا ضروری شرط ہے۔" ان سب پر طرہ یہ کہ خود وزیراعظم ہند نے ۱۵ جون ۱۹۷۱ء کو اعلان کیا کہ ہندوستان ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ایسا سیاسی حل کبھی تسلیم نہیں کرے گا جو بنگلہ دیش کی موت پر منتج ہو۔

حرف آخر

مشرقی پاکستان کے حالیہ المناک واقعات کے بارے میں صحیح رائے ان تفصیلات کی روشنی میں قائم کی جا سکتی ہے جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ عوامی لیگ کے تشدد پسند عناصر نے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء سے پہلے جو ظلم و ستم ڈھائے' چونکہ ان کو انتقام کے ڈر سے شائع نہیں ہونے دیا گیا اس لئے یہ تاثر پیدا ہو گیا ہے کہ وفاقی حکومت نے جو کارروائی کی اس کی غرض عوامی تحریک کو کچلنا تھا۔ اس کتاب میں جو واقعات بیان کئے گئے' اس سے یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ فوج کو صرف اس غرض

سے حرکت میں لایا گیا تھا کہ عوامی لیگ کی عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریک کے پچیس روزہ دورہ میں جو امن عامہ تباہ ہو گیا تھا اور حکومت کا اختیار بے اثر ہو گیا تھا' اسے پھر حال کیا جائے۔

اس وہائٹ پیپر میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں اور جو دستاویزات شامل ہیں' ان کے غیر جانب دار مطالعہ سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ صدر نے حتی المقدور یہ کوشش کی کہ مختلف پارٹیوں کے درمیان اتفاق رائے ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر صحیح معنی میں وفاقی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ صدر چاہتے تھے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کیا جا سکے۔ جس حد تک بھی ممکن تھا' انہوں نے عوامی لیگ سے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا اور سرکاری احکامات کو منوانے میں اتنی تاخیر کی کہ آج یہ نظر آتا ہے کہ ہم تباہی کے غار میں کرنے والے تھے۔ شیخ مجیب الرحمان اور عوامی لیگ کے دوسرے لیڈر برابر اپنے مطالبات بڑھاتے گئے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ عوام نے ان کو صرف یہ اختیار دیا تھا کہ پاکستان میں شامل رہتے ہوئے وہ صوبائی خود مختاری حاصل کریں اور عوامی لیگ کے چھ نکات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ جب مذاکرات آخری مرحلے میں پہنچے تو ان کے مجوزہ فرمان میں کنفیڈریشن کا جو آزاد اور خود مختار ریاستوں کا ایک کمزور وفاق ہوتا ہے' ذکر کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس میں ایسی قطعی نشانیاں موجود تھیں جن سے واضح ہو گیا کہ وہ پاکستان کو توڑنے کے درپے تھے۔ ان کی یہ بات نہ صرف یہ کہ دوسری وفاقی وحدتوں کے لئے قابل قبول نہیں تھی بلکہ قانونی ڈھانچے کے حکم کے بھی منافی تھی جس کے تحت انتخابات ہوئے تھے اور جس میں صدر کے اس عہد کا واضح ذکر موجود تھا کہ وہ بہر صورت پاکستان کی سالمیت اور وحدت کا تحفظ کریں گے۔

عوامی لیگ کی قیادت کو یہ گمان تھا کہ اگر بات چیت کے ذریعے وہ اپنی علیحدگی پسندی کے مطالبات نہ منوا سکے تو پھر وہ شہری نظم و نسق کو درہم برہم کر کے' فوجی

یونٹوں کو غداری پر آمادہ کر کے اور ہندوستان سے ساز باز کر کے اپنا مقصد حاصل کر لے گی اور دنیا کے سامنے بنگلہ دیش کو ایک حقیقت بنا کر پیش کر سکے گی۔ صدر نے سمجھوتے کی تمام کوششیں کر کے دیکھ لیں لیکن عوامی لیگ کے لیڈروں کی طرف سے کوئی ایسا معتدل اور مدبرانہ رد عمل ظاہر نہ ہوا جو متحدہ پاکستان کے تصور سے ہم آہنگ ہوتا۔ چنانچہ صدر کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ پاکستان کی سالمیت و بقا کے لئے بادل ناخواستہ ضروری کارروائی کریں۔ اس سے پہلے بھی وہ بار بار خبردار کر چکے تھے کہ ضرورت پڑنے پر وہ اسی کارروائی کرنے میں تامل نہیں کریں گے۔

☆☆☆

حمود الرحمٰن کمیشن کا قیام

16 دسمبر 1971ء سقوط مشرقی پاکستان کے بعد یحییٰ خان نے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ 18 دسمبر 1971ء کی شام جنرل یحییٰ خان نے اپنا استعفیٰ لکھا اور امریکہ میں موجود ذوالفقار علی بھٹو کو فون پر دعوت دی کہ وہ پاکستان آکر اقتدار سنبھال لیں۔

اقتدار سنبھالنے کے بعد بھٹو نے 24 دسمبر 1971ء کو "کمیشن انکوائری وار 1971ء" کے نام سے ایک کمیشن قائم کیا۔ جس کا کام مشرقی پاکستان میں شکست کے اسباب اور عوامل کی تحقیقات کرنا تھا۔ کمیشن نے اپنی ابتدائی رپورٹ جولائی 1972 میں اور حتمی رپورٹ نومبر 1974 میں پیش کی تھی۔ کمیشن نے 213 گواہوں کے بیانات قلمبند کئے۔ پانچ ابواب پر مشتمل اس رپورٹ میں مشرقی اور مغربی پاکستان میں تعینات پاک فوج کے افسروں، سول انتظامیہ اور دیگر کئی افراد کے بیانات شامل ہیں۔

اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن کی سربراہی میں قائم اس کمیشن میں سپریم کورٹ کے جسٹس انوار الحق سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس طفیل علی اور بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس عبدالرحمان شامل تھے۔ جبکہ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ الطاف قادر اور سپریم کورٹ کے رجسٹرار ایم اے لطیف اس کمیشن کے فوجی مشیر اور سیکرٹری تھے۔

حمود الرحمٰن کمیشن کے روبرو

جنرل یحییٰ خان

لاہور ہائی کورٹ میں دیا گیا بیان

جنرل (ریٹائرڈ) محمد یحییٰ خان
61بارلے سٹریٹ، راولپنڈی
(درخواست دہندہ) بنام وفاق پاکستان

اقبالی بیان

من کہ مسمی آغا محمد یحییٰ خان ہوش وحواس تحریر کررہاہوں کہ :

جب فیلڈ مارشل ایوب خان نے اقتدار میرے حوالے کیا تو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے مجھے پیش کش کی وہ میرے سیاسی امور کے معاون کے طور پر کام کرنے کو تیار ہیں جبکہ میرے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ میں بدستور مسلح افواج کی کمان کرتا رہوں۔ مسٹر بھٹو کا خیال تھا کہ اس طرح ہم دونوں کم از کم پچیس برس تک اس ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بن کر اس پر حکمران رہ سکتے تھے۔ میں نے مسٹر بھٹو کی اس پیش کش کو سختی کے ساتھ مسترد کردیا۔

مجھے صرف 34برس کی عمر میں بریگیڈیئر کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی۔ یہ افواج پاکستان کی تاریخ میں انوکھی اور نئی روایت تھی کیونکہ ماضی میں شاید ہی ایسا ہوا تھا کہ کوئی فوجی افسر اتنی کم عمری میں اس اعلیٰ عہدے پر فائز ہوا ہو۔ میں نے 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں چھمب جوڑیاں کے محاذ پر افواج پاکستان کی کمان کی اور اس محاذ پر بڑی بہادری اور کامیابی سے کاروائیاں کیں جس سے قوم کے عزت ووقار میں اضافہ ہو۔ ملٹری سٹاف کالج کوئٹہ کا

پرنسپل مقرر ہونا فوج میں بڑے اعزاز کی بات سمجھی جاتی ہے اور مجھے اس اعزاز سے سرفراز ہونے کا بھی موقع ملا تھا۔ اس سے قبل مجھے ملٹری اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ میں استاد کے طور پر خدمات سرانجام دینے کا بھی موقع ملا تھا۔ اس موقع پر میں نے مختلف غیر ملکی اساتذہ کے مقابلے میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر کے اپنی لیاقت کا لوہا منوایا تھا۔

مجھے شکار کیلئے اکثر و بیشتر لاڑکانہ جانے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ جب فیلڈ مارشل ایوب خان نے مارشل لاء لگایا تو مسٹر بھٹو کو سکندر مرزا کے وزیر کے طور پر نامزد کر دیا گیا۔ میرے وزیر خزانہ مظفر علی قزلباش نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ ایک غیر ملکی نے جب بھٹو کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس وقت مسٹر بھٹو اقتدار میں شرکت کیلئے اس قدر بے چین تھے کہ اگر دو تین سال مزید ان کو حکومت میں شمولیت کا موقع نہ ملتا تو شاید وہ پاگل ہو جاتے۔

مجھے چین کے رہنما مسٹر چواین لائی کا ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے مجھے بتایا کہ مسٹر بھٹو نے چینی حکومت سے رابطہ کیا تھا اور استدعا کی تھی کہ وہ مسٹر بھٹو کو اپنے ہاں مدعو کریں۔ مسٹر چواین لائی نے استفسار کیا تھا کہ اگر مجھے کوئی اعتراض نہ ہو تو مسٹر بھٹو کو اپنے ہاں مدعو کر لیں۔ میں نے چینی حکومت کو مطلع کیا کہ مسٹر بھٹو میرے حریف نہیں ہیں اور مجھے ان کے مدعو کئے جانے پر اعتراض نہیں ہے لیکن میں نے مسٹر بھٹو کو بھی طلب کیا اور ان سے کہا کہ اگر آپ چین جانا چاہتے تھے تو آپ کو چاہئے تھا کہ مجھ سے رجوع کرتے۔ آپ کی اس حرکت نے ہمارے ہمسایہ دوست ملک میں پاکستان کی موجودہ صورتحال کے بارے میں کتنا خراب تاثر قائم کیا ہوگا۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، فوج کے سربراہ جنرل گل حسن اور فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل رحیم چین کے دورے پر تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے واپس آکر بہت برا تاثر دیا جو کہ ہمارے دشمنوں کو بھڑکانے میں بہت اہم کردار ادا کر سکتا تھا۔

ایک دفعہ مولانا بھاشانی نے مجھے تجویز پیش کی کہ "آغا صاحب کچھ بھول جاؤ! آؤ مل کر اس ملک پر حکومت کریں۔ انہوں نے اس تجویز کے ساتھ بدعنوانی کے خاتمے اور بنگالیوں

کے حقوق کے حصول کا ایک نوے نکات پر مشتمل ایجنڈا بھی میرے سپرد کیا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں ان کے تمام مطالبات پورے کرنے کو تیار ہوں لیکن ان کو مجھے ان مطالبات کو پورا کرنے کا طریقہ کار بھی بتانا ہوگا۔ اس پر مولانا بھاشانی نے کہا: "آپ ایک حکمران ہو، میں احتجاج اور مطالبہ کرنے والا ہوں، آپ کو ہمارے مسائل کا حل خود تلاش کرنا چاہئے"۔

میں نے کبھی ایسا کوئی عندیہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ ہمیشہ کیلئے اس ملک کا صدر رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ اس امر کا اعادہ کیا کہ میں اس ملک کا چوکیدار اور حفاظت کرنے والا ہوں اور میرا اصل کام اس کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کا تحفظ کرنا ہے۔ سیاست دان اپنا کردار خود ادا کریں اور میں اپنا فرض خوبی ادا کروں گا جو کہ میں کرنا چاہتا ہوں حتیٰ کہ ایک دفعہ مجھے مجیب نے تجویز پیش کی کہ میں انتخابات کے بعد ملک کا صدر بن جاؤں۔ میں نے اس کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ آئندہ ایسی بات نہ کرے۔

یہ بات میرے علم میں تھی کہ مسٹر بھٹو نے پاکستان پیپلز پارٹی کے ممبران قومی اسمبلی کا ایک اجلاس طلب کیا جہاں ان سے حلف لیا گیا کہ وہ ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کھلے عام یہ بات کہی کہ جو ڈھاکہ جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی اور جو ڈھاکہ جائے گا اس کو واپسی کا ٹکٹ نہیں لینا چاہئے۔ میں نے اس پر مسٹر بھٹو کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا کیونکہ مجھے علم تھا کہ وہ اکثر اسی طرح کی ہانکتا رہتا ہے۔ بہر حال میں نے مسٹر بھٹو کو بلا کر سرزنش کی اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اس قسم کی حرکات سے باز رہیں۔ اس پر مسٹر بھٹو نے کہا "جنرل صاحب! ہم سیاسی لوگ ہیں، ہمیں ایسی حرکات کرنا پڑتی ہیں۔" مسٹر بھٹو شراب کے بڑے رسیا تھے۔ وہ عوامی اجتماعات میں خطاب کرنے کیلئے جانے سے قبل کثیر مقدار میں شراب ضرور پیا کرتے تھے۔ جب بھی وہ کسی نشری تقریر کی ریکارڈنگ کیلئے جاتے تو وہسکی کی کثیر مقدار ان کے بریف کیس سے برآمد ہوتی تھی حتیٰ کہ مسٹر بھٹو نے قذافی سٹیڈیم لاہور میں ننگی گالی بک دی جو میں نے اپنے کانوں

سے ریڈیو پر نشر ہوتے ہوئے سنی"۔

بھٹو کی اس دھمکی نے کہ جو بھی ڈھاکہ جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی ملکی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ اس سے مشرقی پاکستان میں صورتحال مزید خراب ہو گئی کیونکہ یہ قانونی طریقہ کار سے سر مو انحراف تھا۔ اس دھمکی نے مشرقی پاکستان کے اندر بغاوت کی راہ ہموار کر دی۔ یہ دھمکی مجیب کی طرف سے پیش کردہ چھ نکات سے کسی طور پر بھی کم خطرناک نہ تھی اور ملک کے دونوں بازوؤں کی علیحدگی کا پروانہ تھی۔ میں نے مسٹر بھٹو کو بلا کر اس ضمن مین پھر سرزنش کی لیکن یہ ان کی عادت ثانیہ تھی کہ وہ ہر بات کو میرے سامنے بڑے تحمل سے سنتے تھے لیکن کسی پر بھی عمل کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے تھے۔ اقبال پارک میں کی گئی تقریر نے ملکی سالمیت کے بارے میں رہی سہی امید بھی ختم کر دی۔ یہ تقریر شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات سے زیادہ خطرناک اور ملک کو خودکشی کے راستے پر لے جانے کے مترادف تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجیب الرحمٰن ایک چھوٹا آدمی تھا لیکن مسٹر بھٹو تو چالاک اور مکروہ شمل مینڈک(Venemous Toad) تھا۔ مسٹر بھٹو کو حکومت حاصل کرنے کا اتنا شدید جنون تھا کہ انہوں نے ملک کے اندر دو وزرائے اعظم کا خیال بھی پیش کیا جسے میں نے فوری طور پر مسترد کر دیا۔ مسٹر بھٹو کی کراچی کی اس تقریر کے جواب میں جس میں انہوں نے "ادھر تم ادھر ہم" کا نعرہ مستانہ لگایا تھا، شیخ مجیب نے بھی 12 مارچ 1971ء کو ایک تقریر کی جس میں ملک کی یگانگت اور سلامتی پر حملہ کیا گیا تھا۔ میرے خیال میں مجیب اس وقت تک مسٹر بھٹو کے برعکس محب وطن تھا۔ اگر مسٹر بھٹو اسمبلی کے ممبر منتخب نہ ہوتے تو وہ اس طرح کی کوئی تقریری یا تیں کرنے کی جرات نہ کرتے جو انہوں نے ان دنوں اپنا وطیرہ بنا لیا تھا اور جس سے بہر حال پاکستان کے حصے بخرے کرنے والوں کی مدد ہوتی تھی۔

مسٹر بھٹو نے اکتوبر 1970ء میں ہونے والے عام انتخابات کو ملتوی کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ اس نے مجھ سے کہا "جنرل صاحب! میں مجیب کو جانتا ہوں وہ کہتا ہے کہ یہ چھ

نکات آخری نہیں ہیں ان پر بات چیت ہو سکتی ہے لیکن وہ ان پر کبھی مذاکرات نہیں کرے گا۔ وہ ایک جھوٹا شخص ہے"۔ بہر حال اکتوبر کے انتخابات ملتوی کر دیئے گئے جس کی سفارش اس وقت کے چیف الیکشن کمشنر جناب جسٹس عبدالستار نے کی تھی۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کا ایک تفصیلی دورہ کیا تھا اور مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں مشرقی پاکستان کے حالات کے پیش نظر کچھ عرصے کیلئے انتخابات ملتوی کر دوں۔ میں نے الیکشن ملتوی کرنے سے قبل مسٹر بھٹو سے کوئی مشورہ یا ملاقات نہیں کی۔ انتخابات دسمبر 1970 میں ہوئے اور پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں بالترتیب دو بڑی پارٹیاں بن کر ابھریں۔ مجیب نے میرے اوپر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ میں اسمبلی کا اجلاس جلد از جلد بلاؤں کیونکہ یوم شہدائے مینار نزدیک آرہا تھا اور اس دن طلباء مظاہرے کر کے مشکلات پیدا کر سکتے تھے۔ مسٹر بھٹو اجلاس کا التواء چاہتے تھے تاکہ وہ مجیب کے ساتھ مذاکرات کر کے اپنے لئے کوئی راہ نکال سکیں جبکہ میں نے ان کو صاف صاف بتا دیا کہ یوم شہدائے مینار نزدیک آرہا ہے اس لئے سیشن کا التوا ملکی سلامتی کیلئے خطرناک ہو گا جو کہ میں نہیں کروں گا۔ بھٹو نے مجھے وزیر اعظم کا انتخاب ملتوی کرنے کو کہا جس سے میں نے انکار کر دیا اور اس کو ہدایت کی کہ وہ اجلاس میں شرکت کیلئے جلد از جلد ڈھاکہ پہنچے۔

گورنر احسن نے بھی مجھے مطلع کیا کہ بنگالی لوگوں میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے اس لئے اجلاس ملتوی نہ کیا جائے لیکن اگر التوا ناگزیر ہو جائے تو پھر اس کی نئی تاریخ کا ساتھ ہی اعلان بھی کر دیا جائے۔ میں نے صورتحال پر بحث کیلئے گورنرز کی میٹنگ طلب کی۔ مجھے گورنر احسن نے بتایا کہ بنگالی کسی بھی صورت مین التوا پر راضی نہیں ہوں گے۔ میں نے ان کو بتایا کہ مغربی پاکستان میں سب سے بڑی پارٹی کے لیڈر کا کہنا ہے کہ اگر اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا تو وہ اجلاس میں نہیں جائیں گے جس سے بہت زیادہ لوگوں کے اسمبلی سے باہر رہنے کا خطرہ ہے۔ میں نے گورنروں کے اس اجلاس میں شریک اصحاب سے کہا کہ وہ مجیب کو اس صورتحال سے آگاہ کریں۔

جب اسمبلی کے اجلاس کے التوا کا اعلان ہوا تو احتجاجی تحریک نے زور پکڑ لیا۔ بنگالیوں نے فوج کو مچھلی کا راشن مہیا کرنا بند کر دیا۔

انہوں نے بعض جگہوں پر راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور بعض جگہوں پر فائرنگ کے اکا دکا واقعات بھی ہونا شروع ہو گئے جس میں ہمارے بعض جوان بھی مارے گئے۔ جواب میں فوج نے بھی اس طرح کی صورتحال سے نپٹنے کیلئے محدود کاروائیاں کیں۔ میں نے ایک آئینی فارمولا تیار کیا اور مجیب کو دکھایا جس نے کہا کہ یہ ایک اچھا فارمولا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ فارمولے پر اسمبلی کے اندر بحث کر لیں اور اس مین کسی قسم کی کوئی تجویز آئی تو ایوان کے ذریعے عمل میں تبدیلی کر لیں گے جس پر مجیب الرحمٰن راضی ہو گئے۔

میں نے بھٹو کو دیگر پاکستانی رہنماؤں کے ہمراہ ڈھاکہ بلایا' لیکن بھٹو کے سوا سب رہنما پہنچ گئے۔ میں نے بھٹو صاحب کو تار بھیجا کہ مجیب کے ساتھ گفتگو ہو گئی ہے آپ آ جائیں۔ آپ انشاءاللہ مطمئن ہو کر جائیں گے۔ ڈھاکہ آنے سے قبل ہی مسٹر بھٹو نے لندن پلان نامی کسی پروگرام کے حوالے سے صورتحال پر گفتگو کر کے متوقع حالات کی طرف اشارہ کر دیا۔ مجیب بھاگم بھاگ مجھ تک پہنچے اور کہا کہ اگر مسٹر بھٹو لندن پلان نامی کسی منصوبے پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو میرے لئے مذاکرات کرنا ممکن نہ ہو گا۔ مسٹر بھٹو ڈھاکہ آئے لیکن ان کے ہمراہ بڑی بڑی داڑھیوں والے پانچ چھ مسلح محافظ تھے جنہوں نے ہاتھوں میں بندوقیں تھام رکھی تھیں۔ صورتحال کو نرم کرنے کے بجائے اس نے اس طرح کی حرکت کی۔ بنگالی بہت حساس لوگ تھے' اس سے ان کے اذہان پر بہت بُرا اثر پڑ سکتا تھا' اس لئے بھٹو صاحب کو ایئر پورٹ سے سیدھا ہوٹل پہنچا دیا گیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مسٹر بھٹو کو ڈھاکہ میں سہ فریقی مذاکرات میں شرکت کیلئے بلایا گیا تھا لیکن انہوں نے ان مذاکرات میں شرکت سے صاف انکار کر دیا۔ بعد ازاں انہیں ٹیلی گراف کے ذریعے کوئی پیغام موصول ہوا جس کے بعد انہوں نے مذاکرات میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی دی۔ اپنی روانگی سے کچھ دیر قبل بھٹو نے اخباری بیان میں مجیب

پر کیچڑ اچھالا تھا۔ وہ اس پر سخت غصے میں تھا۔ مجیب یہ بات میرے نوٹس میں لائے اور جب اس سلسلے میں مجیب مجھ سے ملے تو ان کے ساتھ تاج الدین صاحب بھی تھے۔ مجیب نے کہا کہ بھٹو صاحب ان مذاکرات میں شرکت کیلئے قطعاً مخلص نہیں ہیں' جیسا کہ میرا خیال تھا کیونکہ انہوں نے مذاکرات مین شرکت کیلئے آنے سے قبل ہی لندن پلان جیسے خود ساختہ منصوبے کی دھول اڑا کر اصل معاملات کو دھندلانے کی کوشش کی تھی' اس لئے اس گفتگو سے کوئی مشترکہ حل دونوں فریقین کیلئے قابل قبول بر آمد نہیں ہو سکے گا۔ ڈھاکہ پہنچنے پر مسٹر بھٹو نے مجیب سے یہ پوچھا کہ تم جو حکومت قائم کرنے جا رہے ہو اس میں میرا کتنا حصہ ہو گا تو مجیب نے اس سے کہا کہ جو حکومت میں بناؤں گا اس میں آپ کا ذرا برابر بھی حصہ نہ ہو گا۔ اس کے برعکس بھٹو صاحب نے جس لندن پلان کی طرف اشارہ کیا تھا وہ ثابت نہ ہو سکا۔ بنگالیوں نے ایسے پلے کارڈ لے کر مارچ کیا۔ جس پر درج تھا "بھٹو قاتل۔ واپس جاؤ" وہ مسٹر بھٹو کے خلاف نعرہ بازی بھی کر رہے تھے فوراً اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔

مجھے مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کی تجویز کسی نے نہیں دی تھی۔ میں فوج کا سربراہ تھا اور کسی بھی بغاوت کو کچلنا بہرحال فوج کی ذمہ داری ہوا کرتی ہے۔ میں نے بغاوت کو کچلنے کا حکم دیا تھا۔ ولی خان' بزنجو' دولتانہ' مفتی محمود' عبدالقیوم خان وغیرہ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے بھی مجھے بتایا کہ انہوں نے اپنی سی کوشش کر لی ہے لیکن صورتحال سنبھل نہیں پا رہی۔ میں نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ فیصلہ بہر حال مجھے ہی کرنا ہے پھر یوں ہوا کہ پاکستان کا جھنڈا جلانے تک نوبت آ گئی۔ اس کے بعد خواتین پر مجرمانہ حملے ہونا شروع ہوئے۔ یوں یہ عمل ایک عام بغاوت کی شکل اختیار کر گیا اور مجھے مجبوراً آرمی ایکشن کا فیصلہ واپس لینا پڑا۔

میں نے مغربی پاکستان کے رہنماؤں کے ساتھ ایک ملاقات کا اہتمام کیا جس میں مسٹر بھٹو شریک نہ ہوئے۔ اس نے کہا کہ وہ ان "گندے انڈوں" کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں کرتا بلکہ وہ مجھ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے۔ جب صورتحال نہ سنبھل سکی تو مغربی پاکستان کے

رہنماؤں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کی واپسی کا انتظام کر دوں۔

آخری میٹنگ جو ڈھاکہ میں بھٹو اور مجیب کے درمیان ہوئی اس میں دونوں حضرات میرے ساتھ بیٹھے تھے لیکن دونوں نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ "شاہی دلہن" کی طرح نہ بیٹھیں بلکہ آپس میں بات چیت کریں۔ میں نے ان دونوں کے ہاتھ پکڑ کر آپس میں ملا کر ان سے کہا کہ دونوں درست ہیں اور ان کو بہر حال آپس میں گفتگو کرنا چاہئے۔ اس کے بعد مسٹر بھٹو اور مجیب نے آپس میں گفتگو کا آغاز کیا۔ انہوں نے مجھ سے علیحدہ بھی ایک ملاقات کی۔ یہ ملاقات یوں ہوئی کہ مجیب صاحب ایوان صدر ڈھاکہ میں میرے ہمراہ تھے کہ جناب بھٹو تشریف لائے اور انہوں نے میرے ملٹری سیکرٹری کے کمرے میں میرا انتظار شروع کر دیا۔ جب مجیب باہر نکلے تو بھٹو ان کے پیچھے چل پڑے اور دونوں نے ایوان صدر کے صحن (لان) میں ملاقات کی۔ بعد ازاں جب میں نے مسٹر بھٹو سے میٹنگ کے مندرجات کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجیب نے ان سے کہا تھا کہ "عوامی" لوگ بڑے خطرناک ہیں۔ وہ پہلے مجھے مجیب کو ختم کر دیں گے اور پھر مسٹر بھٹو تمہیں! اس لئے ضروری ہے کہ ان کے حملے سے قبل ہم حملہ کر دیں۔

مجیب الرحمٰن کی گرفتاری کے بعد میں کراچی واپس آگیا۔ مجھے یہاں آکر پتہ چلا کہ جنرل ٹکا خان نے مجیب کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لانے کے احکامات صادر کر دیئے ہیں۔ میں نے اس کے حکم کو مسترد کر کے مجیب کو صرف اور صرف زندہ حالت میں گرفتار کر کے مغربی پاکستان لانے کا حکم دیا۔ مسٹر بھٹو نے مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن اور مجیب کی گرفتاری کی حمایت کی تھی اور اس پر دلی طور پر خوش تھے۔

میرے پاس اپنا ذاتی صرف ایک مکان ہے جس میں میری رہائش ہے۔ 1965ء کی جنگ میں بہادری دکھانے پر مجھے ہلال جرات اور قصور کی طرف بھارتی سرحد پر دو مربع زمین انعام میں الاٹ کی گئی تھی لیکن بھٹو صاحب کے دور حکومت میں مزارعوں سے کہہ دیا گیا کہ وہ ان زمینوں کے مالک ہیں' اس لئے ان مزارعوں نے مجھے بٹائی کی معمولی رقم دینا بھی

بند کر دی ہے۔ مسٹر بھٹو نے میرے بیٹے علی یحیٰی کو "برما شیل" کی نوکری سے نکلوا دیا۔ میری پنشن بھی رکوا دی گئی جو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاالحق نے آکر حال کروادی ہے اور راولپنڈی کا یہ گھر میں نے بینک سے قرض لے کر تعمیر کیا تھا۔

میں نے دستیاب ملکی قانونی تقاضوں کے مطابق انتخابات منعقد کروائے اور پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ دو بڑی پارٹیاں بن کر ابھری تھیں۔ عوامی لیگ کی مغربی پاکستان میں کوئی نمائندگی نہیں تھی جبکہ پیپلز پارٹی کو مشرقی پاکستان میں کوئی نمائندگی نہیں تھی۔

مسٹر بھٹو نے اپنی شخصیت کو ابھارنے کیلئے میرے خلاف کردار کشی کی ایک معاندانہ مہم کا آغاز کر دیا۔ اس نے اپنے برے اعمال کو چھپانے کیلئے میرے خلاف سکینڈلز گھڑے اور ان کو عوام کے سامنے بیان کیا اور جب مجھے نظر بند کر دیا گیا تو بھٹو صاحب نے مجھ سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا۔ اس نے مجھے میرے ایک کزن کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ اگر میں ولی خان کے خلاف بیان دے دوں تو مجھے رہا کیا جا سکتا ہے۔ میں اس وقت ایبٹ آباد میں نظر بند تھا۔ میں نے اس پیش کش کو اس سختی کے ساتھ مسترد کر دیا جس سختی کے ساتھ اسے مسترد کیا جانا چاہئے تھا۔ مسٹر بھٹو نے اسمبلی کے ذریعہ کہلوا بھیجا کہ اس کا اپنا طریقہ کار ہے اور وہ مجھ سے نپٹ لے گا۔ یہ پیغام مجھے میرے بھائی آغا محمد علی کے ذریعے بھجوایا گیا۔

مشرقی پاکستان سے اس قسم کی اطلاعات موصول ہوئی تھیں کہ بھارت سے جنگ کا خطرہ ہے جس کے نتیجے میں بہت زیادہ نقصان ہو سکتا ہے۔ میں اس سے بچنا چاہتا تھا۔ میں نے ڈاکٹر ملک سے کہا کہ وہ گورنر ہوں گے اور وہ جنرل راؤ فرمان علی کو اپنا ملٹری مشیر مقرر کر سکتے ہیں۔ میں نے گورنر سے کہا کہ وہ جنگ بندی کو یقینی بنائے لیکن ہتھیار ڈالنے کا سوال زیر بحث نہیں آیا۔ میں نے ڈاکٹر ملک سے کہا کہ وہ موقع پر موجود ہیں اس لئے خود بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ بھارت سے رابطہ کریں اور جنگ بندی کو یقینی بنائیں۔ جنگ بندی اور ہتھیار ڈالنا بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ میں نے مشرقی پاکستان یہ پیغام نہیں بھیجا کہ امریکی بیڑا ان کی مدد کیلئے آرہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ تاثر بھی پھیل گیا تھا کہ چین مداخلت

کرنے والا ہے جو کہ غلط تھا۔

جنرل گل حسن چیف آف جنرل سٹاف تھے اور جنگ کے وقت کے تعین وغیرہ کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی۔ انہوں نے مسٹر بھٹو اور ایئر مارشل رحیم کے ساتھ مل کر ایک سازش تیار کی۔ میں چونکہ اس وقت صدر تھا اس لئے فوج کا آئینی سربراہ تو تھا لیکن براہ راست فوج کے امور کی نگرانی نہیں کر رہا تھا۔

میرے خیال میں مسٹر بھٹو کی اس (بے وقت) سازش کی وجہ سے جنگ کا منطقی نتیجہ پاکستان کے حق مین نہ نکل سکا۔ میں نے ایئر مارشل رحیم سے پوچھا کہ وہ گذشتہ پانچ ماہ سے جنگ کیلئے تیاری کر رہے ہیں تو اب وہ کیوں مغربی پاکستان کی طرف سے حملہ نہیں کر رہے۔ "فوج ہوائی چھتری کے بغیر نہیں لڑ سکتی"۔ ایئر مارشل رحیم نے مجھے بتایا کہ اس کے پاس طیارے نہیں ہیں جبکہ انجین اینڈ حسن کی کمی کا بھی سامنا ہے۔ مجھے بعد میں معتبر ذرائع سے پتہ چلا کہ بھٹو نے ایئر مارشل رحیم سے کہا تھا کہ پاکستان کو مغربی سیکٹر میں جنگ ہارنے دی جائے۔

میں جب ایرانی سلطنت کی 25 سودیں سالگرہ میں شرکت کیلئے ایران روانہ ہونے لگا تو مجھے بھٹو نے کہا کہ وہ مجیب کو پھانسی دینا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ اس سالگرہ میں دیگر سربراہان مملکت بھی موجود ہوں گے اور وہاں مجھ سے مجیب کے بارے میں پوچھا جائے گا تو ممکن ہے کہ کچھ اطراف سے اس کی رہائی کیلئے دباؤ بھی ڈالا جائے' اس لئے ضروری تھا کہ میں مجیب کو پھانسی دے کر ایران جاؤں' میں نے بھٹو کو صاف صاف بتا دیا کہ میں کسی صورت میں قانون کو ہاتھ میں لینے کو تیار نہیں ہوں بلکہ میں مجیب الرحمٰن کو ایک آزادانہ اور دیانتدارانہ عدالتی کاروائی کے ذریعے سزا دلواؤں گا۔ ایک دو اور مواقع پر مسٹر بھٹو نے مجھے یہ بھی مشورہ دیا کہ میں مجیب کی پھانسی کا حکم کسی فوجی عدالت سے لے لوں تاکہ اس قضیئے سے بعد میں جان چھڑائی جا سکے۔ لیکن میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

دراصل جب مجیب نے بھٹو صاحب سے کہا کہ ان کیلئے حکومت میں کوئی جگہ

نہیں تو بھٹو صاحب مجیب سے کہا کہ اچھا تو پھر تم یہاں رہو ہم وہاں رہیں گے۔ دراصل بھٹو صاحب کے دماغ میں بہت شروع سے پاکستان کے دونوں بازوؤں کی علیحدگی کا منصوبہ پل رہا تھا۔

یہ بھی میرے علم میں تھا کہ مسٹر بھٹو فوج کے افسران سے ملتے رہتے ہیں۔ میں نے بھٹو صاحب کو بہت مرتبہ سختی سے منع کیا کہ ان کو فوجی افسران سے کسی صورت میں بھی ملنا نہیں چاہیئے۔ بھٹو کا کہنا تھا کہ ان کا ملٹری آفیسر سے ملنا بغیر کسی مقصد کے ہے کیونکہ وہ اس کے پرانے دوست ہیں اور ان کا ملنا معمول کی گپ شپ کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ مجھے دفتر خارجہ کی طرف سے بھی شکایت ملی کہ مسٹر بھٹو اکثر دفتر خارجہ کے معاملات میں ٹانگ اڑاتے رہتے ہیں اور ایسے میں ان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ خارجہ امور کے ماہر ہیں۔ میں نے دفتر خارجہ کو بھی سختی سے منع کر دیا کہ وہ کسی بھی ضمن میں بھٹو کی ہدایت کو قطعی طور پر قبول نہ کریں۔ میں نے جناب بھٹو کو بھی خبردار کیا کہ وہ اس ضمن میں محتاط رہیں اور دفتر خارجہ کے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ ان رپورٹوں کی تصدیق اس وقت کے سیکرٹری خارجہ جناب سلطان احمد سے کی جا سکتی ہے۔ اس وقت آغا شاہی سیکرٹری خارجہ بننا چاہتے تھے۔ مجھے علوی صاحب نے بتایا کہ مسٹر بھٹو کی خواہش ہے کہ خارجہ معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت دی جائے اور ان سے مشورہ کیا جائے۔ میں نے دفتر خارجہ کو مطلع کیا کہ ملک کا سربراہ ہونے کا ناتے میرا یہ حق ہے کہ مجھے خارجہ امور' سے آگاہ کیا جائے اور بھٹو صاحب کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے لیکن اس کے باوجود مسٹر بھٹو کی خارجہ امور میں مداخلت اور فوج کے اعلیٰ افسران سے ملاقاتیں جاری رہیں۔

جہاں تک مجیب خان کے چھ نکات کا تعلق ہے تو دوسرے بنگالی رہنماؤں ڈاکٹر کمال الدین' تاج الدین خوندکر مشتاق احمد کو مجیب خان سے اتفاق نہیں تھا اور اس ضمن میں وہ اکثر و بیشتر خصوصاً مجیب کی گرفتاری کے دوران مجھے ملنے آیا کرتے تھے۔ عوامی لیگ کے اندر بھی ان چھ نکات پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس پر عوامی لیگ بھی مجیب کے سخت خلاف ہو گئی

تھی۔ جب مسٹر بھٹو نے لندن پلان کا شوشہ چھوڑا اور کثرت سے اپنے عوامی جلسوں میں اس شوشے کا استعمال شروع کیا جو کہ ایک آگ تھی تو اس سے عوامی لیگ میں بھٹو کے خلاف بھی سخت ردِ عمل پیدا ہوا جبکہ دوسری طرف ایک دفعہ خوندکر مشتاق احمد نے مجھے بتایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ یہ چھ نکات صرف عوام اور سیاسی سٹنٹ کیلئے ہیں۔ جہاں تک مغربی پاکستان کا تعلق ہے ہمارے درمیان مکالمہ ہو گا اور عوامی لیگ ان چھ نکات پر زیادہ زور نہیں دے گی۔ جب میں نے یہ بات بھٹو کو بتائی تو اس نے کہا کہ بنگالی جھوٹے لوگ ہیں ان پر یقین نہیں کیا جا سکتا حالانکہ یہ بات بعد ازاں بغیر کسی شک وشبے کے پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اگر مسٹر بھٹو مشرقی پاکستان میں اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کیلئے چلے جاتے تو بنگالی حکومت کے ساتھ یقیناً متفق ہو جاتے۔ بنگالی وفاق یا کنفیڈریشن پر متفق ہو جاتے اور پاکستان کی تقسیم عمل میں نہ آتی۔ مسٹر بھٹو کا نقطہ نظر تمام کا تمام بدنیتی پر مبنی تھا۔ وہ ہمیشہ سیاست میں سب سے جلد اور بلند مقام حاصل کرنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی ان سے آگے نہ گذرنے پائے۔

میں نے مسٹر بھٹو کے سامنے تین تجاویز رکھی تھیں۔ اولاً وہ حزبِ اختلاف کے طور پر ایوان میں بیٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہ مجیب کے ساتھ مذاکرات کریں اور اگر مجیب اس پر راضی ہو تو وہ حکومت میں شامل ہو سکتے ہیں اور اگر مغربی پاکستان کے تمام رہنماؤں کی حمایت کریں تو پھر مجیب کو کسی نتیجے پر لایا جا سکے گا لیکن مسٹر بھٹو نے ان میں سے کسی تجویز کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ جب میں نے مجیب کو بلایا اور وہ نہ آئے تو مسٹر بھٹو نے مجیب کی اس حرکت کو مجھے مشتعل کرنے کیلئے استعمال کیا کہ مجیب نے مجھ سے ملنے سے انکار کر کے میری یعنی صدر کی توہین کی ہے۔ میں مسٹر بھٹو سے کہا کہ وہ (مجیب) ایک لیڈر ہے کوئی عام آدمی نہیں کہ جسے پولیس کے ذریعہ سے ملنے پر مجبور کیا جا سکے۔

مجیب کا عمل بھی نا قابلِ برداشت تھا بینک اور ڈاک خانے اس کے کہنے کے مطابق کام کر رہے تھے۔ لوگوں کو مجیب کی مرضی کے خلاف کوئی چیز بیچنے کی اجازت نہیں تھی اور جو

لوگ سپلائیز لے کر فوج کی بیرکوں میں جاتے تھے ان کو کوئی چیز مہیا نہیں کی جاتی تھی۔ میں نے مجیب کو خبردار کیا کہ وہ اس طرح کے کسی عمل میں ملوث نہ ہو جو ملک کے اقتدار اعلیٰ کے خلاف ہو۔ میں نے مجیب کو یہ بھی بتایا کہ یہ فوج قومی فوج ہے کوئی غیر ملکی فوج نہیں۔

میرے خیال میں مسٹر بھٹو اصل سازشی تھے جنہوں نے جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم کے ساتھ مل کر حکومت حاصل کرنے کیلئے سازش کی تھی اور وہ اس سلسلے میں اس حد تک چلے گئے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے کہا "جنرل حکومت میرے حوالے کر دو"۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ حکومت اس کے حوالے کر دی جائے۔ حکومت مودودیؒ یا بھاشانی مرحوم کو کیوں نہ دے دی جائے لیکن اس کے بدستور اصرار پر میں نے کہا کہ مجیب نے اکثریت حاصل کی ہے اصولی طور پر تو حکومت ان کو دی جانی چاہیئے۔ بھٹو صاحب نے ڈھاکہ جانے سے انکار کر دیا اور بدستور یہی کہتے رہے کہ کسی بھی طریقہ سے ہو حکومت ان کو ملنی چاہیئے۔

مسٹر بھٹو نے عوام میں اکثر یہ تقریریں کیں اور بار بار کہا کہ بھارت کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ نہیں اور آپ اندرا گاندھی کو بھول جائیں۔ وہ ملک و قوم کے ساتھ مخلص نہیں تھے اور اپنے رویے سے ملک دشمنوں کو یہ موقع فراہم کر رہے تھے کہ وہ ملکی سلامتی اور مفادات کو تباہ و برباد کر دیں۔ وہ ایوب خان کے دور سے ہی فوج کے سخت خلاف تھے اور اکثر نجی محفلوں میں فوج کے خلاف باتیں کر کے اسے کسی بھی طریقے سے کمزور کرنے کی باتیں کیا کرتے تھے۔

مشرقی پاکستان سے اس طرح کی خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹیں آ رہی تھیں حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں اور بھارت کسی بھی لمحے حملہ کر سکتا ہے۔ بھارت نے اپنی سرحدوں کے اندر مختلف جگہوں پر 45 کیمپ قائم کر دیئے تھے جہاں "مکتی باہنی" کے لوگوں کو ماہر بھارتی فوجی آفیسر تربیت دے رہے تھے۔ بھارت کھلے عام پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا تھا جو کہ بین الاقوامی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ میں نے بھارت کو

خبردار کیا کہ وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے اور میں نے اس ضمن میں اقوام
متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بھی خطوط لکھے جس میں اس بات پر روشنی ڈالی کہ بھارت کس طرح تمام
بین الاقوامی اور علاقائی سلامتی کے اصولوں کو نظر انداز کر کے کھلے عام پاکستان کے اندرونی
معاملات میں مداخلت کر رہا ہے اور اس ضمن میں دو اعلیٰ سفارتی عہدیدار بھی اقوام متحدہ کی طرف
سے بھیجے گئے تاکہ وہ صورتحال' اور ہماری طرف سے لگائے گئے الزامات کا جائزہ لیں اور اس تمام
صورتحال پر رپورٹ پیش کریں شہزادہ صدرالدین آغا اقوام متحدہ کے چیئرمین بننا چاہتے تھے اس
لئے وہ اس ضمن میں پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کیلئے پاکستان تشریف لائے۔ میں نے ان
سے حمایت کرنے کے وعدہ کے ساتھ ساتھ ان کو اس وقت بھارت میں مقیم مشرقی پاکستان کے نام
نہاد مہاجرین کے متعلق اصل صورتحال سے آگاہ کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ لاکھوں اور کروڑوں
بھارتی کسی چھت اور سہارے کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں ان کو بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے
سامنے پاکستانی مہاجرین کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے تاکہ پاکستان کو بدنام کیا جا سکے۔ انہیں بھی
ایسے لوگوں کو بذات خود کلکتہ میں دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ بھارت اس مسئلے پر یہ تمام شوروغوغا اس لئے
کر رہا تھا کہ بنگالی مہاجرین کے نام پر بین الاقوامی امداد حاصل کی جا سکے۔

نہ صرف اس وقت روسی سفیر بلکہ امریکی سفیر بھی مجیب سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔
ہمارے روس کے ساتھ اختلافات اصولوں پر مبنی تھے۔ میں روس سے کہا تھا کہ مشروط امداد کسی بھی
دینے والے کے منہ پر ماردی جائے گی۔ مجھے رباط کانفرنس میں شرکت کے لئے جانا تھا۔ شاہ
ایران کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ میں پہلے ان کے ہاں تہران آ جاؤں تاکہ ہم اکٹھے شرکت
کیلئے رباط کرنفرنس میں جا سکیں۔ میں تہران پہنچا اور ہم اکٹھے رباط کانفرنس میں شرکت
کیلئے روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت معمول کی ملاقاتوں کا آغاز ہوا۔ شاہ فیصل مجھ سے
ملنے تشریف لائے اور انہوں نے کہا کہ بھارت کے اندر بھی بہت سے مسلمان ہیں جن
کے بہت سے مسائل ہیں تو ایسے میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم بھارتی مندوب گورچن

سنگھ کو بھی کانفرنس میں شرکت کی اجازت دے دیں۔ میں نے شاہ فیصل کو بتایا کہ پاکستان
دراصل دو قومی نظریہ کی بناء پر قائم کیا گیا تھا۔ اگر گورچن سنگھ کی طرح کسی شخص کو کانفرنس
میں ہی بٹھانا ہوتا تو پھر پاکستان قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے ان کو سیدھے سبھاؤ بتا
دیا کہ اگر گورچن سنگھ کانفرنس میں شرکت کریں گے تو میں کانفرنس میں شرکت کرنے سے
معذور ہوں گا۔ اگلے دن جب تمام نمائندے ہال میں داخل ہوئے تو میزبان شاہ حسن نے
ہال کے اندر یہ اعلان کر دیا کہ گورچن سنگھ کو پاکستان کی مرضی سے بلایا گیا ہے۔ میں یہ اعلان
سن کر حیران رہ گیا۔ جیسے ہی گورچن سنگھ ہال میں داخل ہوا میں نے ہال سے واک آؤٹ کیا
اور اپنے ہوٹل روانہ ہو گیا جہاں میرا قیام تھا۔ اب شاہ فیصل' مراکش کے شاہ حسن اور شاہ
ایران میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں پھر تخلیق پاکستان کا نظریہ سمجھایا۔ شاہ فیصل بھی
واپس چلے گئے اور کہا کہ وہ کانفرنس میں شرکت نہیں کریں گے۔ دوسری دفعہ جب کانفرنس
کا آغاز ہونے کو تھا اور شاہ حسن میزبان' اردن کے شاہ حسین' شاہ ایران اور شاہ فیصل واپس نہ
آئے تو گورچن سے کہہ دیا گیا کہ وہ ہال سے باہر تشریف لے جائیں۔ تب میں نے کانفرنس
میں شرکت کی۔ میرے لئے یہ بات کسی صدمے سے کم نہ تھی کہ لاہور میں اسلامی سربراہی
کانفرنس کے وقت جب رباط کانفرنس کی تصاویر دکھائی گئیں تو ان میں پاکستان کا حصہ خصوصاً
جس میں میرا عکس اور پاکستان کا پرچم تھا نہ دکھایا گیا۔

جب میں نے اسمبلی کا سیشن ملتوی کیا تو مجیب نے مجھے ایسا نہ کرنے کو کہا اور کہا کہ
اگر ایسا کیا جانا ضروری ہے تو پھر نئے اجلاس کی تاریخ ضرور مقرر کر دی جائے میں نے کہا کہ
اگرچہ تاریخ مقرر کر چکا ہوں لیکن مشرقی پاکستان میں صورتحال مزید خراب ہو چکی ہے۔
میں نے مسٹر بھٹو سے کہا کہ چونکہ وہ لیگل فریم ورک (موجودہ آئینی طریقہ کار) قبول کر
چکے ہیں اس لئے انہیں اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے اور
اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنا چاہئے لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

مسٹر بھٹو نے ہمیشہ الشمس اور البدر کی پاکستان بچانے کی تحاریک کی مخالفت کی

کیونکہ ان کے خیال میں اگر یہ تحاریک قوت حاصل کر لیتیں تو جناب بھٹو کے اقتدار میں آنے کے امکانات ختم ہو جاتے۔ تحاریک میں شامل لوگ انتہائی محب وطن تھے جو مسٹر بھٹو کو کسی طور بھی گوارا نہیں تھے۔ ..

مسٹر بھٹو نے جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم کو بھی برخواست کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دونوں حضرات اس کے ساتھ سازش میں شریک تھے اور بھٹو کی ذات سے مکمل آگاہی کی بناء پر وہ بھٹو کے لئے نقصان کا موجب بن سکتے تھے۔ گل حسن کا خیال تھا کہ گڑبڑ کی صورت میں فوج استعمال نہ کی جائے اور جب مسٹر بھٹو نے فوج بھیجی تو انہوں نے مخالفت کی۔ مسٹر بھٹو نے لاہور سے کھر کو بلایا اور جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم ان کے ساتھ لاہور بھیج دیا جہاں سے ان دونوں حضرات کو مختلف ممالک میں سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا۔

بھٹو کے تمام دور حکومت کے دوران میری نظر بندی بدنیتی پر مبنی تھی۔ مسٹر بھٹو نے مجھے اس لئے بند کر دیا تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ عوام کو اصل حقائق سے آگاہی ہو۔ مجھے میری مرضی کے خلاف نظر بند کر کے کھاریاں کے نزدیک "سنی" کے مقام پر بھیج دیا گیا جہاں مچھر، مکھیاں، چوہے اور گیدڑ میرے ساتھی تھے، میرے رشتہ داروں سمیت کسی کو مجھ سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ میرے خلاف کردار کشی کی ایک مہم چلائی گئی اور انہوں نے ذاتی طور پر میرے کردار پر رکیک حملے کئے۔ میری پنشن روک دی گئی اور میرے مزارعوں سے کہا گیا کہ وہ فصل میں میری بٹائی کا حصہ ادا نہ کریں۔ میرے بیٹے کو بھی بھٹو صاحب کے کہنے پر نوکری سے برخواست کر دیا گیا۔ اس طرح بھٹو نے میرا اور میرے خاندان کا اقتصادی طور پر گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔

اپنے دور حکومت کے دوران مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے بدنیتی کی بناء پر جان بوجھ کر میری کردار کشی کی مہم چلائی۔ اس سلسلے میں اس نے تمام اخلاقی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اپنے بدلہ لینے کی نفسانی خواہش کی تکمیل کیلئے تمام ضروری وسائل جھونک دیئے۔

مجھے غیر قانونی طور پر قید کر دیا گیا اور میرے قید کے دوران مجھے سانپ اور اس نوع کی خطرناک چیزوں سے مسلسل ہراساں رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی جیسا کہ "سنی" کی میری غیر قانونی حراست کے دوارن ہر وقت میرے سامنے سانپ رینگتے رکھنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ شدید تڑپا دینے والی گرمی جس سے مجھے ذہنی اور جذباتی لحاظ سے شدید کرب سے گزرنا پڑا لیکن اس دوران ایک ہلکی سی خواہش یہ بھی رہی کہ کاش کوئی نرمی یا تمیز سے ہی بات کر لے۔ مسٹر بھٹو کا غصہ اور انتقام روپ بدل بدل کر ظاہر ہوتا رہا۔ مثلاً میرے بھائی آغا محمد علی جو سپیشل پولیس میں آئی جی تھے ان کے خلاف بھی مختلف بے بنیاد جھوٹے مقدمات قائم کر کے ان کو پریشان کرنے کا مستقل انتظام کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ریڈیو، ٹی وی، پریس ٹرسٹ آف پاکستان کے زیر تحت چلنے والے اخبارات حتیٰ کہ بعض نام نہاد آزاد اخبارات میں بھی میرے خلاف کردار کشی کی باقاعدہ شرمناک مہم چلائی گئی جس کا واحد مقصد مجھے دنیا کا انتہائی غلیظ اور غلط آدمی ثابت کرنا تھا۔

میں نے قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے مقبرے کی افتتاحی تقریب کی صدارت کی تھی۔ اس طرح لیاقت باغ اور انڈس ہائی وے اور دیگر منصوبوں کا افتتاح بھی وقتاً فوقتاً میرے ہاتھ سے عمل میں آتا رہا لیکن مجھے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ جن جگہوں پر میرے نام کی تختیاں لگی ہوئی تھیں مسٹر بھٹو نے انتقام کی آگ میں اندھا ہو کر انہیں بھی ہٹوا دیا۔ اسی طرح انڈس ہائی وے پر لگی ہوئی میرے نام کی تختی کو بھی منصوبہ بندی کے تحت ایک ٹرک کے ذریعے ٹکر مار کر توڑ دیا گیا تا کہ اس ایک حادثہ قرار دیا جا سکے۔ اگرچہ یہ کوئی بڑے واقعے نہیں ہیں لیکن بادی النظر میں مسٹر بھٹو کی بیمار ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

کراچی سٹیل ملز کا لگایا جانا میرے دور کی اہم کامیابیوں (Achievemnets) میں سے ایک ہے جس کے لئے میں نے بڑی تگ و دو کی اور روسی حکام کو اس بات پر قائل کیا کہ وہ 300 ملین روبل کا قرضہ پاکستان کو دیں تا کہ پاکستان سٹیل ملز لگا سکے۔ یہاں میں اس امر کا تذکرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ پاکستان کے سابق حکمران سٹیل مل کی تنصیب کیلئے

یورپی ممالک 'امریکہ' جرمنی' برطانیہ وغیرہ کو کہتے رہے لیکن ان ملکوں نے اس ضمن میں پاکستان کی کوئی مدد کر کے نہیں دی۔

مجیب اس بات کا اظہار ایک سے زائد بار کر چکا تھا کہ چھ نکات کوئی آخری چیز نہیں ہیں۔ ان پر بات چیت ہو سکتی ہے اور ان کی نیت میں تبدیلی بھی ممکن ہے۔ میں نے اس امر کے بارے مین باقاعدہ سوچ لیا تھا کہ اپنے جس نکتے پر مجیب زور دے گا میں اس نکتے کیلئے ریفرنڈم کرادوں گا اور اگر میں واقعی ایسا کر دیتا تو مجیب کا سیاسی کیریئر تباہ ہو کر ختم ہو جاتا۔

میں عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے میں بہت مخلص تھا اور اس کے لئے میں نے تمام مصیبتوں' مشکلات اور خراب حالات کے باوجود انتخابات منعقد کرائے۔ میں نے مجیب کے ساتھ ڈھاکہ میں ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد میرے علم میں آیا کہ مجیب کے ذہن میں چند غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جب ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کیلئے میں نے مجیب سے ملنا چاہا اور اسے بلایا تو میرا کہا نہیں مانا گیا۔ اس کی پارٹی کے ساتھیوں نے اسے نہ آنے دیا۔ بھٹو دو چیزیں چاہتا تھا پہلی یہ کہ سقوط ڈھاکہ جلد از جلد ہو جائے جس کے لئے وہ لمبے عرصے سے سازشیں کر رہا تھا اور دوسری بات یہ کہ بھارت پاکستان پر حملہ آور ہو جائے جس کیلئے وہ جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم کے ساتھ مل کر باقاعدہ منصوبہ بندی اور سازش کرتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ فوج کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے تا کہ اس کی اقتدار کی منتقلی عمل میں آ سکے۔ میں نے مجیب کی گرفتاری کے عرصے میں اس سے کوئی ملاقات نہیں کی۔ میں اس کیلئے ایک غیر جانبدار اور شفاف عدالتی عمل چاہتا تھا۔ میں نے مجیب کو پیشکش بھجوائی کہ وہ اپنی مرضی کا وکیل چن لے جس پر اس نے جناب اے۔ کے بروہی کا انتخاب کیا۔ میں نے فیصل آباد میں مجیب سے ملاقات کیلئے کسی سیاسی راہنما کو نہیں بھیجا تھا۔ میں نے مسٹر بھٹو کو اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کیلئے وفد کا سربراہ بنا کر اس لئے بھیجا تھا کیونکہ اس نے مجھے دعوے کے ساتھ بتایا تھا کہ وہ ہندو سے نمٹنا جانتا ہے۔ لیکن مسٹر بھٹو نے نیویارک پہنچنے میں خاصا وقت لگایا۔ ایسا کرنے میں اس کی مخفی خواہش اور بدنیتی اس کے سوا

کچھ نہ تھی کہ سقوط مشرقی پاکستان کا عمل مکمل ہو جائے حتیٰ کہ اس نے نیویارک پہنچ کر بھی اقوام متحدہ کے سیشن میں دو دن تک شرکت نہ کی اور میری ہدایت کے بالکل برعکس پولینڈ کی طرف سے پیش کردہ جنگ بندی کی قرارداد ایوان میں پھاڑ ڈالی' حتیٰ کہ واپسی پر جب کہ مشرقی پاکستان کا سقوط عمل میں آ چکا تھا' وہ جان بوجھ کر مختلف جگہوں پر قیام کرتا ہوا تاخیر سے کراچی پہنچا۔

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں بقیہ پاکستان (مغربی پاکستان) میں اکثریت پارٹی کو اقتدار منتقل کر دوں کیونکہ حیات محمد خان شیر نے پشاور میں واقع میرا گھر نذر آتش کر دیا تھا تا کہ مغربی پاکستان میں بے چینی پیدا کی جا سکے اور مجھ پر مسٹر بھٹو کو اقتدار کی منتقلی کیلئے دباؤ بڑھایا جا سکے' جس نے کہ اس کے 10 یا 12 روز بعد مجھے گرفتار کر کے بنی بھیج دیا۔ میں نے کسی اور جماعت کو اقتدار منتقل نہیں کیا کیونکہ ان مین سے کوئی اکثریتی جماعت نہیں تھی۔ جہاں تک سقوط ڈھاکہ کا تعلق ہے تو اس کی ذمہ داری مجیب اور بھٹو دونوں پر عائد ہوتی ہے لیکن بھٹو زیادہ ذمہ دار تھا۔

جب الیکشن ہو گئے تو میں مسٹر بھٹو سے کہا کہ وہ اپوزیشن میں بیٹھ جائیں کیونکہ وہ اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ وہ مغربی پاکستان کے دوسرے راہنماؤں کی حمایت حاصل کر کے اکثریتی پارٹی بن سکتا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ ان کو گندے انڈوں کے نام سے یاد کیا کرتا تھا۔ مسٹر بھٹو کے سخت اور غیر لچک دارانہ رویہ کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی عمل میں آئی۔ جب مشرقی پاکستان میں عام بغاوت ہو گئی تو میں نے گفت و شنید (مذاکرات) کا انتظام کیا اور ایک آخری اور ناگزیر حربے کے طور پر فوجی ایکشن کا حکم جاری کیا۔ اگر مشرقی پاکستان میں لوگ مارے گئے تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ڈالی جا سکتی۔ میرے اوپر بدعنوانی کے الزامات میں بھی ذرہ برابر صداقت نہ تھی کیونکہ میں نے اپنی پنشن کے بقایا جات کی وصولی کر کے ان قرضوں کے بقیہ جات ادا کئے جو کہ میں نے مختلف بنکوں سے لے رکھے تھے۔ میرے خلاف اقرباء پروری کا الزام بھی بے بنیاد ہے۔

میرے اوپر یہ الزام ہے کہ ملک کے صدر کی حیثیت سے عہدے کا ناجائز استعمال

کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو پاکستان ہر ماشیل میں اعلیٰ عہدے پر فائز کرلیا۔ حالانکہ وہ میرے سپہ سالار اعظم (سی۔ این۔ اے) بننے سے بھی قبل اس ادارے میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہو چکا تھا۔ مجھ پر یہ الزام بھی درست نہیں کہ میں نے جمہوریت کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی کیونکہ میں نے ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ صاف اور شفاف انتخابات کرائے جن کو اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی سراہا گیا۔ خارجہ پالیسی میں میں نے امریکہ اور دوست ممالک چین کے درمیان پل کی حیثیت سے کام کیا اور دونوں بڑی طاقتوں کو قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ امریکہ کے اس وقت کے سیکرٹری خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر میری کوششوں کی وجہ سے ہی پیکنگ سدھارے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو خطوط لکھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

وائٹ ہاؤس

واشنگٹن

اگست 7، 1971ء

ڈیئر جناب صدر!

میں سرکاری حیثیت میں آپ کی ان کوششوں کی پہلے ہی تعریف کر چکا ہوں جو آپ نے عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ ہمارے روابط حال کرانے کیلئے سرانجام دی ہیں۔

میں اس ذاتی خط کے ذریعے آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی ذاتی کوششوں اور تعاون کے بغیر امریکہ اور چین میں تعلقات کی حالی کا تاریخی معرکہ سر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میری خواہش ہے کہ آپ میری طرف سے اپنے سفیر متعین امریکہ اور اپنے دفتر خارجہ کے عملے کو اس نازک کام کو انتہائی احتیاط کے ساتھ کرنے پر شکریہ ادا کریں، جن کے تعاون سے یہ کام ممکن ہوا۔

وہ لوگ جو کل کی نسل کیلئے پُرامن دنیا چاہتے ہیں وہ ہمیشہ آپ کے ممنون احسان رہیں گے۔ ڈاکٹر کسنجر بھی آپ کے تاریخی کردار کو سراہنے میں میرے ساتھ برابر کے شریک ہیں جو آپ نے اس بہت مشکل وقفے میں سرانجام دیا۔

آپ کا مخلص

"نکسن"

وائٹ ہاؤس

واشنگٹن

اگست 26، 1971ء

ڈیئر جناب صدر!

آپ کا شکریہ ادا کرنے کی بہت سی وجوہ ہیں اس لئے مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ میں کہاں سے آغاز کروں۔

سب سے پہلے تو میں آپ کا اس بنا پر شکر گزار ہوں کہ آپ نے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان تعلقات کے ضمن میں جمی برف کو توڑنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے حوصلہ مند اقدام کی وجہ سے ہی میرا سابقہ اور صدر امریکہ کا آئندہ دورہ چین ممکن ہوا۔ آپ نے ہماری بہترین تواضع کی۔ جناب صدر! آپ کے یہاں متعین نمائندے جناب ہلالی' کا کردار بھی بہت مفید رہا کیونکہ انہوں نے اس سارے عمل میں اپنا شاندار سفارتی کیریئر اور تجربے کا بھی استعمال کیا۔

جس شاندار مہارت' طریقے اور ہم آہنگی سے آپ کے سفارت کاروں نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا وہ میرے انتہائی شکریے کا مستحق ہے' مجھے امید ہے کہ آپ میری دلی تحسین ان تمام لوگوں کو پہنچا دیں گے خصوصاً آپ کے قریبی مشیر' فوج کے افسران جنہوں نے ہمارے مشن کو خفیہ رکھنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ میں اور میرے رفقائے کار اس گرمجوشی اور احتیاط کو ہمیشہ یاد رکھیں گے جس کا مستحق ہمیں گردانا گیا خصوصاً اس وقت جبکہ ہم دنیا کی بلند ترین چوٹی عبور کر رہے تھے۔

جناب صدر! اصل شکریے کے مستحق آپ ہیں جنہوں نے اس اہم کام کی بذات خود نگرانی کی۔ میں آپ کی جولائی 8 کی گفتگو کو کبھی نہیں بھول سکتا جب آپ نے اپنے ملک کو درپیش انتہائی اہم مسائل کی پروانہ کرتے ہوئے ہمارے دورہ پیکنگ کی براہ راست نگرانی پر اصرار کیا تھا۔ مزید برآں ہم روایتی پاکستانی مہمان نوازی اور باہمی گفتگو سے جو میں نے اپنے

دورہ پاکستان کے دوران آپ جناب سے کی' خصوصی طور پر لطف اندوز ہوئے۔

آپ اور آپ کے رفقائے کار کی کوششوں نے بلا شبہ میرے ذاتی تجربات' ریاستہائے متحدہ امریکہ کی خارجہ پالیسی اور بلا شبہ امن عالم کیلئے بے پناہ اور شاندار خدمات انجام دیں جن کو کبھی بھلایا نہیں جا سکے گا۔

پُر جوش جذبات کے ساتھ

مخلص

ہنری۔اے۔ کسنجر

محترم المقام

جنرل آغا محمد یحیٰی خان

صدر پاکستان

راولپنڈی

جہاں تک جنگی قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ تھا تو مسٹر بھٹو اقتدار میں آکر بہت جلد ان کو واپس لا سکتا تھا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مجیب کو رہا کر کے تمام قسم کی سودے بازی کی صلاحیت کھو دی تھی اور بعد میں بھٹو کو یہ کہنا پڑا کہ "افسوس بلبل اڑ گئی"۔ یہ اس کی عادت تھی کہ وہ غیر یقینی اور بے چینی کی فضا پیدا کرتا اور پھر اس کو اپنے حق میں استعمال کرتا۔ بھٹو نے مجھے ایک ایسے حکم نامے پر دستخط کرنے کی ترغیب دی تھی جس پر تاریخ درج نہ تھی اور جس کے نتیجے میں مجیب کو کسی وقت بھی قتل کیا جا سکتا تھا لیکن میں نے اس کی مخالفت کی اور انکار کر دیا۔

میں نے ملک کے دونوں بازوؤں کے راہنماؤں کی کھلی مرضی کے مطابق "ون یونٹ" توڑا۔ بنگالی جانتے تھے کہ اس طرح ان کو ایک آدمی ایک ووٹ کا حق حاصل ہے جبکہ مغربی پاکستان کے راہنما بھی اس کو بہت سی بیماریوں کی جڑ قرار دیتے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ

ایسی منفی شیطانی قوت ہے کہ وہ ویسے ہی حالات مغربی پاکستان میں بھی پیدا کر
ہو کے اندر مشرقی پاکستان میں تھے۔ میں نے روس کو کبھی بھی کوئی کھلا خط نہیں لکھا جبکہ
سکتا تھا جیسے کہ روس کو میرے طرف سے ایک خط موصول ہوا جو انہوں نے شائع
حقیقت یہ ہے نے بھی اس خط کا جواب روس کو روانہ کر دیا۔ بھٹو نے واضح طور پر یہ کہہ دیا تھا اور
کر دیا۔ میں اصرار بھی کرتا رہا کہ وہ کسی ایسی کانفرنس میں نہیں بیٹھے گا جس مین مجیب یا
بعد میں اس پر یہ شریک ہوں گے۔ بھٹو ہمیشہ نجی محفلوں میں جنرلوں سے ملنے کی تاک میں رہتا تھا۔
اصغر خان وہ اس چیز کا ماہر تھا کہ مختلف لوگوں سے ملتا رہتا' حالات میں ڈرامائی رنگ پیدا کرتا اور ان کو
مختلف قسم کے غلط تاثرات دینے کی کوشش کرتا۔ وہ یہ بھی تاثر دینے کی کوشش کرتا کہ اس
کو پاکستان سے بھی زیادہ ایران' چین اور روس کی حمایت حاصل ہے' یہ بہت ممکن ہے کہ وہ
واقعی کسی غیر ملکی قوت کے اشارے پر یہ سب کچھ اس کے ایجنٹ کے طور پر کر رہا ہو۔ اس
کے برعکس میں نے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مطمئن کرنے کی کوشش کی اور
اس ضمن میں ان کو انتظامیہ اور فوج میں زیادہ سے زیادہ نمائندگی دی۔

یہ باتیں میرے علم میں تھیں کہ مسٹر بھٹو بڑی حاسدانہ طبیعت کے مالک ہیں۔ یہ بات ریکارڈ پر رہنی چاہئے کہ 1970ء کے انتخابات میں مسٹر بھٹو اور مسٹر جی۔ ایم۔ سید کا لسانی بنیادوں پر اشتراک کار ہوا تھا۔ وہ لوگ اردو کے ساتھ ساتھ سندھی کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دلانا چاہتے تھے۔ پنجاب سے جناب ممتاز دولتانہ' صوبہ سرحد سے جناب ماسٹر گل حسن اور سندھ سے جناب ذوالفقار علی بھٹو' وہ لیڈر تھے جنہوں نے میرے اوپر ون یونٹ توڑنے کی لئے دباؤ ڈالا۔ ان کے اس دباؤ اور مطالبے میں تمام کی تمام سیاسی جماعتیں بھی شریک تھیں۔ میں چونکہ غیر جانبدار اور شفاف الیکشن منعقد کروانا چاہتا تھا اور ون یونٹ کا شوشہ انتخابی ایشو کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا اس لئے میں نے ون یونٹ کی تحلیل کو قبول کر لیا۔ میرے سامنے ون یونٹ کے ایشو کے حوالے سے لوٹ مار' خونریزی اور تباہی و بربادی کا خدشہ سر اٹھائے کھڑا تھا۔ چنانچہ میں سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں کی اس تجویز سے متفق ہو گیا۔

اگر مجیب کی اس تقریر کا جائزہ لیا جائے جو انہوں نے 12 مارچ 1971ء کو کی تھی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان متحد رہ سکتا ہے' تو یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مجیب ایک محب وطن اور دیانت دار آدمی تھا اور وہ اپنی حب الوطنی کی روش کو کبھی ترک نہ کرتا اگر مسٹر بھٹو ڈھاکہ میں اسمبلی کے اجلاس میں جانے کیلئے راضی ہو جاتے۔ مجھے اس بات کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں کہ ملک بچایا جا سکتا تھا۔ پاکستان کے دوسرے راہنماؤں نے بھی مسٹر بھٹو کو اس کے نقطہ نظر میں نرمی پیدا کرنے کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کسی طور پر مان کر نہیں دیئے جبکہ اس کی وجہ سے جنرل گل حسن' ایئر مارشل رحیم اور مسٹر بھٹو کے درمیان طے پانے والی سازش تھی جس سے میں قبل از وقت آگاہ نہ ہو سکا اور اس کا بعد میں مجھے علم ہوا۔

اگر مجیب اپنے رویئے پر پشیمانی کا اظہار کرتا' معذرت کرتا اور ملک سے اپنی محبت کا اعادہ کرتا تو میں اسے رہا کر سکتا تھا۔ میں اسے کسی یقین دہانی کے بغیر رہا کرنے کو تیار تھا اور میری طرف سے شائع "قرطاس ابیض" کسی کے کہنے پر شائع نہیں کیا گیا تھا۔

1971ء میں میرے ایک استفسار پر ایئر مارشل رحیم نے بتایا کہ ہمارے جہازوں کے فاضل آلات بہت کم تھے اور ہماری فضائیہ کسی طور بھی جنگ کے دوران ہماری بری افواج کو صحیح اور موثر معاونت فراہم نہیں کر سکتی تھی۔ بعد ازاں یہ بات طشت ازبام ہوئی کہ موصوف بھی مسٹر بھٹو سے ملے ہوئے تھے۔ دراصل پاکستان کی مسلح افواج مسٹر بھٹو کی سازش کی وجہ سے وہ کامیابیاں حاصل نہ کر سکی تھیں۔ جو مغربی پاکستان کی سرحد پر حملہ کر کے حاصل کر سکتی تھی۔ اس خبر کا بہر حال ذمہ دار میں تھا جو پاکستان کے اخبارات میں وسیع جیلاوں پر چھپی کہ امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ پاکستان کی مدد کو روانہ ہو گیا ہے اور چینی افواج بھی پاکستان کی مدد کو جلد ہی پہنچنے والی ہیں' کیونکہ یہ خبر قطعاً درست نہیں تھی۔

مسٹر بھٹو کو واضح طور پر ان ہدایات کے ساتھ اقوام متحدہ روانہ کیا گیا کہ وہاں ان کو ایک بین الاقوامی فورم پر پاکستان کے کاز کا دفاع کرنا ہے۔ میں مشرقی پاکستان کے ساتھ کسی

بھی معقول معاہدے پر راضی تھا جو کہ پاکستان کی حدود کے اندر رہ کر کیا جاتا۔ میری طرف سے بھٹو کو یہ بھی ہدایت تھی کہ ایسا کوئی بھی حل جو پاکستان کو مشرقی حصے کی صورت حال کے باعزت حل کی طرف لے کر جاتا ہو اور اقوام عالم کی طرف سے پیش کیا جائے وہ پاکستان کیلئے قابل قبول ہو گا' لیکن مسٹر بھٹو نے بدستور تاخیری حربے استعمال کیئے اور بعد ازاں ان کی واپسی بھی میرے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ پاکستان کے حق میں فضا ہموار کرنے کے بجائے گندی زبان اور گالیاں استعمال کر کے' غیر ذمہ دارانہ بیانات اور تقریریں' کر کے' ناچ گانے اور ناؤنوش کی محفلوں میں شرکت کر کے' اور شراب کے نشے میں دھت ہو کر مجھے فون کر کے مسٹر بھٹو اس کے بالکل برعکس کر رہے تھے جس کی انہیں ہدایت تھی اور لوگوں کو پاکستان کاز سے دور کیا جا رہا تھا۔ مسٹر بھٹو مجھے صورتحال سے آگاہ کرنے کیلئے فون کرتے تھے۔ ان ٹیلی فون کالز کے دوران مسٹر بھٹو شراب کے نشے میں دھت ہوتے اور اس وجہ سے وہ قابل فہم گفتگو کر ہی نہیں سکتے تھے اس لئے میں انہیں جب بھی کہتا کہ وہ پاکستان واپس آ کر مجھے وہاں کے حالات سے آگاہ کریں تو مجھے اپنے امریکہ کے قیام میں مزید توسیع کا مژدہ سنا دیتے تھے۔ وہ میرے اس استفسار پر بھی ہمیشہ خاموش رہے کہ انہوں نے میری ہدایت کے برعکس پولینڈ کی قرارداد کیوں پھاڑ ڈالی۔ میرے بار بار استفسار پر انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے اس ضمن میں جلد ہی علم ہو جائے گا' پھر اس نے ایک آخری کال تحکمانہ اور شاہانہ انداز میں کی جس میں مجھے بتایا کہ وہ پاکستان واپس آ رہا ہے۔ میرا جواب تھا کہ اب جب کہ تم نے اس ملک کو توڑنے کے لئے سب کچھ کر لیا ہے۔ تو تم اس ملک کے لوگوں کا کیسے سامنا کرو گے۔ یہ مکمل طور پر میرے علم میں نہیں ہے کہ قیام امریکہ کے دوران مسٹر بھٹو کی ملاقات کس قسم کے لوگوں سے ہوتی رہی اور نہ مجھے ان ملاقاتوں کے مقاصد اور ان میں ہونے والی باتوں کا علم ہے لیکن جب مسٹر بھٹو بیرون ملک تھے تو میرے علم میں جو واحد بات ان کے دورے کے بارے میں آئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے پاکستان واپسی سے پہلے شہزادی اشرف پہلوی کے ساتھ دو دن گزارے تھے۔

پاکستان کے دفاع کے حوالے سے یہ پالیسی طے کی گئی تھی کہ دفاع پاکستان کی جنگ دونوں بازوؤں کے محاذوں پر لڑی جائے گی۔ ہمارا اصل مقصد یہ تھا کہ ہم اس تاثر کے ساتھ جنگ جاری رکھتے کہ ہم مغربی پاکستان کی طرف سے حملہ کرنے ہی والے ہیں۔ یہ ایئر مارشل رحیم تھے جنہوں نے سازش کی اور کہا کہ ان کے پاس لڑائی کیلئے جہاز نہیں ہیں۔ بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے بھی اس موقع پر نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس محاذ پر فائر بندی کا اعلان کر دیا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ ہمارے پاس صرف اتنا ہی ایندھن ہے کہ جو 12 دن کی ضروریات کیلئے کافی ہو سکے گا۔ اسی طرح کی صورتحال گولہ بارود کے بارے میں بتائی گئی۔ یہ وہ حالات تھے جنہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں جنگ بندی قبول کروں اور مذاکرات کی میز پر بیٹھ جاؤں تاکہ کسی قابل قبول معاہدے پر پہنچا جا سکے۔

مجھے یہ بات آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک طرف تو بھٹو نے مجیب کو رہا کر دیا جو 90 ہزار قیدیوں کی رہائی کیلئے ہمارے ہاتھ میں ترپ کا پتہ تھا اور دوسری طرف موصوف مجھے قائل کرتے رہے کہ میں مجیب الرحمٰن کی پھانسی کے ایسے حکم پر دستخط کر دوں جس پر ان کی اصل پھانسی کی تاریخ سے پہلے کی تاریک درج ہو۔

ایک دفعہ مجھے الطاف گوہر نے بتایا کہ مجیب مجھ سے ملنے آ رہا ہے اور میں اسے تمام مشکلات اور خطرات سے آگاہ کروں جو اس وقت ملک کو درپیش تھے۔ اس کے بعد الطاف گوہر، مجیب الرحمٰن اور کمال حسین کو مجھ سے ملوانے کیلئے لے کر آئے۔ انہوں نے میرے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور ہم تقریباً تمام شب تبادلہ خیال کرتے رہے۔ میں نے ان کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ سیاست کو ایک طرف رکھتے ہوئے وہ ملک کی سلامتی کیلئے فکر مند ہوں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ بھارت ہمارے ملک کو فی الوقت کیا نقصان پہنچا سکتا ہے اور وہ یہ دیکھیں کہ وہ موجودہ حالات میں کیا کر رہے ہیں۔ مجیب نے کہا "صاحب وہ صرف اپنے حقوق چاہتے ہیں" میں نے اس سے کہا کہ ان کو ان کے حقوق مل جائیں گے۔ حقوق کیلئے وہ ملک کو تو نقصان نہ پہنچائیں۔ میں اس ضمن میں مسٹر بھٹو سے بھی تبادلہ خیالات کرتا رہتا تھا

کیونکہ وہ حسب عادت دوسرے لیڈروں کی طرح مجھے ملتے رہتے تھے۔ وہ ان ملاقاتوں میں پاکستان کے دوسرے سیاستدانوں کیلئے گندے انڈے اور اس طرح کی دیگر اصطلاحات استعمال کرتے اور اس بات کا اعادہ کرتے کہ وہ کسی ایسی تقریب میں شریک نہیں ہوں گے جس میں اصغر خان اور مجیب الرحمٰن موجود ہوں گے۔

مسٹر بھٹو مختلف سرکاری اور نجی محفلوں میں فوجی جرنیلوں کے گرد منڈلاتے رہتے اور ان سے تبادلہ خیال کرنے اور تعارف کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور اسی طرح کی ایک محفل میں فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں مجھ سے متعارف ہوئے انہیں دوسرے لوگوں سے ملتے رہنے کی عادت تھی۔ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے اپنے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کا بھی ماہر تھا۔ وہ اس طرح کے حربے میرے ساتھ بھی آزماتا اور ان کا واحد مقصد یہی ہوتا کہ میں ان پر اعتماد کرنا شروع کر دوں۔ جنرل گل حسن نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ مسٹر بھٹو اکثر اوقات ہمارے ہاں آتے اور ان کی کوشش ہوتی کہ وہ ہمارے ساتھ رات کے کھانے (عشائیے) میں شریک ہوں۔ پیرزادہ غلام محی الدین نے بھی مجھے ایک دفعہ بتایا کہ ایک دفعہ مسٹر بھٹو ان کے ہاں آئے اور ان کا خیال تھا کہ میں ان کے ساتھ رات کا کھانا کھاؤں اور آخرکار مسٹر بھٹو پیرزادہ کے ساتھ کھا کر ہی وہاں سے ٹلے۔ پیرزادہ کا کہنا تھا کہ مجھے اس طرح کے لوگوں کو جو کمبل ہو جاتے ہیں گھر سے باہر پھینکوانا بھی آتا ہے۔ مسٹر بھٹو کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس طرح کی ملاقاتوں کی کوشش نہ کریں جہاں ان کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا۔

میرا ارادہ تھا کہ میں مسٹر مجیب الرحمٰن کو رہا کر دوں صرف اس شرط کے ساتھ کہ وہ پاکستان کے ساتھ اپنی وفاداری کی تجدید کر لے۔ اسے اس تجدید عہد کے بغیر رہا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ دوسری صورت میں وہ اگرتلہ سازش کیس میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر لیا جاتا۔ میرے لئے ممکن نہیں تھا کہ میں مجیب کے رویئے کے بارے میں کسی معقول یقین دہانی کے بغیر شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دوں جب کہ مسٹر بھٹو کی خواہش تھی کہ شیخ مجیب

کو جیل میں ہی ختم کر دیا جائے۔ فوجی عدالت میں مقدمے کی سماعت کا ریکارڈ تفصیلات سمیت مجھے پیش کیا گیا۔ فوجی عدالت کے سربراہ نے تجویز کیا تھا کہ مجیب کو پھانسی دے دی جائے۔ میں اس سزا کی تصدیق کر کے شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل نامہ پر دستخط کر سکتا تھا لیکن میں نے جلد بازی میں کوئی ایسا اقدام کرنے سے گریز کیا اور مقدمے کا تمام ریکارڈ اس وقت کے وفاقی سیکرٹری قانون کو تبصرے کیلئے بھجوا دیا۔

ڈھاکہ میں میرے علم میں یہ بات لائی گئی کہ جنرل ٹکا خان نے شیخ مجیب الرحمٰن کو زندہ یا مردہ لانے کا حکم دے دیا ہے۔ میں نے فوراً اپنی پوزیشن واضح کی کہ میں نے ایسے کوئی احکامات صادر نہیں کئے بلکہ میں نے تو صرف اس کی گرفتاری کا ہی کہا ہے۔

جب میں سلطنت ایران کے قیام کی 2500 ویں سالگرہ کی تقریب میں شرکت کے لئے ایران جانے لگا تو مسٹر بھٹو نے مجھ سے رابطہ کیا اور مجھ سے کہا کہ میں جانے سے قبل مجیب کا قصہ نمٹا تا جاؤں کیونکہ ایران میں مجھے مختلف سربراہان مملکت کی طرف سے مجیب کی رہائی کے لئے سخت دباؤ کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا' لیکن میں نے مسٹر بھٹو کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور اسے مسترد کر دیا۔

ان تمام واقعات کی وجہ سے مسٹر بھٹو نے دل میں میرے خلاف نفرت بھر لی تھی اور وہ مجھے ہر طریقے سے نقصان پہنچانے پر تل گیا تھا تاکہ وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی حاصل کر سکے۔

حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے دیا گیا بیان

۱۔ آج مورخہ 18 جنوری 1972ء کو مجھے ایک خط نمبر 6-ICW/72 جو چیف جسٹس آف پاکستان جناب جسٹس حمود الرحمٰن کی طرف سے مورخہ 11 جنوری 1972ء کو لکھا گیا تھا' موصول ہوا۔ میں اس وقت فوریسٹ ڈاک بنگلہ بنی کے مقام پر مقید ہوں اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں اپنا بیان مورخہ 24 جنوری 1972ء سے پہلے پہلے ان کے حوالے کر دوں۔

۲۔ میں ابتدا ہی میں یہ بات واضح کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ فی الوقت مجھے مرکزی حکومت یا جنرل ہیڈ کوارٹر (جی۔ ایچ۔ کیو) کی متعلقہ دستاویزات تک کوئی رسائی حاصل نہیں ہے جن کی مدد سے میں تمام واقعات کے حقائق اور ان کی تفاصیل باقاعدہ تواریخ کے ساتھ بیان نہیں کر سکوں گا۔ محترم چیف جسٹس نے بہر حال کمال مہربانی سے مجھے اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ میں اپنے بیان کی متوقع صورت کا خود فیصلہ کروں۔ جب میں نے اس خط کے ساتھ منسلک ضمیمہ (الف) پڑھا تو اس امر کو بہتر خیال کیا کہ میں تمام واقعات کی مکمل تصویر کشی کیلئے اپنا بیان خالص "بیانیہ انداز" میں ریکارڈ کراؤں۔

ضمیمہ الف میں پوچھے گئے تمام نکات باہم اتنے زیادہ منسلک اور مربوط ہیں کہ ان کی وضاحت کیلئے تمام صورت حال کی تصویر کشی کے لئے بیانیہ طریقہ بہترین رہے گا۔ بلاشبہ میں کسی بھی نکتے یا واقعے کے متعلق کئے گئے استفسار کی وضاحت کیلئے پوری طرح تیار ہوں لیکن اس کیلئے مجھے ضروری دستاویزات اور اپنے فوجی اور سول ہم منصب اور دیگر رفقائے کار کی گواہی اور تصدیقات کی ضرورت پڑے گی' لیکن متعلقہ دستاویزات تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے میں اس امر پر مجبور ہوں کہ 1929ء سے لے کر اب تک پیش آنے والے قومی زندگی کے سیاسی' سول اور فوجی واقعات کو صرف اور صرف اپنی یادداشت کی بناء پر بیان کروں اگرچہ میں حقائق بیان کرتا چلوں گا لیکن ان کی متعلقہ تواریخ اور دیگر جزئیات کی تفاصیل میں اصل

ریکارڈ کی مدد سے بعد میں بیان کروں گا کیونکہ وہ فی الوقت مجھے دستیاب نہیں۔

یہ مارچ 1969ء کی بات ہے جب پورا ملک سیاسی، انتظامی اور اقتصادی طور پر تباہ ہو چکا تھا اور مجھے ملک چلانے کا کام سونپا گیا۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ بطور سپہ سالار اعلیٰ میں اس وقت سب سے سینئر حاضر سروس فوجی تھا۔ میں نے اپنا اہم مقصد اس امر کو قرار دیا کہ سیاسی راہنماؤں کو اقتدار واپس سونپ دیا جائے کیونکہ ملک پر حکومت کرنا اور اس کا انتظام چلانا فوج کا کام نہیں۔ اس مقصد اور ایمان کے ساتھ میں نے منزل کے حصول کیلئے سفر کا آغاز کر دیا۔ یہ بڑا افسوس ناک امر تھا کہ مجھے اس سیاسی طور پر تعطل کا شکار "چھ" (پاکستان کیلئے استعمال کیا ہے) کو حرکت میں لانے کیلئے دو سال تک بہت زیادہ محنت مشقت اور پتہ مار کر کام کرنا پڑا اور آخر کار دسمبر 1970ء میں میں ایسا کرنے میں کامیاب ہوا جب ملک میں پہلے عام انتخابات کا انعقاد ہوا۔ ان دنوں کی تفصیل بڑی طویل ہے اور دل تڑپا دینے والی جس سے پاکستان کے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو آگاہ ہونا چاہیے۔

1970ء کے عام انتخابات کے بعد قومی سیاست کی ایک ایسی تصویر ابھری جو نہ صرف عجیب و غریب تھی بلکہ اپنے ہاں ایک چیلنج کی بھی حامل تھی۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ واحد اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے ابھری تھی جبکہ مغربی پاکستان میں اسے ایک بھی نشست حاصل نہ ہو سکی تھی۔ اسی طرح مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی نے سب سے بڑی اکثریتی پارٹی کے طور پر خود کو منوایا تھا لیکن اس کی مشرقی پاکستان میں کوئی نشست نہیں تھی۔ باہم ملحق ایک ملک کے اندر اس طرح کی صورت کوئی معنی نہیں رکھتی لیکن جیسا کہ ہماری حالت تھی اور ہم جیسے دو علیحدہ اور مختلف حصوں پر مشتمل ملک کیلئے یہ ایک بڑا چیلنج اور انسانی عقل کا امتحان تھا۔ اب مجھے اگلی فکر لاحق ہوئی کہ یہ کس طرح چلے گا۔ میں نے دونوں حصوں سے کامیاب ہونے والی جماعتوں کے راہنماؤں سے مذاکرات کا آغاز کرنے میں ذرا بھی دیر نہ کی اور اس سلسلے میں جنوری 1971ء کو مشرقی پاکستان گیا اور شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی۔

میں مختصراً اس منصوبہ بندی پر روشنی ڈالتا چلوں جو میں نے اس سارے معاملے کو ٹھیک انداز میں چلانے کیلئے کی تھی اور اس کے تحت الیکشن کا انعقاد اور اس کے نتیجے میں قانون سازی کے ادارے قومی اسمبلی کا وجود ظہور میں آنا تھا جس کو فوراً ملکی نظام چلانے کیلئے ایک آئین کی تشکیل کرنا تھی اور یہ آئین صرف 120 دن کے عرصے میں اسمبلی نے پاس کر کے قوم کو دینا تھا۔ اس منصوبے کے پس پردہ کارفرما واحد حکمت عملی واضح طور پر یہ تھی کہ کم از کم وقت میں اقتدار کی اس کے حقداروں کو منتقلی عمل میں آسکے۔ تمام سیاسی جماعتوں نے اس منصوبے کو قبول کیا اور اسی کے تحت منعقدہ عام انتخابات میں حصہ لیا۔ ان انتخابات کو بہر حال ایک آئینی چھتری کی ضرورت تھی۔ اس نے قوم کو صرف آئینی طریق کار دیا جس کو بہر حال اس آئین کے لئے جگہ چھوڑ دینا تھی جسے بعد ازاں اسمبلی نے پاس کرنا تھا۔ انتخابات کے بعد مختلف سیاسی راہنماؤں سے ہونے والی اپنی ملاقاتوں میں میں اس امر پر زور دیتا رہا اور وضاحت کرتا رہا کہ کس طرح ان کو اکٹھا ہونا ہے اور آئین کے خاکے اور وسیع البنیاد اصولوں کی تشکیل اس اسمبلی میں کرنا ہے جس کا میں نے اجلاس بلایا تھا۔ اس سے میرے پیش نظر صرف وقت کی چت کا عنصر کارفرما تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اگر اجلاس کے بعد اسمبلی 120 دن تک کسی متفقہ خاکے تک نہ پہنچ سکی تو پھر اسمبلی غیر موثر ہو جائے گی اور ملک کو ایک نئے آئینی بحران کا سامنا کرنا پڑے گا اور ملک کے اندر ایک خوفناک سیاسی تعطل پیدا ہو جائے گا۔

تمام راہنماؤں نے اس سے اتفاق کیا اور مجھے تعاون کا مکمل یقین دلایا۔ دراصل شیخ مجیب الرحمٰن نے مجھے مطلع کر دیا تھا کہ تمام راہنما آئین کے مجوزہ خاکے پر اسمبلی سے باہر بیٹھ کر ہی کچھ "لو اور دو" کے اصول کے تحت اتفاق رائے حاصل کر لیں گے تاکہ اسمبلی کے اجلاس میں کوئی بد مزگی کی صورت حال پیدا نہ ہو سکے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے چھ نکات کوئی خدا کے الفاظ (Words of God) نہیں ہیں اور وہ وفاق کی باقی اکائیوں کی مرضی سے اس پر گفتگو کرنے اور ان میں مناسب ترمیم و تبدیلی پر آمادہ ہے۔ یہ بات تمام حضرات کے نوٹس میں رہنی چاہیے۔

جب میں جنوری 1971ء میں ڈھاکہ گیا اور وہاں مجیب سے ملا تو اس وقت عوامی لیگ کی لیڈر شپ کے لہجے میں حیرتناک تبدیلی دیکھ کر حیران رہ گیا میں نے ان کو ان کی کامیابی پر مبارک باد دی اور ان سے اس امر پر مشورے کا آغاز کیا کہ کس طرح تمام منتخب راہنماؤں کو اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں مدعو کرنے سے قبل ایک طریق پر متفق کیا جائے تاکہ اسمبلی کا اجلاس بلانا ممکن ہو سکے۔ مجھے بڑی بدتمیزی سے بتایا گیا کہ اسمبلی سے باہر کسی قسم کے صلاح و مشورے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے مجھے فوری طور پر فروری کے پہلے ہفتے میں اسمبلی کا اجلاس طلب کرنا چاہئے اور یہ میرے خیال میں جنوری 1971ء کے آخری ایام کی بات ہے۔ میں نے شیخ مجیب سے کہا کہ مغربی پاکستان کے راہنماؤں سے بھی مشورہ کیا جانا ضروری ہے اور فروری کا پہلا ہفتہ خاصا قبل از وقت ہوگا۔ میں یہاں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ میں یہ اعلان پہلے ہی کر چکا تھا کہ اسمبلی کا پہلا اجلاس ڈھاکہ میں ہوگا۔ اس لحاظ سے بھی اس عمارت پر ابھی تزئین و آرائش کا کام جاری تھا جس میں اس اجلاس کو منعقد کیا جانا تھا اور اس تزئین و آرائش کی ضرورت اس لئے بھی بڑھ گئی تھی کہ اب اسمبلی کی 150 کی جائے 213 نشستیں تھیں اس لئے اسمبلی کا اجلاس جلد از جلد بھی فروری کے اختتام سے قبل نہیں بلایا جا سکتا تھا۔ میں نے اس سے شیخ مجیب کو آگاہ کر دیا۔ اس نے کہا کہ فروری کا درمیان وہ آخری وقت ہونا چاہئے۔ جب میں اسمبلی کا اجلاس طلب کروں۔ وہ پاکستان کے دوسرے راہنماؤں سے گفتگو میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔

اس موقع پر مشرقی پاکستان میں ہونے والے واقعات پر بھی روشنی ڈالنا بہت ضروری ہے۔ جلسے، جلوس اور عوامی اجتماعات وہاں دن رات کا دستور بن گئے تھے۔ ان کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ عوامی لیگ کو انتخابات میں حاصل ہونے والی خوشی میں کئے جانے والے یہ مختلف مظاہرے تو ایک سمجھ میں آنے والی بات تھی لیکن ان کے راہنماؤں اور عام لوگوں کا عمومی رویہ تو مطمئن اور معقول ہونا چاہئے تھا۔ برسوں تک ان کے بالغ حق رائے دہی کو دبا کر رکھنے کے بعد اب ان کے ہاں انتخابات کرائے گئے تھے۔ یہ ایک واقعی پریشان کن امر

تھا۔ اس کی واحد وجہ جو میں سمجھ سکا ہوں کہ عوامی لیگ کی صفوں میں انتہا پسند بائیں بازو کے حامی اور بھارت کے حامی عناصر در آئے تھے۔ جو کہ بعد میں بے نقاب بھی ہو گئے۔ ان کو پاکستان کو کوئی ایسا آئین دینے میں دلچسپی ہی نہیں تھی جو ملک کو ایک پاکستان یا یکجہتی کی طرف لے کر جاتا۔ اسی لئے وہ ایک ایسے بنگلہ دیش کا وجود چاہتے تھے جو پاکستان سے دور اور بھارت کے انتہائی نزدیک ہو۔ یہ بہت واضح ہو چکا ہے کہ اس موقع کو بھارت نے پاکستان کو توڑنے کے لئے استعمال کیا جو کہ ان کا برسوں پرانا خواب تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی اپنی تقاریر روز بروز سخت سے سخت تر ہوتی چلی جا رہی تھی اور وہ روز بروز نکتہ انتہاء تک بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میں نے اس سے اور اس کے مشیروں کے ساتھ بڑی سنجیدہ ملاقاتیں کیں اور ان کو وعدہ یاد دلایا جس میں انہوں نے کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کے تحت تمام مسائل کو حل کرنے کیلئے وعدہ کیا تھا اور ان کو تحمل اور استدلال سے کام لینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ یہاں پر یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ مغربی پاکستان سے دوسری چھوٹی سیاسی جماعتوں کے راہنما بھی باری باری ڈھاکہ جاتے اور شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقاتیں کرتے اگرچہ مجھے ان ملاقاتوں کے ایجنڈے کا علم تو نہیں ہوتا تھا۔ قصہ مختصر میں نے مجیب کو اس امر پر آخر کار قائل کر لیا کہ وہ مسٹر بھٹو سے مذاکرات کرے جو مغربی پاکستان میں جیتنے والی واحد اکثریتی پارٹی کا سربراہ ہے۔

اس موقع پر شیخ مجیب مجھ سے مشورے کا طالب ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ میں (یعنی فوج) نے ملک میں ایک شفاف اور غیر جانبدارانہ عام انتخابات منعقد کرائے ہیں، اس لئے ان کی یہ خواہش ہوگی کہ میں (یحییٰ خان) ملک کے آئینی صدر کے طور پر کام کروں۔ میں نے فوراً اس امر کو مسترد کر دیا اور کہا کہ میں اس کو صحیح خیال نہیں کرتا۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں ملک پاکستان میں اقتدار منتخب لوگوں کو سپرد کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ یہی میرا سب سے بڑا اعزاز ہوگا۔ چونکہ اس نے مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا اس لئے میں نے اسے مندرجہ ذیل مشورہ دیا:

"شیخ صاحب آپکے سامنے اس وقت تین دروازے کھلے ہیں"۔

i۔ اسمبلی میں اکثریتی پارٹی ہونے کا ناطے اب بھی آپ اس حالت میں ہیں کہ کسی بھی دوسری جماعت کی مدد کے بغیر اپنی حکومت بنائیں اور اپنا آئین پاس کروا کر حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیں' لیکن آپ کو معلوم ہے کہ کسی بھی ملک کا آئین دوسرے قوانین کا صرف ایک مجموعہ نہیں ہوتا' اسے ایسا ہونا چاہئے کہ یہ وفاق پاکستان کی چھوٹی بڑی اکائیوں کو مطمئن کرنے والا ہو۔ آئین تو باہم مل جل کر رہنے کی ایک مفاہمت ہوتی ہے۔ یہ پارلیمنٹ کے پاس کردہ کسی دوسرے ایکٹ کی طرح نہیں ہے اس طرح پاس کیا گیا آئین کتنی دیر چل سکے گا؟

ii۔ آپ مغربی پاکستان سے کچھ جماعتوں کو اپنے ساتھ ملاؤ۔ ان تمام پارٹیوں کو پیپلز پارٹی نے 'جو کہ ایک بڑی پارٹی بن کر ابھری ہے' انتخابات میں شکست سے دوچار کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے پاس' دو دو تین تین یا چار چار نشستیں ہیں۔ تب بھی مغربی پاکستان سے کامیابی حاصل کرنے والی سب سے بڑی پارٹی کو حکومت سے باہر رکھ کر آپ لوگ کتنے عرصے تک حکومت چلا سکو گے خصوصاً اس حالت میں کہ مارشل لاء بھی اُٹھا لیا جائے گا اور آپ کو قومی زندگی کے تمام معاملات خصوصاً امن وامان کے مسئلے کو خود اپنی صوابدید کے مطابق حل کرنا پڑے گا۔

iii۔ آپ کی پارٹی اور پی پی پی ایک اتحاد بنا سکتی ہیں اور یہ بات ابھر کر سامنے آچکی ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اور یہ ایسے ممالک میں جو کہ واقعی ممالک ہیں ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہمارے ملک میں کہ جس کے دونوں بازو ایک دوسرے سے اس قدر دور ہیں یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں جماعتیں اپنی سرگرمیاں ملک کے اس بازو تک وسیع کردیں جہاں ان کی قوت بالکل نہیں ہے اور آئندہ دو قومی جماعتوں کی حیثیت سے علاقائی جماعتوں کے مقابلے میں انتخاب لڑیں۔

میں نے اس سے گزارش کی کہ میری باتوں پر کان دھرے اور حکومت کو کام

کرنے دے کیونکہ اب منتخب حکومت کو اقتدار کی منتقلی میں کوئی امر مانع نہیں آتا تھا۔ شیخ مجیب نے میری تمام گفتگو سنی لیکن اس کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ میں نے فوراً محسوس کر لیا کہ وہ اس قسم کی کوئی نصیحت سننے کا روادار نہیں ہے۔ میں اس کے اس رویئے پر بڑا پریشان ہوا' لیکن اس کے باوجود میں نے اس کو نصیحت کی کہ وہ مسٹر بھٹو سے ملے اور اس مسئلے کے کسی قابل عمل حل کی تلاش کیلئے راہ ہموار کرے۔

ان دنوں فوج اور امن عامہ کے حوالے سے بے چینی کی فضا پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ عوامی لیگ کے کارکنوں نے مہینوں لمبی انتخابی مہم میں جس جوش و خروش اور جذبے کا اظہار کیا تھا' ان کا وہ جوش و خروش اور جذبہ انتخابات کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال پر چھاتا چلا جارہا تھا۔ مختلف حوالوں سے لوگ ہزاروں کے مجموعوں کی صورت میں جمع ہوتے۔ قانون کی خلاف ورزی کرتے' لوٹ مار کر کے عوامی لیگ کے مخالفوں کے گھر جلادیتے۔ انتہا پسند اور بائیں بازو کے شدت پسند اس طرح کی غنڈہ گردی کی سرگرمیوں میں ملوث تھے۔ میں ان واقعات کے اس طرح وقوع پذیر ہونے پر قطعاً مطمئن یا خوش نہیں تھا۔

میں نے اس پر گورنر ایڈمرل احسن اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی لیفٹیننٹ جنرل یعقوب علی خان کے ساتھ بڑی تفصیل سے تبادلہ خیال کیا اور یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ ان دونوں کی آرا میں خاصہ بعد پایا جاتا تھا۔ ایڈمرل احسن اس سلسلے میں خاصی نرمی برتنے کے حق میں تھے۔ ان کے خیال میں یہ الیکشن کے بعد کے حالات تھے اس لئے ان پر کنٹرول کرنے کیلئے کوئی سخت ایکشن لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گا جبکہ جنرل یعقوب علی خان اس ضمن میں خاصے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ حالات کو قابو میں کرنے کیلئے گورنر پولیس اور معمول کے سول نظام کے ذریعے سیاسی راہنماؤں کو اعتماد میں لے کر کسی غلط حرکت سے اجتناب پر قائل کر کے حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ جنرل یعقوب علی خان کو یقین تھا کہ اگر سول انتظامیہ کی مدد کیلئے اسے کہا گیا تو وہ بڑی کامیابی سے سول انتظامیہ کی مدد کرنے کی حالت میں ہوگا۔

اب کچھ باتیں سول انتظامیہ کے متعلق ہو جائیں۔ اس وقت سول انتظامیہ میں تین عناصر سرگرم تھے۔ پہلا عنصر تو وہ تھا جو کھلے عام عوامی لیگ کا حامی تھا اور انتخابات سے قبل ہی براہ راست ہدایات عوامی لیگ کے اعلیٰ حکام سے حاصل کرتا چلا آرہا تھا۔ دوسرا عوامی لیگ کا مخالف عنصر تھا جو اگرچہ ملک کی سالمیت پر یقین رکھتا تھا لیکن عملی طور پر کچھ بھی کرنے یا کہنے سے ڈرتا تھا۔ تیسرا عنصر بہت قلیل تھا اور وہ غیر بنگالیوں کا عنصر تھا یہ بھی بہر حال عوامی لیگ کے خوف سے پاکستان کی یکجہتی کے حوالے سے کچھ بھی کہنے اور کرنے سے ڈرتے تھے۔ اسی طرح پولیس فورس بھی بالکل غیر موثر ہو کر رہ گئی تھی اور یہ کسی بھی کاروائی کیلئے مشرقی پاکستان رائفلز پر انحصار کرتے تھے۔ ادھر مشرقی پاکستان رائفلز کے اندر بھی نظم وضبط کا فقدان دیکھنے میں آرہا تھا۔ مشرقی پاکستان رائفلز تخلیق پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان کی بہترین فورس رہی تھی اور دیکھنے میں آرہا تھا کہ فقدان اس مہم کا نتیجہ تھا جو عوامی لیگ نے الیکشن سے قبل ہی سے مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کی مذموم فضا پیدا کرنے کیلئے باقاعدہ پیشگی منصوبہ بندی سے چلا رکھی تھی۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عوامی لیگ کی ساری انتخابی مہم ہی مغربی پاکستان مخالفانہ نعروں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے اس طرح کے بے بنیاد نعروں کو اپنی مہم کی بنیاد بنایا تھا کہ تخلیق پاکستان سے لے کر اب تک کس طرح مغربی پاکستان کے لوگ مشرقی پاکستان کے لوگوں کا خون چوستے چلے آرہے ہیں۔

مرکزی اور مقامی دونوں قسم کی خفیہ ایجنسیاں بالکل معطل ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان ایجنسیوں کے اہلکار کوئی ایسی بات حکومت کو بتانے کی جرات نہ کرتے جو ان کے مستقبل کے سیاسی خداؤں کو ناراض کرنے کا سبب ہو۔ "ملٹری انٹیلی جنس" کو اس قسم کی کوئی تربیت نہیں دی گئی تھی، ان کا کام صرف اور صرف بھارت کی جاسوسی کرنا تھا۔ وہ مسلسل بھارت کی سرحد کے آرپار بڑے پیمانے پر اسلحے اور گولہ بارود کی نقل وحمل اور مقامی شرپسندوں کو مالی امداد کی بلا واسطہ اور براہ راست فراہمی کے متعلق اطلاعات مہیا کر رہے تھے۔ ان رپورٹوں کی فراہمی کے برعکس وہ اس قسم کی سرگرمی کو روک نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کو ایسی کوئی تربیت ہی فراہم

نہیں کی گئی تھی جب کہ ان عناصر کو روکنے کی ذمہ دار پولیس اور مشرقی پاکستان رائفلز میں پہلے ہی نظم وضبط سے انحراف ایک معمول کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اس لئے وہ بھلا ان عناصر کو کیسے اور کیوں روکتے!

فوجی محاذ پر مشرقی پاکستان میں صرف ایک (انفنٹری) پیدال ڈویژن فوج تھی جو کہ تقریباً قیام پاکستان کے وقت سے ہی وہاں مقیم چلی آرہی تھی۔ 1965ء کی جنگ کے بعد میں نے ذاتی دلچسپی لے کر اس انفنٹری ڈویژن کو ایک کمزور ڈویژن میں سے ایک مضبوط اور فعال ڈویژن بنانے کیلئے بہت سے اقدامات اٹھائے۔ میں نے ان کی صلاحیت کو بڑھانے کے پیش نظر خصوصی طور پر ان کیلئے ایک آرمرڈ رجمنٹ کچھ فیلڈر رجمنٹیں اور بھاری مارٹر مغربی پاکستان سے بھجوائے تھے۔ میں نے مشرقی پاکستان گیریژن کو مزید مضبوط بنانے کیلئے اس کی توسیع کا منصوبہ بنایا تھا تاکہ یہاں ایک کے بجائے کم از کم دو رجمنٹیں رکھی جا سکیں، لیکن میری اس تمام منصوبہ بندی کا اس وقت کی موجودہ صورت حال سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ تو صرف دفاع پاکستان کو مضبوط کرنے کی میری خواہشوں کا حصہ تھی جو کہ افواج پاکستان کے سربراہ کی حیثیت سے میرا فرض بھی بنتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان کے پاس طیاروں کا ایک سکواڈرن اور بحریہ کی کچھ توپ بردار لڑاکا جنگی کشتیاں بھی تھیں۔ میں نے مشرقی پاکستان کو اسلحے اور گولہ بارود میں خود کفیل بنانے کیلئے منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اس مقصد کیلئے وہاں ایک اسلحے کی فیکٹری لگائی تھی جو چھوٹے ہتھیار اور گولہ بارود بنا رہی تھی۔ یہ دو ڈویژن افواج بھارت کی اس تین سے چار ڈویژن افواج کا مقابلہ کرنے کیلئے کم از کم فوج تھی جو مستقلاً مشرقی پاکستان کی سرحد پر تعینات رہتی تھی۔ بھارتی افواج کا زیادہ تر حصہ مغربی پاکستان میں رکھنا پڑتی تھیں۔ پاکستان کے تمام ملٹری کمانڈروں کی یہ متفقہ رائے تھی کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان کے موثر دفاع میں مضمر ہے کیونکہ اگر ہم اتنی کم افواج کے ساتھ جتنی اس وقت پاکستان کے محدود وسائل کے لحاظ سے پاکستان کے پاس تھیں بھارت کی اتنی بڑی افواج کے سامنے پاکستان کے دونوں بازوؤں کا ایک جیسا دفاع کرنے جاتے تو یہ شکست کو دعوت

دینے کے مترادف ہوتا۔ کوئی بھی فوجی امور کا ماہر اس فلسفے کی بنیاد میں پنہاں نکتے کو باآسانی سمجھ سکتا ہے اس لئے میں مزید وضاحت کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

یہ اس وقت کے مشرقی پاکستان کے جنوری 1971ء کے آخری ایام کی تصویر ہے۔ میری زون بی کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور مشرقی پاکستان کے گورنر کو بڑی واضح ہدایات تھیں کہ وہ کسی بھی سخت اقدام کے بغیر امن و امان کی صورتحال حال کرنے کی کوشش کریں اور اس ضمن میں اگر ناگزیر ہو تو کم سے کم قوت استعمال کی جائے۔

شیخ مجیب سے میں نے بارہا سیاسی نظم و ضبط برقرار رکھنے کی درخواست کی اور ان کو بتایا کہ وہ پاکستان کے وزیر اعظم بننے والے ہیں اس لئے ان کو اپنے رویئے مین بھی اسی طرح تبدیلی لانا چاہئے اور وزیر اعظم کے شایان شان رویہ اپنانا چاہئے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مغربی پاکستان کا دورہ کر کے اور مستقبل کے وزیر اعظم کے طور پر وہاں اپنا دباؤ اور وزن بڑھائے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔

میں فروری 1971ء کے ابتدائی دنوں میں مغربی پاکستان لوٹ آیا اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے ملنے لاڑکانہ گیا۔ وہ مسٹر مجیب سے مذاکرات کیلئے قطعاً تیار تھا اور قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے سے قبل مجیب کے ساتھ ہونے والے ان مذاکرات کے دوران زیر بحث آنے والے نکات پر تیاری کیلئے وقت چاہتا تھا۔ یہ مذاکرات اس وقت ڈھاکہ میں ہوئے جب پی پی پی کے راہنما نے ڈھاکہ کا دورہ کیا۔ خاصی ملاقاتوں کے بعد پی پی پی کی مذاکراتی ٹیم مغربی پاکستان واپس آگئی۔ مجھے اس امر کے مزید شواہد ملے کہ دونوں فریقین میں مزید مذاکرات کی ضرورت ہے کہ وہ پاکستان کی اس وقت کی قومی اسمبلی کی دو اہم جماعتیں تھیں۔

فروری 1971ء کے وسط میں مشرقی پاکستان میں حالات میں گرمی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ مشہور و معروف یوم طلباء جو کہ 21 فروری کو منایا گیا اس دن کے اجتماعات کو عوامی لیگ نے حالات کو مزید خراب کرنے کیلئے استعمال کیا اور جلد از جلد قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا۔ میں نے شیخ مجیب کو مغربی پاکستان بلا بھیجا کہ وہ آکر میرے ساتھ متوقع اجلاس

قومی اسمبلی کے طریقہ کار پر گفتگو کرے اس کے علاوہ مغربی پاکستان کے راہنماؤں سے بھی ملے تاکہ جمی ہوئی برف ٹوٹ سکے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان آنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کھلے عام کہا کہ مغربی پاکستان سے کوئی بھی مشرقی پاکستان آسکتا ہے۔ اس کا چھ نکاتی منصوبہ آخری اور حتمی ہے اور جو ان کو پسند کرتا وہ اپنے گھر میں خوش رہے۔ اس کا نقطہ نظر کسی بھی طریقے سے تبدیل نہ کیا جا سکا۔ اکثریتی جماعت کے طور پر وہ حق رکھتا تھا کہ وہ چھ نکات کے نفاذ کا مطالبہ کرتا (کیونکہ اس نے انہی نکات کی بناء پر انتخابات جیتے تھے) دوسروں کو اس کی بات ماننا پڑتی۔ میں عوامی لیگ کے نقطہ نظر میں اس مکمل تبدیلی پر حیران رہ گیا۔

میں نے جب محسوس کیا کہ قومی سیاسی جماعتوں کی باہمی گفت و شنید تعطل کا شکار ہو کر ڈیڈ لاک کی صورت پیدا ہو گئی ہے تو میں نے خود ہی قومی اسمبلی کے نئے انتخابات کی تاریخ کا اعلان کرنے کا فیصلہ کیا۔ بہت سارے دوسرے مواقع کی طرح جو مجھے گزشتہ دو سال کے دوران پیش آئے تھے اب بھی مجھے خود ایک فیصلہ اپنی مرضی سے کرنا تھا جبکہ ملک کی دو بڑی جماعتیں کسی بھی فیصلے تک پہنچنے پر ناکام رہی تھیں۔ میں نے دو مختلف آراء میں درمیانی راہ چنتے ہوئے 3 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا۔

مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ مسلسل احتجاجی مظاہروں اور اس طرح کے دیگر مقدمات سے حالات کو خراب سے خراب تر کرتی چلی جا رہی تھی جس کی وجہ سے مغربی پاکستان کی جماعتیں اجلاس میں شرکت کرنے کیلئے ڈھاکہ جانے پر متذبذب تھیں بالآخر پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی کے اجلاس کا باقاعدہ بائیکاٹ کر دیا۔ بڑی جماعت پی پی پی کے ساتھ ساتھ بعض چھوٹی جماعتوں نے بھی 3 مارچ کے متوقع اجلاس میں شرکت کے سلسلے میں اپنے خدشات اور تذبذب کے جذبات کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی قومی اسمبلی کے اجلاس مین شرکت سے محروم رہ جائے گی تو میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دوں۔ تاکہ سیاسی لیڈر بعد ازاں کسی متفقہ تاریخ پر اجلاس منعقد کرنے کا عندیہ دیں تو اسمبلی کا اجلاس منعقد کیا جا سکے۔

اس دن میں نے جو بھی فیصلے کئے مجھے بتایا' جائے کہ ان حالات میں میں ان فیصلوں کے علاوہ اور کیا فیصلے کر سکتا تھا۔

یہ دکھائی دیتا تھا کہ جیسے عوامی لیگ اسی طرح کے کسی موقع کی تاک میں تھی۔ پورے مشرقی پاکستان میں ایک فوری ہڑتال کر دی گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ہڑتال پہلے سے باقاعدہ منصوبے کا نتیجہ اور ایک بڑے منصوبے کا حصہ تھی جس کے بارے میں کافی غور و خوض کیا گیا اور ایک مکمل بغاوت کے تمام انتظامات مہیا کر لئے گئے تھے۔ اسی طرح سول نافرمانی کی ایک تحریک فوراً چلا دی گئی۔ گورنر جسے میری واضح ہدایات تھیں کہ وہ قوت کے استعمال سے پرہیز کرے گا' ان حالات میں مکمل گھبرا گیا اور حالات اس کے قابو سے نکل گئے۔ میں نے اس کو فوراً اس کے عہدے سے فارغ کر دیا اور جنرل یعقوب علی خان کو ہدایت کی کہ وہ دونوں عہدوں کا چارج سنبھال لے۔ میں نے تحریری طور پر یعقوب علی خان کو واضح طور پر ہدایات دیں کہ اس کو ہر قیمت پر امن و امان کی صورتحال برقرار رکھنا ہے اور اس امر کیلئے اس کو میری پوری طرح مدد اور اعتماد ہوگا۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر اس کام کے ضمن میں اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ بلا کسی ردوقدح کا مانگ سکتا ہے۔ اتفاقاً جب میں گورنر یعقوب علی خان کو دو یا تین مارچ کو ہدایات دے رہا تھا تو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو (صدر) اس وقت ایوان صدر کراچی میں میرے پاس میرے کمرے میں بیٹھا تھا۔

میں نے مجیب کو بھی بہت سے پیغامات بھیجے جن میں اس سے التجا کی گئی کہ وہ کوئی فوری اقدام کر کے قانون کو ہاتھ میں لینے کے بجائے میرے ڈھاکہ پہنچنے کا انتظار کرے۔ اس طرح کی خبریں موصول ہونا بھی شروع ہو گئی تھیں کہ اس نے یک طرفہ طور پر آزادی کا اعلان کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

6 یا 7 مارچ 1971ء کو شیخ مجیب نے ایک عوامی جلسے میں مندرجہ ذیل چار مطالبے کئے:

i۔ فوری طور پر مارشل لاء اٹھا دیا جائے۔

ii۔ فوراً اقتدار اس کے حوالے کر دیا جائے۔

iii۔ ڈھاکہ میں کچھ دن قبل ہونے والی مشرقی پاکستان رائفلز کہ جس کو فوج کی مدد حاصل تھی' کی فائرنگ' جو انہوں نے لوٹ مار کرنے والے بلوائیوں کو روکنے کے لئے کی تھی' کی وجوہات کی تحقیقات کیلئے فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے۔

iv۔ فوج فوراً بیرکوں میں واپس چلی جائے۔

میں نے پھر شیخ مجیب الرحمٰن کو پیغام بھیجا کہ میرے پہنچنے کا انتظار کرے اور معاملات کو خراب نہ کرے۔ اسی اثناء میں جنرل یعقوب علی خان نے جنرل ہیڈ کوارٹر کو ایک پیغام بھیجا کہ وہ اپنے نائب (سیکنڈ ان کمانڈ) کو چارج دے کر اپنے عہدے سے مستعفی ہو رہے ہیں۔ یعقوب کی یہ حرکت کسی بھی پیشہ ورانہ فوج کی تاریخ میں سب سے غیر متوقع حرکت تھی۔ کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک جرنیل اپنے کام اپنے حکام بالا کو اس امر کی اطلاع دے کہ وہ جنگ کے دوران' جبکہ یہ جنگ اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہو اپنے عہدے سے مستعفی ہو رہا ہے جیسا کہ یعقوب علی خان نے کیا' عموماً اسے دشمن کی نظروں میں بے عزتی خیال کرتے ہوئے ایسا کرنے والے اعلیٰ عہدیدار کا کورٹ مارشل یا گولی سے اڑانے کا حکم دینے کی روایت پر عمل کیا جاتا ہے۔ میں نے ہدایت کی کہ یعقوب سے کہا جائے کہ اپنے نائب کا چارج سپرد نہ کرے بلکہ جنرل ٹکا خان کے پہنچنے کا انتظار کرے اور چارج ان کے حوالے کرے۔ مسٹر ٹکا خان ان سے چارج لینے کے لئے فوری طور پر روانہ ہو گئے۔

میں نے تمام منتخب جماعتوں کے راہنماؤں کو پیغام بھیجا کہ قومی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں جو 10 مارچ کو ہونا قرار پایا تھا' میں شریک ہونے کیلئے ڈھاکہ آئیں اور مجھ سے ملیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے صرف پی پی پی نے اجلاس میں شرکت پر آمادگی کا اظہار کیا جبکہ دیگر تمام جماعتوں نے انکار کر دیا۔ کوئی اور راستہ نہ پاتے ہوئے میں نے اجلاس کی تاریخ بڑھا کر 25 مارچ 1971ء کر دی۔

میں اس اجلاس کے انعقاد سے 10 دن قبل ہی یعنی 16 یا 15 مارچ 1971ء کو

ڈھاکہ پہنچ گیا تاکہ عوامی لیگ کے راہنماؤں سے تبادلہ خیال کر سکوں۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب میں ڈھاکہ پہنچا تو وہاں پر میرا کالی جھنڈیوں سے استقبال ہوا' جبکہ ہر طرف بنگلہ دیش کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ حکومت کا کنٹرول ختم ہو چکا تھا اس لئے عوامی لیگ کی مرکزی کمان مختلف ایجنسیوں کو احکامات جاری کر رہی تھی۔ یہ زیادہ تر منفی تھے مثلاً ٹیکس یا مالیہ ادانہ کرو' فیکٹریوں اور کاروباری مراکز میں کام کرنا بند کر دو۔ دوسرے الفاظ میں مکمل سول نافرمانی کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ شہریوں کی زندگی معطل ہو کر رہ گئی تھی اور جو چیز بڑی تیزی کے ساتھ ہو رہی تھی اور جس کا ہمیں بعد ازاں علم ہوا' وہ غیر بنگالیوں کا قتل عام' ان کی جائیداد کی لوٹ مار' عوامی لیگ کے مخالفوں کا قتل اور ان کی خواتین کی عصمت دری' اور اس طرح کے دیگر خوفناک اور ہولناک جرائم تھے جو بعد کے ہفتوں اور مہینوں میں منظر عام پر آئے۔ فوج بیرکوں میں تھی اور عوامی لیگ کی ہائی کمان کے حکم پر ان کو ہر قسم کی سپلائیز بند کر دی گئی تھیں۔ فوج اپنے خشک راشن پر گزارہ کر رہی تھی۔ فوج کو دی جانے والی گالیاں اس قدر گندی اور غلیظ تھیں کہ ایسی گالیاں کسی غیر ملکی فوج کو بھی نہیں دی جا سکتی تھیں مثلاً

مغربی پاکستان کے فوجی کتو واپس جاؤ۔

یحییٰ کے کتو واپس جاؤ۔

1965ء کی جنگ کے شکست خوردہ کتو۔

ہم تم کو خلیج بنگال میں پھینک دیں گے۔

یہ سب کچھ کھلے عام بنگالی پریس میں چھاپا جا رہا تھا۔ ان میں سے بدترین زبان اس اخبار کی تھی جو شیخ مجیب کے اپنے زیر نگرانی چلتا تھا اس کا نام دی پیپلز (The Peoples) تھا۔ کسی نے بھی ہمارے جوانوں کے نظم و ضبط کی تعریف نہ کی جنہوں نے ان تمام حالات میں ضبط اور برداشت کا مظاہرہ کیا۔ کوئی اور فوج ہوتی تو وہ اس پر بہت سخت رد عمل کا اظہار کرتی' لیکن ہماری فوج نے نظم و ضبط اور ڈسپلن کا شاندار مظاہرہ کیا۔

میں نے پہنچتے ہی فوراً شیخ مجیب اور اس کے مشیران کے ساتھ اپنی ملاقات کا اہتمام

کیا۔ شیخ نے مجھے بڑے واضح انداز میں بتا دیا کہ وہ مغربی پاکستان کے ساتھ سابقہ شرائط اور بنیاد پر نہیں رہ سکتے۔ مجھے ان کے چاروں مطالبات بھی پیش کئے گئے (جن کو پیراگراف 23 میں درج کیا جا چکا ہے) اور قومی اسمبلی کے دو علیحدہ علیحدہ اجلاس ایک مغربی پاکستان کے ممبران قومی اسمبلی کیلئے اور دوسرا مشرقی پاکستان کے ممبران قومی اسمبلی کے لئے بلائے جائیں۔ دونوں اسمبلیاں اپنے دو علیحدہ آئین بنائیں اور اس کے بعد وہ ایک مشترکہ اجلاس منعقد کریں جس میں وہ طے کریں کہ آیا ان کو آئندہ اکٹھے رہنا بھی ہے کہ نہیں۔ حکومت کے جاری کردہ وائٹ پیپر میں یہ امور بڑی تصریح اور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ مسلسل کئی دن اس نکتے پر گفتگو کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کا مطالبہ کسی صورت میں قابل عمل اور قابل قبول نہیں ہے۔ میں نے مغربی پاکستان کے پارلیمانی لیڈروں کو ڈھاکہ بلانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوں جو وہاں شرکت کیلئے پہنچے ان میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو' خان عبدالولی خان' جناب دولتانہ' جناب مولانا مفتی محمود' خان عبدالقیوم خان' سردار شوکت حیات خان' جناب بزنجو اور چند ایک دوسرے حضرات شامل تھے۔

میں نے تمام کیس ان کے سامنے رکھا اور کہا کہ میری بات کی تصدیق کیلئے وہ شیخ مجیب سے خود ملاقات کر لیں۔ وہ تمام لوگ عوامی لیگ کے موقف میں ایک صریحاً تبدیلی پر حیران رہ گئے۔ یہ تمام لوگ شیخ مجیب سے اکٹھے اور علیحدگی میں ملاقاتیں کرنے کے بعد میرے پاس آئے اور بتایا کہ شیخ مجیب کے تمام مطالبات ان کے لئے قابل قبول نہیں اور یہ مطالبات مکمل علیحدگی پر منتج ہوں گے۔ میں نے ان سے مشورہ مانگا کہ اس صورت میں میں کیا کروں؟ ان کے پاس میرے لئے کوئی مشورہ نہیں تھا انہوں نے کہا: "یہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں"۔ مسٹر بھٹو واحد راہنما تھے جنہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں حکومت کے اختیارات حال کر دوں کیونکہ پاکستان کو اس طرح ٹوٹنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ میں نے امن عامہ کی بحالی کے منصوبے پر اپنے سٹاف جرنلوں سے جو وہاں موجود تھے اس بارے میں

صلاح مشورہ کیا۔ وہاں پر اس وقت جنرل حامد' جنرل ٹکا خان' جنرل پیرزادہ' جنرل عمر' جنرل مٹھا' جنرل راؤ فرمان علی خان اور جنرل خادم رضا وغیرہ موجود تھے۔ ہم نے ایک پروگرام بنایا جس کے تحت یہ طے کیا کہ امن و امان بحال کیا جائے اور حکومت کے اختیارات اس کو واپس دلائے جائیں۔

یہ 25 مارچ 1971ء کی رات کا ذکر ہے کہ فوج بیکوں سے باہر آئی اور امن و امان کی بحالی کے اپنے پروگرام پر عملدرآمد کیلئے مختلف مقامات کیلئے روانہ ہوگئی۔ میں نے یہ خصوصی ہدایات دی تھیں کہ کم سے کم قوت استعمال کی جائے اور باغیوں کے تقریباً تمام کے تمام راہنماؤں کو مع شیخ مجیب گرفتار کرلیا جائے۔ میں نے یہ خصوصی ہدایت بھی دی تھی کہ شیخ مجیب یا کسی دوسرے لیڈر کو کسی بھی قسم کی جسمانی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ شیخ مجیب اور ڈاکٹر کمال حسین کے علاوہ دیگر تمام راہنما فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے جو بعد میں کلکتہ میں منظر عام پر آئے۔ ہمارے اوپر الزام ہے کہ ہم نے ڈھاکہ پہنچنے سے قبل ہی فوجی آپریشن کے بارے میں فیصلہ کرلیا تھا۔ میرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم واقعی پہلے سے تیاری کرتے تو کیا ان میں سے کوئی بھی بنگالی لیڈر بھارت فرار ہونے میں کامیاب ہوسکتا تھا؟ فوجی آپریشن کے بعد گھنٹوں کے اندر باغیوں کی تیاریاں طشت از بام ہو کر منظر عام پر آ گئی تھیں۔ ڈھاکہ میں فوجی جوانوں کو یونیورسٹی اور کالج کے ہاسٹلوں میں سے مشین گنوں کی باڑوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں لڑکیوں کے ہاسٹل بھی شامل تھے۔ اگرچہ یہ کالج اور یونیورسٹیاں خاصے دن قبل ہی بند کر دیئے گئے تھے اور ان عمارتوں میں اس وقت کوئی باقاعدہ طالب علم نہیں تھا۔ ان عمارتوں میں بھاری تعداد میں باغی جمع ہوگئے تھے جو کہ ہلکی خودکار مشین گنوں' مارٹرز اور گولہ بارود کی بھاری مقدار سے مسلح تھے۔ 26 مارچ کی صبح پولیس اور مشرقی پاکستان رائفلز کی بٹالین نے بغاوت کردی اور گولہ بارود لے کر فرار ہونے لگے۔ ایسے میں انہوں نے اپنے غیر بنگالی آفیسروں اور ان کے خاندانوں تک کو قتل کرنے سے گریز نہ کیا۔ اب تو حد ہوگئی تھی اور اب یہ ایک مسلح بغاوت کی صورت اختیار کرگئی تھی جس کا ہماری فوج کو سامنا تھا۔ اب یہ ایک عام

امن و امان کا مسئلہ نہیں تھا۔ اب ہمیں ایک مسلح بغاوت کا سامنا تھا۔ جیسے ہی فوج نے ڈھاکہ کو صاف کیا اور ان باغیوں کے تعاقب میں دیہاتی علاقوں کا رخ کیا تو مزاحمت اور شدید صورت اختیار کر گئی۔ یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ بھارت کے فوجی جو کہ گولے اور بارود بہت بھاری مقدار میں لے کر ان علاقوں میں پہنچ چکے تھے ان باغیوں کے ہم رکاب تھے۔

ہم نے محسوس کرنا شروع کیا کہ بھارتی حملے کے خلاف فوجی قوت کا عمومی انداز جو ہم نے اس سے قبل لگایا تھا وہ بھارتی حملے کا جواب دینے کیلئے خاصا کم تھا۔ اس شدت کے ساتھ حملہ کرنے کی متوقع قوت دستیاب نہیں تھی جو اس طرح کے حملے کیلئے ضروری ہو سکتی ہے۔ ہمیں اس صورتحال کا سامنا کرنے کیلئے مزید افرادی قوت درکار تھی۔ ہم نے مغربی پاکستان سے کمک کیلئے پیغامات ارسال کرنا شروع کر دیئے۔ ہم نے تاریخی ہوائی رابطے کے ذریعے مشرقی پاکستان گیریژن کو ہفتوں میں دو ڈویژن افواج پہنچائی جس پر دنیا اور خصوصاً فوجی ماہرین حیران رہ گئے حالانکہ یہ کمک پہنچانے کا راستہ بھی بہت لمبا تھا اور ہمیں سیلون کے رستے ادھر پہنچنا پڑتا تھا۔ اس کا کریڈٹ ہمارے منصوبہ سازوں کے علاوہ قومی اداروں پی۔ آئی۔ اے قومی جہاز ران کمپنی (نیشنل شپنگ کارپوریشن) ریلوے اور اس طرح کے دیگر اداروں اور ایجنسیوں کو جاتا ہے جنہوں نے اس سارے آپریشن میں حصہ لیا۔

دو ماہ ہی میں باغیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی۔ اب ہمیں بھارت کی طرف سے کھلی اور شرمناک فوجی مداخلت کا سامنا تھا۔ نہ صرف بھارتی فوج ان باغیوں کو کھلے عام مدد اور تربیت فراہم کر رہی تھی بلکہ ان باغیوں کو مشرقی پاکستان کی سرحد کے ساتھ قائم 23 کیمپوں میں باقاعدہ تربیت دی جا رہی تھی اور ان کو جدید ہلکے اور درمیانے قسم کے ہتھیاروں سے مسلح کر کے واپس بھی بھیجا جا رہا تھا تاکہ وہ ہمارے دستوں کے خلاف جاری باغیوں کی کاروائیوں میں شریک ہو سکیں۔ بھارتی افواج کی مداخلت کی یہ داستانیں اور ان کی دیگر سرگرمیوں کی رپورتاژ جی۔ ایچ۔ کیو میں آسانی سے دستیاب ہو جائے گی۔ میں صرف یادداشت کی بنا پر ان کو دوبارہ شمار نہیں کر سکتا۔

انڈیا کا یہ پروپیگنڈہ روز بروز زور پکڑتا جا رہا تھا کہ پاکستان کا سیاسی اور مالی دارالحکومت بھارت میں بن گیا تھا کیونکہ دونوں شعبوں کے افراد بڑی تعداد میں بھاگ کر بھارت پہنچ گئے تھے اور اب بھارت کھلے عام ہماری فوجی مخالفت پر اتر آیا تھا۔ سرحدوں میں مسلسل بمباری جس میں بعض اوقات ہوائی حملے بھی شامل ہوتے روزانہ کا معمول بن گئی تھی۔

اب میں ان اقدامات کی تفصیل بیان کروں گا جو میں نے مارچ 1971ء سے لے کر حالات کو درست کرنے کیلئے بین الاقوامی طور پر اٹھائے۔ میرے خیال میں یہ اس کیس کے ساتھ انصاف نہ ہوگا کہ میں ان معاملات کی صرف ایک ہلکی سی تصویر دے کر آگے گزر جاؤں۔ میں کمیشن سے درخواست کروں گا کہ وہ ان سارے پیغامات کا ریکارڈ طلب فرمائے جن کا تبادلہ مختلف دوست ممالک سمیت بڑی طاقتوں کے سربراہوں سے میرے دوران اس عرصہ میں ہوا۔ خصوصاً میں سفارش کروں گا کہ چین، روس، امریکہ کے سربراہوں اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے ساتھ ہونے والی خط وکتابت کا ریکارڈ ضرور طلب کیا جائے۔ سیکرٹری خارجہ مسٹر سلطان کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان معاملات کا ریکارڈ پیش کرے۔ ان دستاویزات کا مطالعہ بھی آپ پر یہ بات عیاں کر دے گا کہ میں نے کس قدر جانفشانی سے اقوام عالم کو یہ بتانے کی سعی کی کہ بھارت ہمارے اندرونی معاملات میں کس قدر ننگے طریقے سے مداخلت کر کے ہمارے اوپر جنگ مسلط کر رہا ہے۔ حالات کا صحیح رخ جاننے کیلئے ان دستاویزات کا مطالعہ بہت ہی ضروری ہے۔

میں پاکستان کے بین الاقوامی تعلقات کا ایک اور پہلو یہاں بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جس سے ہمارے سول و فوجی دونوں حکام بھی شاید آگاہ نہیں اور وہ چین اور امریکہ کے درمیان حالیہ تعلقات کی بحالی ہے۔ قوم اور خصوصاً دنیا نہیں جانتی کہ میں نے ان دو عظیم طاقتوں کو کس طرح ایک دوسرے کے قریب کیا تاکہ اپنے مستقبل کے بارے میں ایک میز پر بیٹھ کر گفتگو کر سکیں۔ اس کا آغاز تب سے ہوا جب جولائی 1969ء میں صدر نکسن نے ایک دن کیلئے پاکستان کا دورہ کیا۔ مجھے ان دونوں بڑی طاقتوں کو ایک ایسے نکتے لانے میں کہ جہاں وہ

باہمی گفتگو کرنے پر راضی ہو سکیں۔ دو سال شدید محنت کرنا پڑی ان دونوں اقوام نے ہمیں جو احترام دیا وہ میرے بیان سے باہر ہے۔ اسی لئے میرے خیال میں یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان دونوں ممالک نے ہمیں سفارتی اور بین الاقوامی محاذوں پر ہر قسم کی مدد فراہم کی بد قسمتی سے یہ مدد اس مدد کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی جو روس کھلے عام بھارت کو فراہم کر رہا تھا لیکن میں ان دوست ممالک کو "کچھ اور" کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

چونکہ مشرقی پاکستان میں ہمارے دستے بغیر کسی آرام، سکون اور وقفے کے مسلسل جنگ کر رہے تھے اس لئے نقصانات میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا خصوصاً اس صورت میں جب کہ بھارت نے درمیانی ہتھیاروں، مارٹر گنوں، فیلڈ گنوں اور ہوائی حملوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ 20 نومبر کو بھارتی فوج نے مشرقی پاکستان پر باقاعدہ حملہ کر کے ہمارے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور پاکستانی علاقوں میں مزید پیش قدمی شروع کر دی۔ یہ واضح تھا کہ ایک باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ میں بار بار قومی اور بین الاقوامی سطح پر واضح کر رہا تھا کہ مشرقی پاکستان کے کسی حصے پر بھی حملہ پاکستان کی سلامتی پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ ملک میں ایک عمومی سوال پوچھا جا رہا تھا کہ اب ہم کس چیز کے انتظار میں تھے۔ اسی اثناء میں بھارتیوں نے آزاد کشمیر میں ہماری سرحدوں کی خلاف ورزی شروع کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی طرف سے ہماری ہوائی حدود کی خلاف ورزیوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ میں نے جی ایچ کیو میں ایک اجلاس طلب کیا جس میں چیف آف آرمی سٹاف، فضائیہ کے سربراہ، کمانڈر آف جنرل سٹاف اور دیگر جی ایچ کیو کے آپریشنل جنرل صاحبان شریک ہوئے۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر ہم نے فوری طور پر رد عمل کا اظہار نہ کیا تو بھارتی مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس علیحدگی کے بعد وہ مغربی پاکستان کا رخ کریں گے۔ فضائیہ کے سربراہ نے اس امر کی اجازت طلب کی کہ ان کو بھارت ہوائی مستقروں پر حملوں کی اجازت دے دی جائے تاکہ وہ بھارت کی فضائیہ کو کوئی زک پہنچا کر اس کے حملوں میں کوئی کمی کر سکیں، کیونکہ بھارتی فضائیہ کی عمومی جسامت ہم سے بڑی تھی اور وہ اس قدر جدید ہتھیاروں

سے مسلح تھے کہ جب جنگ کا آغاز ہوا تھا تو وہ مغربی پاکستان پر حملوں میں اپنی مرضی اور منشا سے جہاں چاہتے اور جس طرح چاہتے حملہ کرتے اور تباہی پھیلا رہے تھے۔ حالات کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے میں نے یہ صرف فضائیہ بلکہ بری اور بحری افواج کو بھی کھلی جنگ کی اجازت دے دی تاکہ وہ بھارت افواج کی ننگی اور شرمناک کھلی جارحیت کا مقابلہ کر سکیں جس کا سامنا اس وقت ملک کو کرنا پڑ رہا تھا۔ 3 دسمبر کی شام کو ہماری فضائیہ نے حملہ کیا اور اسی رات ہماری بری افواج نے پیش قدمی شروع کی۔ ایک تلخ اور شدید جنگ ملک کے مغربی محاذ پر لڑی گئی اور یہ جنگ ابھی جاری تھی کہ اقوام عالم بیدار ہو گئیں اور اقوام عالم میں اس جنگ کے موضوع پر بحث و مباحثے کا آغاز ہو گیا۔ اتفاقاً میں نے اس صورت حال میں جناب نور الامین اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے مشورہ کیا جنہوں نے مجھ سے کہا کہ مغربی پاکستان میں ایک کھلی جنگ بہر حال زیر ہو گئی ہے۔ اسی اثناء میں' میں نے مسٹر بھٹو سے کہا کہ جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کیلئے جانے والے پاکستانی وفد کی قیادت کریں۔ جب سلامتی کونسل کہ جہاں روس کا ویٹو ہمارے سامنے تھا' اس مسئلے پر بحث کر رہی تھی تو عین اس وقت بھارتی افواج روس کی پوری مدد سے مشرقی پاکستان کو چاروں طرف سے گھیر کر ایک بے یار و مددگار ریاست بنانے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔ مشرقی کمان سے موصول ہونے والی روزانہ کی رپورٹیں وہاں کی مایوس کن صورتحال کی تصویر کشی کرتی تھیں۔ بھارت کی تقریباً دس ڈویژن سے زائد افواج نے جس کو ایک بہت بڑی فضائیہ کی طرف سے "ہوائی چھتری" بھی حاصل تھی وہاں پر موجود ہماری ایک ڈویژن فوج پر مکمل طور پر قابو پا کر اس کو بے بس کر دیا تھا خصوصاً جب مشرقی پاکستان کو بحری اور بری راستوں سے دنیا بھر سے کاٹ دیا گیا تھا اور وہاں کمک پہنچانے کا کوئی ذریعہ یا انتظام نہ تھا۔

9 دسمبر کے دن مجھے ڈاکٹر ملک (گورنر ڈھاکہ) اور جنرل نیازی کا پیغام موصول ہوا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ بھارتی فضائیہ کی شدید بمباری اور حملوں سے ڈھاکہ اور دوسرے مقامات پر اس قدر شدید جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے کہ بہت زیادہ دیر تک حالات پر قابو رکھنا

مشکل ہو گا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر اگلے دو دنوں میں کچھ نہ ہوا تو ڈھاکہ کا سقوط ہو جائے گا۔ اس پر میں نے چیف آف آرمی سٹاف اور فضائیہ کے سربراہ کو طلب کیا اور ان سے مشورے کے بعد ایک پیغام بھیجا۔ میں نے کہا کہ چونکہ ہمارا راستہ ایک دوسرے سے قطعی طور پر منقطع ہو چکا ہے اس لئے میں حالات کے براہ راست مشاہدے سے اندازہ نہیں لگا سکتا چنانچہ میں یہ آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں کہ آپ جنرل نیازی کے مشورے سے کوئی بھی مناسب عملی اقدام اختیار کریں جو آپ اپنی سویلین آبادی کو بھارتی قتل عام سے بچانے کیلئے ضروری خیال کریں۔

10 دسمبر کو جنرل نیازی نے مجھے ایک پیغام بھیجا جس کے ساتھ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے نام بھی پیغام منسلک تھا۔ اس مضمون میں فوری طور پر جنگ بندی' سیاسی اقتدار کی بنگالیوں کے نمائندوں کو منتقلی اور مسلح افواج کی مغربی پاکستان واپسی شامل تھی۔ اس نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو یہ پیغام ارسال کرنے کی مجھ سے اجازت طلب کی تھی۔ میں نے پھر فضائیہ چیف آف آرمی سٹاف سے مشورہ کیا اور ان کو یہ اس مشورے کے ساتھ واپس بھیج دیا کہ اس پیغام کے مندرجات اس سے بہت آگے چلے گئے ہیں جس حد تک گورنر صاحب آپ کو اجازت دی گئی تھی۔ عوامی لیگ کے نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی اور وہاں سے افواج پاکستان کے انخلاء کا اصل مطلب مشرقی پاکستان کی علیحدگی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مشرقی پاکستان میں خونریزی کے فوری خاتمے کیلئے اس کو مشرقی پاکستان کے محاذ پر مقامی بھارتی فوجی کمانڈر کے ساتھ جنگ بندی کی بات کرنا چاہیے۔ اس موقع پر میں نے تصریح کے ساتھ یہ کہا کہ ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ان مذاکرات میں پاکستانی افواج کی سلامتی کو یقینی بنائے اور وہاں کی سویلین آبادی کے خلاف حملہ نہ کرنے کی یقین دہانی حاصل کرے۔

اس سے قبل کہ ہم یہ پیغام ڈاکٹر ملک کو بھیجتے ہمیں معلوم ہوا کہ ہمیں منظوری کے لئے بھیجا جانے والا پیغام جو اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کو بھیجا جانا تھا وہ جنرل راؤ فرمان

علی خان نے ڈاکٹر ملک کی مرضی سے یاان کی مرضی کے بغیر 'اقوام متحدہ کے سفیر برائے مہاجرین و بحالی متعینہ ڈھاکہ کے حوالے کر دیا جنہوں نے اسے فوراً واشنگٹن میں موجود سیکرٹری کو بھیج دیا ہے جب ہمارے علم میں یہ بات آئی تو ہم نے یہ پیغام جو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بھیج دیا گیا تھا اسے فوراً کینسل کر دیا۔

15 دسمبر کو جنرل نیازی کی طرف سے ایک پیغام موصول ہوا جس میں مجھے مطلع کیا گیا تھا کہ امریکی قونصل جنرل متعینہ ڈھاکہ کو ڈھاکہ اور دیگر شہروں میں مقیم لاکھوں شہریوں کی زندگیاں بچانے کیلئے مندرجہ ذیل شرائط اور طریقہ کار پیش کیا ہے :۔

i۔ دونوں حریف فوجوں کے کمانڈروں کی طرف سے باہمی طور پر طے شدہ مقامات پر پاکستانی افواج کو پھر اکٹھا کیا جائے۔

ii۔ فوجی اور نیم فوجی دستوں کی سلامتی کی یقین دہانی کرائی جائے۔

iii۔ ان تمام لوگوں کی سلامتی کی یقین دہانی جو 1947ء سے ہی مشرقی پاکستان میں آباد ہو چکے ہیں۔

iv۔ ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہو جنہوں نے مارچ 1971ء سے اب تک انتظامیہ کے ساتھ تعاون کیا تھا۔

جنرل نیازی نے مزید بیان کیا تھا کہ پاکستان کی مسلح افواج اپنا آپریشن بند کر دیں گی۔

یہ ہے اس وقت مشرقی پاکستان میں جنگ بندی کی ساری کہانی جسے میں ذاتی طور پر نہ تو شکست کہتا ہوں اور نہ ہی اسے فوجی اصطلاح میں واقعی ہتھیار ڈالنا کہا جا سکتا ہے۔ یہ دراصل اس بھارتی فوج کا معاملہ ہے جو ہمارے مقابلے میں بہت بڑی 'انتہائی اعلیٰ ہتھیاروں سے لیس اور ایک بہت بڑی طاقت روس کی پشت پناہی کی حامل تھی۔ جس نے صورتحال کو مشرقی پاکستان میں اس حالت کو پہنچا دیا تھا۔ یہ مشرقی پاکستان کی عجیب و غریب جغرافیائی صورت حال تھی جس نے اس کو تمام دنیا سے امدادی راستوں سے کاٹ کر اس کی تمام

سرحدوں کو محاذ جنگ بنا دیا تھا۔ یہ دو مخالف فوجوں کے درمیان سیدھا راستہ جنگ کا معاملہ نہیں 'یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں ایک طرف قدرتی جغرافیائی حالات مخالفت میں جا رہے تھے جبکہ دوسری طرف ہمیں ایک بڑے بھاری بھرکم دشمن کا سامنا تھا۔ ڈھاکہ جو کہ ہمارا واحد ایئرپورٹ تھا کہ جس کو جیٹ جہاز استعمال کرتے تھے 'اس کو اس قدر نقصان پہنچا تھا کہ وہ ناقابل مرمت ہو گیا تھا اور اب ہمارے چھوٹے جنگی جہاز اس کو استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اس حالت نے بھارتی فضائیہ کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ ہمارے شہریوں اور فوجی ٹھکانوں پر جس طرح چاہیں حملے کریں 'حتیٰ کہ ان جیٹ طیاروں نے گورنر ہاؤس ڈھاکہ کو بھی اپنے حملے کا نشانہ بنایا۔ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی فوجی تاریخ دان اس کو فوجی شکست سے تعبیر نہیں کر سکے گا۔" یہ صرف اور صرف بھارتیوں کی دھوکہ بازی تھی"۔

دوسرا اہم نکتہ جس کے بارے میں انکوئری کمیشن نے مجھ سے استفسار کیا ہے وہ مغربی پاکستان میں جنگ بندی کا معاملہ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ انکوائری نے اس معاملے سے متعلق مجھ سے استفسار کیوں کیا ہے کیونکہ یہ تو ایک بین الاقوامی طور پر معلوم شدہ حقیقت ہے 'تاہم میں مختصراً بیان کروں گا کہ جس کے تحت اس حصے میں جنگ بندی عمل میں آئی۔

جب بھارتی افواج نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا تو وہ اس حملے میں اکیلی نہیں تھیں بلکہ ان کو روس کی پوری طرح مدد اور حمایت حاصل تھی۔ مادی مدد جہاز 'توپوں ٹینکوں اور میزائلوں کے علاوہ روسی مشیر اور جنگی امور کے ماہرین بھی بھارت کو مہیا کئے جا رہے تھے۔ اس طرح کی دو مثالیں بڑی واضح تھیں 'ایک تو بھارتی افواج روس کی نصف درجن سے زائد بڑے مسافر بردار جہاز اپنے فوجی مقاصد کیلئے مغربی پاکستان کے جنوبی اور مغربی محاذوں پر استعمال کر رہی تھی جس کا نوٹس ہمارے ایئرمینوں نے لیا۔ یہ جہاز دراصل اڑتے ہوئے قلعے تھے جو ہر قسم کے الیکٹرانک آلات سے مسلح تھے اور وہ بڑی سرعت سے بھارتی ہوابازوں کی ان کے مقررہ نشانوں تک رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ جہاز بھارتی جہازوں کو ہماری طرف سے کسی پیش آمدہ خطرے کی پیشگی اطلاع بھی دے دیتے

تھے۔ یہ جدید ترین سہولت جو بھارتی افواج کو حاصل تھی اتنی زبردست تھی کہ جس نے ہوائی جنگ کا عمومی نقشہ تبدیل کر کے رکھ دیا اور ہوائی دفاع تو ویسے بھی جدید دور میں بہت اہم شعبہ ہوتی ہے۔ اس کی رپورٹ ہماری فضائیہ کے سربراہ پہلے ہی دے چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جدید میزائلوں سے مسلح بہت سے کشتیاں ہمارے کراچی کے ساحل پر گشت کر رہی تھیں۔ یہ بات بعد میں ہمارے علم میں آئی کہ وہ میزائل جنہوں نے کراچی کی بندرگاہ پر واقع ہمارے تیل کے ذخیروں کو مسلسل نشانہ بنایا وہ انہی کشتیوں سے چلائے گئے تھے۔ یہ امر بہت قابل ستائش ہے کہ ان تمام مشکل حالات کے باوجود ہماری فضائیہ نے دشمن کے ڈیڑھ سو سے زائد طیاروں کو مار گرایا۔ اگر بھارت کو روس کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو ان نقصانات سے ان کی کمر ٹوٹ سکتی تھی لیکن چونکہ بھارت کو روس کی طرف سے ہر قسم کے جدید ہتھیاروں کی سپلائی جاری تھی اس لئے یہ چیزیں اس کے لئے ذرا برابر بھی اہمیت کی حامل نہ تھی۔ ہماری بری فوج بھی محاذ پر بڑی بہادری سے لڑی لیکن وہ بھارتی افواج کی جنگی پوزیشنوں میں چند ہی شگاف ڈالنے میں کامیاب ہوئی اور اس کی وجہ وہی ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ان کو اپنی فضائیہ کی مکمل حمایت حاصل تھی جو کہ ہمیں نہ تھی۔ علاوہ ازیں ان کو روس کی بھارتی مدد بھی حاصل تھی۔

میں واضح طور پر بھارتی افواج کے اس جنگ میں اغراض و مقاصد اور طریقہ کار کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کی زمینی افواج زیادہ بہادر اور جان لڑانے والی نہیں تھیں۔ ان کے ہوائی جہازوں نے پاکستان کے اقتصادی مراکز کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ مثال کے طور پر انہوں نے ہمارے تیل کے ذخائر واقع کراچی اور اٹک آئلز پر حملہ کیا۔ وہ قدرتی گیس کے مراکز پر حملے کر رہے تھے۔ وہ ہمارے ریلوے سٹیشنوں اور دوسرے ریلوے کے آلات مثلاً ریلوے انجنوں وغیرہ پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ انہوں نے ہمارے پانی اور بجلی کے منصوبوں مثلاً منگلا ڈیم پر حملے کرنے کی کوشش کی۔ یہ حملے صرف اس لئے کئے جا رہے تھے کہ پاکستان کی اقتصادیات کو تباہ و برباد کیا جا سکے۔ ان حملوں کی شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا

چلا جا رہا تھا۔ وہ اس وقت مغربی پاکستان میں ہمارے اقتصادی مقامات کو نشانہ بنا رہے تھے جبکہ دوسری طرف وہ مشرقی پاکستان پر قبضے کی طرف جا رہے تھے تاکہ قبضے کی تکمیل کے بعد اپنی فضائیہ کی تمام صلاحیت ایک ہی وقت میں مغربی پاکستان پر استعمال کر کے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ مغربی سرحد پر متعین ان کی فوج کو مشرقی سرحد کی 5 سے 6 ڈویژن افواج کی واضح مدد بھی حاصل ہو، طاقت کا توازن اس قدر خراب کر دینا چاہتے تھے کہ وہ مغربی پاکستان پر بھی آسانی سے قابض ہو جائیں۔ یہ ہماری اس وقت کی فوجی صورتحال تھی۔

بین الاقوامی سطح پر بھی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی بھی جنگ بندی کی درجنوں قراردادوں پر بحث کر چکی تھی۔ ان سب میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ بندی، فوجوں کی واپسی اور مسئلے کے سیاسی حل پر زور دیا گیا تھا لیکن ان میں سے کسی ایک پر بھی روسی ویٹو کی وجہ سے عمل درآمد نہ ہو سکا۔ اس بات کے پیش نظر یہ مسئلہ جنرل اسمبلی میں پیش ہوا اور ووٹوں کی بھاری تعداد کی اکثریت سے یہ قرارداد پاس ہوئی کہ پاکستان اور بھارت فوجی طور پر جنگ بندی کر دیں۔ اس قرارداد کے حق میں 105 ووٹ آئے۔ ان 105 ممالک میں پاکستان بھی شامل تھا جب کہ بھارت روس اور روس کے زیر اثر ممالک نے قرارداد کی مخالفت میں ووٹ دیا۔

جب مشرقی پاکستان کا سقوط ہو گیا تو میں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا اور کہا مشرقی پاکستان میں عارضی شکست کے باوجود ہم مغربی پاکستان میں جنگ جاری رکھیں گے۔ یہ ایک حقیقت تھی اور ہم ایسا کرنے میں حق بجانب بھی تھے کیونکہ سلامتی کونسل کی اتنی زیادہ اکثریت سے پاس کردہ قرارداد کا بھی صورتحال پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت جو کہ اسے جنرل اسمبلی میں مسترد کر چکا تھا اس نے اس قرارداد کو سقوط مشرقی پاکستان کے بعد قبول کر لیا۔ اگر اس موقع پر پاکستان اس مسئلے پر "نہ" کہہ دیتا تو ہمارے گزشتہ موقف کو جس میں ہم اس قرارداد کو منظور کر چکے تھے شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کے وفد کے سربراہ کا تاریخی کردار اور عمدہ کارکردگی بھی

ہمیشہ یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔ انہوں نے بڑی طاقتوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی باتوں میں پھنس کر وقت ضائع کر رہے ہیں اور اس امر کا انتظار کر رہے ہیں کہ ڈھاکہ کا سقوط واقع ہو جائے اور اس کے بعد وہ کوئی بامعنی قرار داد پاس کریں۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ ہمارا وفد مسلسل دنیا کے دروازے پر دستک دے رہا تھا کہ وہ اس جانی نقصان کو ختم کرانے کیلئے اپنا کردار ادا کریں۔

16 دسمبر کو جب اندرا گاندھی نے جنگ بندی قبول کی' میں نے اپنی بری اور فضائیہ کے سربراہان کا فوری اجلاس طلب کیا تاکہ اس درپیش صورتحال پر غور کیا جا سکے۔ ہم سب لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ مشرقی پاکستان کے سقوط کے بعد بھارت کا یہ ارادہ ہے کہ وہ اپنی تمام مسلح افواج کا رخ چپے کچھے مغربی پاکستان کی طرف کر دے گا اور ہمارے لئے اس کا مقابلہ اس صورت میں اور بھی مشکل ہو گا جب کہ اس کی فضائیہ ہمارے اقتصادی مراکز کو چن چن کر نشانہ بنائے گی اور ایسا کرنے میں اس کو دنیا بھر کی بڑی طاقتوں کی مدد و معاونت حاصل ہو گی اور ظاہر ہے ان کا اگلا نشانہ پاکستان کے بھاری اسلحہ مثلاً ٹینک اور توپوں وغیرہ کی تباہی تھی۔ جب یہ اجلاس جاری تھا تو میں نے وفاقی حکومت کے تمام سیکرٹریوں کو اس اجلاس میں شرکت کیلئے بلا لیا۔ ان میں میرے اقتصادی امور کے مشیر' دفاع کے سیکرٹری' خزانہ کے امور کے سیکرٹری' وزارت صنعت کے سیکرٹری' سیکرٹری خارجہ' سیکرٹری اطلاعات اور اس طرح کے چند دیگر حضرات شامل تھے۔ اتفاقاً یہ تمام سیکرٹری ایک ایمر جنسی کونسل کے ممبر بھی تھے جو کہ جنگ کے دنوں میں روزانہ اپنا اجلاس منعقد کرتی تھی اور دوران جنگ سول اور فوجی حکومت کے باہمی تعاون کار اور اس کے تال میل پر غور کرتی تھی۔ جب میں نے وہاں موجود تمام لوگوں کے سامنے صورتحال تشریح کے ساتھ رکھ دی تو میں نے ان سے گزارش کی کہ وہ اس پر اپنا تبصرہ کریں۔ سیکرٹری خزانہ' جو کہ اس کونسل کے سب سے سینئر رکن بھی تھے کہنے لگے کہ وہ بذات خود اس معاملے پر غور کر رہے تھے اور اس مسئلے کے حوالے سے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ پاکستان کے پاس فی الوقت اس کے سوا

کوئی چارہ کار نہیں کہ پاکستان جنگ بندی قبول کر لے۔ ہم نے ذیل کے الفاظ پر مشتمل ایک پیغام پر اتفاق کیا۔

"اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی جو بھاری اکثریت یعنی 105 ووٹ کی اکثریت سے ایک قرار داد پاس کر چکی ہے اور جسے پاکستان نے قبول کیا تھا اور بھارت نے مسترد کر کے بعد ازاں قبول کرا لیا تھا اس کے حوالے سے پاکستان' مغربی پاکستان میں ہونے والے نقصانات کے خاتمے کیلئے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مغربی محاذ پر جنگ بندی کو یقینی بنائے جو کہ پاکستان کے محاذ اور آزاد کشمیر میں جنگ بندی لائن پر لاگو ہو۔ ہم سیکرٹری جنرل سے یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اقوام متحدہ کی پاس کردہ قرار داد کے پیش نظر پاک بھارت مشترکہ سرحد سے فوجی دستوں کی واپسی کے لئے مناسب انتظامات کریں"۔

یہ ہے مغربی پاکستان میں جنگ بندی' اس کے روبہ عمل آنے کی اصل کہانی! میرا خیال ہے کہ اس میں تمام وہی حقائق ہیں جو بین الاقوامی اور قومی سطح پر سب کو معلوم ہیں۔

قصہ مختصر یہ میرے گذشتہ اڑھائی سالہ دور حکومت میں پیش آنے والے واقعات کا مختصر احوال جیسا کہ میں نے شروع ہی میں عرض کیا تھا اپنی یادداشت کی مدد سے بیان کر لیا ہوں۔ یہ ہے آپ کے 72/ کے ضمیمہ الف میں کئے گئے استفسارات کا جواب۔ اگر میں کسی استفسار کا جواب نہیں دے پایا تو اس کی وجہ میری وزارت دفاع' وزارت خارجہ اور جنرل ہیڈ کوارٹر کی متعلقہ دستاویزات تک رسائی نہ ہونا ہے۔ اگر میرے گذشتہ بیان کئے گئے نقاط یا ان کے علاوہ کسی دیگر نکات پر میری طرف سے کسی وضاحت کی ضرورت ہو گی تو میں اس امر کو خوش آمدید کہوں گا' لیکن میں واضح کر دوں کہ کسی مزید سوال کا جواب میں صرف اس صورت میں ہی دے سکوں گا جب کہ مجھے متعلقہ دستاویزات فراہم کر دی جائیں اور حکومت' سول اور فوج کے متعلقہ افسران جو اس واقعے کے وقت میرے ساتھ' موقع پر موجود ہوں۔

سقوط پاکستان کے اس سارے معاملے میں مجیب کے بارے میں اس بات میں کوئی شک نہیں اور یہ بات اس کی رہائی کے بعد کے اخباری بیانات اور اس کے بعد کے رویئے سے

بھی واضح ہو چکی ہے کہ اس کے بھارت کے ساتھ قریبی روابط تھے۔ وہ جس طرح رہائی کے بعد لندن لور پھر وہاں سے دہلی گیا اور وہاں اس نے اندرا گاندھی کو خراج تحسین پیش کیا اور جس طرح کے شرمناک بیان دیئے وہ اسی امر کی غمازی کرتے ہیں۔

درخواست دہندہ

(دستخط) جنرل محمد یحییٰ خان

مشرقی پاکستان کے سابق گورنر

ایڈمرل ایس ایم احسن

وائس ایڈمرل ایم احسن نے جو پاکستان نیوی کے ایک سابق کمانڈر انچیف تھے۔ 4 اگست 1989ء کو وفات پائی۔

جب قائداعظم نے دریافت کیا کہ پاکستانی افسروں میں سے رائل پاکستان نیوی کا کمانڈر انچیف بننے کا اہل کون ہے تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے فوراً جواب دیا "لیفٹیننٹ احسن" نوجوان احسن اس وقت ہندوستان کے آخری وائسرائے کے نیوی کے اے ڈی کانگ (ADC) تھے۔

ایڈمرل مرحوم نے حمود الرحمٰن کمیشن کے روبرو جو بیان دیا تھا یہ اس بیان کی تلخیص ہے۔ تلخیص میں کوشش کی گئی ہے کہ اصلی مفہوم قائم رہے۔ بیان کی روح میں معمولی سا فرق نہ پڑے اور اقتباس یا ایڈیٹنگ میں سیاق و سباق سے انحراف نہ ہو۔

"میرا نام ایس ایم احسن (ایڈمرل احسن) ہے مجھے یکم ستمبر 1969ء کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا میں نے اس دن ڈپٹی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر (نیوی) اور ممبر کونسل آف ایڈمنسٹریشن برائے فنانس، پلاننگ کمیشن، انڈسٹریز، کامرس، فوڈ اور ایگریکلچر کے عہدوں میں چارج چھوڑا تھا۔ اسی دن مجھے پاکستان نیوی کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے جو میرا بنیادی عہدہ تھا حکومت نے جبری طور پر (Compulsorily) ریٹائر کر دیا تھا۔ کمانڈر انچیف (نیوی) کے عہدے پر میری خدمات کا عرصہ تین برس سے کم تھا۔

جب انتظامی کونسل کو ختم کر کے سول کابینہ بنائی جا رہی تھی میں نے درخواست کی

کہ مجھے دوبارہ نیوی میں جانے کی اجازت دی جائے۔ میں بحریہ میں 15 برس کی عمر میں شامل ہوا تھا۔ میری ابتدائی حیثیت ایک "سیلر" (Sailor) کی تھی میں نے بحریہ کی ملازمت کے 33 برس کے دوران دفاع اور جنگ کے بارے میں خاصا تجربہ حاصل کر لیا تھا اور بحریہ کے علاوہ مجھے مزید کچھ اور آتا بھی نہیں تھا۔ ایک پابند قانون شہری کی حیثیت میں مجھے سیاست سے شناسائی نہیں تھی تاہم سرکاری فرائض کی انجام دہی کے دوران مجھے چند سیاست دانوں سے ملنے کا موقع ملا تھا۔ نیوی کا کمانڈر انچیف مقرر کئے جانے سے قبل مجھے سات برس تک غیر پیشہ وارانہ قسم کی دوسری خدمات سونپی گئی تھیں اور یوں مجھے نیوی سے دور رکھا گیا تھا۔ اس عرصے میں میں نے چار برس بینکاک میں بھٹو کے ڈپٹی اور پھر چیف ملٹری پلاننگ افسر کی حیثیت میں کام کیا۔ اس کے بعد میں نے آوٹا (Awta) کے چیئرمین کے عہدے پر تین برس ڈھاکہ میں گزارے۔ مارشل لاء کے بعد مجھے سرکاری خدمات سونپی گئی تھیں ان کی وجہ سے میں نیوی کی پیشہ وارانہ زندگی سے دور ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نیوی کے نظر انداز شدہ قومی شعبے کو جدید بنانے اور اس کی تعمیر نو میں جو کردار ادا سکتا تھا' وہ سرانجام نہ دے سکا۔ قدرتی طور پر معینہ مدت سے قبل نیوی کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے ریٹائر ہو جانا مجھے گوارا نہیں تھا۔ میں نے نیوی میں خلوص دل سے ملازمت کی تھی اور مجھے کچھ کامیابی بھی نصیب ہوئی تھی۔

صدر یحییٰ خان اس بات سے آشنا تھے کہ میں سیاسی عہدہ قبول کرنے میں تامل کر رہا تھا۔ لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ مشرقی پاکستان کے مسائل اس وقت بہت الجھ چکے تھے اور انہیں کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس صوبے کا کچھ تجربہ رکھتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ بنگال کے لوگوں کے لئے میری کشادہ نظری اور ہمدردانہ رویہ قیمتی متاع تھی ان کی حکومت کی پالیسی اور مقصد یہ تھا کہ بنگالی عوام کے دل جیتے اور انہیں مستقبل کے منصوبوں میں شرکت پر آمادہ کیا جائے' مجھے مجبور کیا گیا کہ میں یہ عہدہ عوامی خدمات کے تحت قبول کروں اور اپنی ذاتی پسند و ناپسند اور نجی امور کو خاطر میں لاؤں۔

انتظامی لحاظ سے بنگال ہمیشہ ایک مشکل صوبہ رہا ہے۔ اس کے نظم و نسق کو کنٹرول میں رکھنا آسان نہیں۔ تاریخی اعتبار سے اس خطے نے انتشار اور بدامنی کے بہت سے ادوار دیکھے ہیں۔ یہاں کے لوگ سیاسی جدوجہد اور دور کی کوڑی لانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ اس خطے کا جغرافیہ اور آب و ہوا' آبادی کی کثرت اور معاشی بدحالی سب نے مل کر محرومی کا احساس پیدا کیا اور علیحدگی کے احساس کو فروغ دیا۔ نفرت مشرق اور مغرب یا مقامی اور غیر مقامی' چٹاگانگی اور ڈھاکائی اور امیر اور غریب کے درمیان ہی نہیں تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضا میں مابعد الطبیعاتی طور پر پرورش پا رہی تھی۔

میں نے نومبر میں حکومت کو متنبہ کیا کہ ہم پر شدید قسم کا دباؤ پڑ رہا ہے ہم تناؤ اور کھچاؤ کی کیفیت میں مبتلا اور شدید خطرات سے دوچار ہیں۔ اگرچہ اس وقت تک مسلح افواج نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا لیکن مستقبل میں اس کی گارنٹی دینا ممکن نہیں تھا۔ میں نے بتایا کہ میں جو منظر دیکھ رہا ہوں' اس میں حالات غلط رخ اختیار کر رہے ہیں اور بعض باتیں تو اتنی ضرر رساں ہیں کہ ان میں عوام اور فوج میں تصادم پیدا ہو سکتا ہے اور بعد میں واقعات نے غلط صورت اختیار کر لی تو ان سب کا الزام فوجی حکومت پر ڈال دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا اور متعدد دیگر وجوہات کی بناء پر میں نے اصرار کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو عام انتخابات منعقد کرا دیے جائیں۔ میں نے مارچ 1970ء کی کوئی تاریخ تجویز کی تھی لیکن مجھے کہا گیا کہ انتخابات اتنی جلدی کرانا ممکن نہیں۔ میں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ "برصغیر ہندوستان کو صرف چھ ہفتوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا"۔

یکم ستمبر اور 31 دسمبر 1969ء کے درمیان دو ایسے واقعات عمل میں آئے کہ ہمیں سول گورنمنٹ کی مدد کیلئے فوج کو طلب کرنا پڑا۔ (نومبر 1969ء میں ڈھاکہ میں بنگالی اور غیر بنگالیوں کے درمیان تصادم ہو گیا تھا ان فسادات میں غیر بنگالیوں کی دو کالونیاں میرپور اور محمد پور بہت زیادہ اثر انداز ہوئیں۔ مارشل لاء لگائے جانے کے بعد پہلی دفعہ فوج کو طلب کر لیا گیا تھا۔ اس فساد کے پیچھے ایسٹ پاکستان اسٹوڈنٹس لیگ کے دو ارکان سلیم اور منٹو کا ہاتھ

تھا۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا لیکن اب وہ ہیرو بن چکے تھے) فوج کے استعمال پر پورے صوبے میں مذمت کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چنانچہ اس کے خلاف نفرت تیزی سے پھیلنے لگی۔ میں شدت سے اس بات کا خواہاں تھا کہ فوجی فائرنگ کے دوران کوئی موت واقع نہ ہو' مجھے یقین تھا کہ اس سے عوامی رد عمل بہت شدت اختیار کر جائے گا۔ فوج کے علاوہ مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلے گی اور ہم خیر سگالی کی جو فضا بنانا چاہتے وہ پیدا نہ کی جا سکے گی۔

میں نے ان تمام عوام کا ذکر صدر پاکستان سے کیا اور سفارش کی کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم آہستہ آہستہ فوج کو شہری ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیں۔ مارشل لاء چونکہ جاری رہے گا اس لئے فوجی افسر اپنے حلقے میں رہیں گے۔ لیکن فوجی مداخلت کم ہو جائے گی۔

1970ء کے اوائل میں سیاسی پارٹیوں سے پابندی ختم کر دی گئی۔ سیاسی عمل کیلئے مارشل لاء احکامات جاری کر دیئے گئے۔ لیکن سیاسی سرگرمیوں پر جو پابندی لگی ہوئی تھی' وہ یہ تمں کا ڈھکنا ہٹتے ہی جن کی طرح باہر نکل آئیں۔ عوامی جلسوں میں بڑی تیزی سے تصادم ہونے لگے۔ تاہم اس دوران میں کوئی زیادہ خطرناک بات عمل میں نہیں آئی ابتداء ہی میں یہ حقیقت سامنے آگئی تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو مشرقی پاکستان میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ اس کے بعد یہ بھی واضح ہو گیا کہ عوامی لیگ اور اس کے کرشماتی رہنما اور چھ نکات عوام کے دلوں میں جگہ بنا چکے ہیں۔ انتخابی مہم کے مہینوں میں جب مشرقی پاکستان کے لیڈر اپنی پارٹی کے پروگرام پر عوام کی مہر تصدیق لگوا رہے تھے اور اپنی ذاتی مقبولیت میں اضافہ کر رہے تھے تو میں نے حتی الوسع اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق غیر جانبداری کا راستہ اختیار کیا اور سرکاری افسروں کو بھی ہدایت کی کہ وہ میری حکمت عملی پر کام کریں اور ان کی ذاتی رائے جو کچھ ہو' سرکاری امور میں بالکل غیر جانبدار رہیں۔ میں نے شیخ مجیب الرحمٰن' مولانا بھاشانی' پروفیسر مظفر احمد' خواجہ خیر الدین' پروفیسر اعظم' خان صبور خان' مسٹر وجیہہ الزمان مسٹر نورالامین اور متعدد دوسرے سیاسی کارکنوں کے ساتھ ایسے تعلقات پیدا کر لئے تھے کہ ہم مل کر کام کر سکیں۔ مولانا مودودی صاحب نے ایک دفعہ مجھ پر الزام لگایا کہ میں مجیب الرحمٰن

سے زیادہ ہمدردی کرتا ہوں' پھر میں نے مولانا غلام اعظم سے شکایت کی تو انہوں نے کہا میرے بارے میں مشرقی پاکستان کی جماعت اسلامی کی رائے مولانا مودودی کی رائے سے مختلف ہے۔ میں جانتا تھا کہ جماعت اسلامی ایک مضبوط جماعت ہے جو ضابطہ نظم و نسق پر سختی سے عمل کرتی ہے۔ اس ضابطے کی روشنی میں مولانا غلام اعظم نے جو کچھ کہا یہ ان کا کرم تھا اور میرے لئے باعث اطمینان۔

شیخ مجیب الرحمٰن سے میں بالعموم ایم کے اے زون بی لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب خان یا میجر جنرل راؤ فرمان علی میں سے کسی ایک کی معیت میں یا دونوں کے ساتھ مل کر ملاقات کیا کرتا تھا۔ میں ان لیڈروں سے مغربی پاکستان کے لوگوں کے احساسات و جذبات کا ذکر کرتا اور فوج کے لئے تعریفی الفاظ استعمال کرتا کیونکہ اس وقت ان دونوں کے خلاف بد نظمی اور انتشار پھیلانے کی شدید شکایات موجود تھیں۔

میں اس وقت السر کے مرض میں مبتلا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں بنگالی قومیت کی فروغ شدہ فضا میں تنہا کام کر رہا تھا۔ اس لئے میں صدر صاحب سے اکثر کہتا تھا کہ مجھے گورنر کی خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔ وہ ہر دفعہ میرا استعفاء مسترد کر دیتے اور کہتے کہ "ہم دونوں اکٹھے گھر جائیں گے"۔

مارچ 1970ء کے لگ بھگ صدر نے دونوں صوبائی گورنروں کے ساتھ بند کمرے میں "لیگل فریم ورک آرڈر" پر تبادلہ خیالات کیا۔ اس وقت یہ مسودہ کابینہ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا تھا۔ یہ مسودہ راولپنڈی میں تیار کیا گیا تھا۔ میں نے اسے پہلی مرتبہ صدر کی اس میٹنگ میں دیکھا تھا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ "ایل ایف او" میں انتخابات کرانے کیلئے کم سے کم شقیں رکھی جائیں اور "متنازعہ" (مثلاً ون یونٹ کا توڑنا) کو نہ چھیڑا جائے۔ میرا خیال تھا کہ فوجی حکومت کو کوئی ایسا فیصلہ صادر نہیں کرنا چاہیئے جس سے ون یونٹ کے موافق اور مخالف دھڑوں کے جذبات کو آگ لگ جائے۔ میری اس رائے کو دو وجوہ کی بناء پر مسترد کر دیا گیا۔

اول :اگر عام انتخابات سے پہلے ون یونٹ کو نہ توڑا گیا تو انتخابات میں "ون یونٹ" ایک اہم مسئلہ بن جائے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبے اسمبلی میں ون یونٹ کو توڑنے کے حق میں ہیں۔

دوم :اگر ون یونٹ قائم رہا تو شیخ مجیب الرحمان چھوٹے صوبوں کی حمایت حاصل کرے گا اور ان کو یقین دلائے گا کہ وہ ون یونٹ کو توڑنے کے حق میں ہے۔

جون 1970ء کے دوران میں نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں اس قسم کی سرگوشیاں سنیں کہ فوجی اور سول حکومت کے لوگوں کا خیال ہے کہ صوبائی انتظامیہ کو زیادہ با اختیار بنایا جائے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ملک میں چونکہ مارشل لاء نافذ ہے اس لئے صوبائی حکومت کو چاہیئے کہ وہ نظم و ضبط کو قائم رکھے اور اس کے لئے مضبوط کنٹرول کام میں لائے۔ عملی طور پر جو لوگ مارشل لاء کو سختی سے نافذ کرنا چاہتے تھے۔ وہ در حقیقت اپنے مقاصد کی تکمیل کے خواہاں تھے۔ بعض صنعت کار مارشل لاء کی آڑ میں مزدوروں کی قوت کو کچلنا چاہتے تھے۔ کچھ سیاست دان اپنے مخالفین کے کارکنوں کو گرفتار کرانے کے آرزو مند تھے اور اس مقصد کیلئے فوج کی مدد حاصل کرنا اور ان کے خلاف مارشل لاء کے تحت مقدمات قائم کرانا چاہتے تھے۔ بالفاظ دیگر بعض مخصوص مطلب براریوں کے لئے لوگ فوج کو استعمال کرنے اور اسے عوام سے خطرناک تصادم کی راہ پر ڈالنے کے حق میں تھے۔ بعض لوگ مغربی پاکستان کی "جنگوازم" (Jingoism) سے مشرقی پاکستان کی قومیت پرستی پر غالب آنا چاہتے تھے۔ وہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو نو آبادیاتی باشندے سمجھتے اور انہیں اپنا مطیع بنانے کیلئے بیتاب تھے۔

میں نے صدر کو اور ان کے پرسن سٹاف آفیسر کو بتایا کہ اگر فوج میں اس قسم کے خیالات فروغ پاتے رہے تو میں ذاتی اور جذباتی طور پر گورنر کے فرائض سر انجام دینے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ میں اس کہاوت میں جو دانش پوشیدہ ہے اس سے شناسا تھا کہ "کسی نیک مقصد کے بغیر اگر تشدد کیا جائے تو یہ تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اگر مقصد نیک ہو تو عدم تشدد

کمزوری ہے"۔ میں یہ بات دیانت داری سے کہنا چاہتا ہوں کہ فروری 1971ء تک میرے اس قسم کے جذبات کی پی ایس او اور پیرزادہ نے ہمیشہ پذیرائی کی اور صدر نے انہیں قبول کیا۔ مجھے ان میں حلیہ سازی یا فریب انگیزی کا عنصر نظر نہیں آتا تھا۔ یکم ستمبر 1969ء سے لے کر (جب مجھے گورنر مقرر کیا گیا) یکم مارچ 1971ء تک (جب مجھے فارغ کر دیا گیا) میں نے اپنے ایسے ہی تصورات کو قائم رکھا اور مناسب مواقع پر ان کا دفاع کیا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ یہ عمل میرے مذہبی اعتقادات کے مطابق تھا اور موجودہ حالات میں صحیح عملی پالیسی یہی تھی۔

عام انتخابات کیلئے اکتوبر 1970ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ یہ تاریخ میری مجوزہ تاریخ سے بہت دور تھی لیکن ستمبر 1970ء میں خوفناک طوفان کی وجہ سے اس تاریخ میں تبدیلی کر دی گئی۔ صدر خود ڈھاکہ آئے تو شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ پہلی ملاقات میں وہ مان گئے کہ یہ التواء غیر مناسب تھا۔ تاہم طوفان سے متاثرہ علاقوں کے دورہ کے بعد انہوں نے اپنی رائے تبدیل کر لی۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو جب صدر کا سابقہ ارادہ معلوم ہو گیا تو انہوں نے عوام میں التواء کے خلاف تقریریں کرنی شروع کر دی تھیں۔ بعد میں ایک اور ملاقات میں صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنے نئے فیصلے سے مطلع کر دیا۔ شیخ مجیب نے کہا آپ کی یقین دہانی پر ہی پر تو میں نے آپ کی تائید کی تھی اب عوام سمجھیں گے کہ مجھے ان کی بہبود کا کوئی خیال نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان کے لوگ تو ہر وقت آدھے پانی میں ڈوبے رہتے ہیں انہیں ووٹ ڈالنے میں ایسی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی جو برداشت نہ کی جا سکے۔

قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں عوامی لیگ کو جو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی وہ مجیب الرحمٰن کی اپنی توقعات سے بھی زیادہ تھی۔

الیکشن ختم ہو گئے تو میں نے پرنسپل سٹاف آفیسر (PSO) کو ٹیلی فون کیا کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن اور مسٹر زیڈ اے بھٹو کو راولپنڈی بلانے کے امکانات پر غور کریں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ کیا یہ مل کر عارضی گورنمنٹ تشکیل دے سکتے ہیں یا دونوں کوئی اور لائحہ عمل اختیار کر سکتے ہیں؟

جنوری 1971ء کے اوائل میں صدر یحییٰ خان مشرقی پاکستان تشریف لائے تو انہیں ایام میں پرنسپل سٹاف آفیسر ایک دن میرے دفتر بھی آئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ "میں عوامی لیگ کے چھ نکات کو دیکھ لوں"۔ جب چھ نکات کی دستاویز حاصل کی جا رہی تھیں تو میں نے ان سے دریافت کیا "چھ نکات پر نظر ڈالنے کا مقصد کیا ہے"؟ انہوں نے بتایا کہ "صدر مملکت شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات کر رہے ہیں اس ملاقات میں "چھ نکات" پر بھی بحث ہو گی اور اس بحث میں آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے"۔

میں نے پرنسپل سٹاف آفیسر سے پوچھا "کیا چھ نکات کا محققانہ تجزیاتی مطالعہ کر لیا گیا ہے اور کیا اس کے نقائص اور کوتاہیاں اخذ کر لی گئی ہیں تاکہ صدر موزوں سوالات اٹھا کر عوامی لیگ کے لیڈروں سے اہم ترین مسائل پر وضاحت طلب کر سکیں؟ پرنسپل سٹاف آفیسر نے کہا کہ "اس قسم کا تجزیہ تو نہیں کیا گیا لیکن یہ حالات سے آگہی کا ابتدائی سیشن ہے۔ تفصیلی بحث کے ہمیں بعد میں کئی مواقع ملیں گے۔" اگلے دن ایوان صدر ڈھاکہ میں میٹنگ منعقد ہوئی۔ صدر، پرنسپل سٹاف آفیسر اور میرے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب موجود تھے۔

۱۔ شیخ مجیب الرحمٰن

۲۔ نذر الاسلام

۳۔ قمر الزمان

۴۔ خوندکر مشتاق احمد

۵۔ کیپٹن منصور علی

عوامی لیگ کے لیڈروں نے میٹنگ میں اپنا چھ نکاتی پروگرام پیش کیا۔ صدر نے اس پر جو سوالات اٹھائے عوامی لیگ کے لیڈروں نے ان کے جوابات دیئے۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے صدر کو مخاطب کر کے کہا "سر آپ کو معلوم ہے کہ چھ نکاتی پروگرام کیا ہے؟ اگر اس پروگرام پر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو ہمیں بتایئے"۔

صدر نے کہا "چھ نکاتی پروگرام کے خلاف میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے لیکن

آپ کو مغربی پاکستان کے لیڈروں کو ساتھ لے کر چلنا ہو گا"۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے جواب دیا "یقیناً سر! جتنی جلدی ممکن ہو سکے آپ اسمبلی طلب کر لیجئے میں 15 فروری 1971ء کی تاریخ تجویز کرتا ہوں' آپ دیکھیں گے کہ میں اسمبلی میں صرف سادہ اکثریت ہی نہیں بلکہ دو تہائی اکثریت حاصل کر لوں گا"۔

اس پر میں نے رائے دی کہ مکمل اکثریت سے عوامی لیگ اپنے آئین کو آسانی سے منظور کرا سکتی ہے' اس طرح تو آپ کی جماعت کو مغربی پاکستان کے حقوق کا فکر لاحق نہیں ہو گا"۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے جواب دیا "نہیں' نہیں میں ڈیموکریٹ ہوں۔ میں پورے پاکستان کا اکثریتی نمائندہ ہوں۔ میں مغربی پاکستان کے حقوق کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میں نہ صرف مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے عوام کے سامنے جواب دہ ہوں بلکہ عالمی رائے عامہ بھی میرا گریبان پکڑ سکتی ہے۔ میں ہر چیز جمہوری اصولوں کے مطابق عمل میں لاؤں گا۔ اس کام کی ابتداء کرنے کیلئے آپ اسمبلی سیشن شروع ہونے سے تین چار دن پہلے ڈھاکہ آ جائیں۔ میں آپ کو اپنے مرتب کردہ آئین کا مسودہ دکھا دوں گا آپ کو اس پر اعتراض ہوا تو میں آپ کی خواہشات کو اس میں سمونے کی کوشش کروں گا۔ اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت میں اسمبلی میں صدر کے خطاب کا مسودہ بھی آپ کو پیش کروں گا۔ میں اسمبلی میں آپ کو خراج تحسین ادا کروں گا کہ آپ نے جمہوریت کو حال کیا ہے۔ اس کے بعد ہم ایک جمہوری پارلیمنٹ کے تمام امور مکمل کریں گے۔ ہم ایک سبجیکٹ کمیٹی قائم کریں گے اور اسمبلی کے اندر اور اس کے باہر بحث' مباحثے اور باہمی بات چیت سے تمام امور کیلئے قابل قبول فارمولے تلاش کریں گے"۔

آئین سازی کے طریق کار پر مزید گفتگو کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا "سر میری پارٹی آپ کو پاکستان کا منتخب صدر چننا چاہتی ہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے اور ہمارے خیال میں پاکستان میں جمہوریت حال کرنے کے لئے یہ آپ کا حق ہے"۔

صدر نے جواب دیا" میں ایک سیدھا سادھا سپاہی ہوں میں یا تو واپس بیرک میں چلا جاؤں گا یا اپنے گھر چلا جاؤں گا"۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا" تو سر! ہم آپ کو یہ اعزاز مسترد نہیں کرنے دیں گے جب قوم آپ کی خدمات کی طلب گار ہے تو آپ انکار نہیں کر سکتے"۔

اس خوشگوار فضا میں گفتگو کرنے کے بعد صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن پر اس بات کی اہمیت ظاہر کی کہ عوامی لیگ کو مغربی پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی پی پی پی کے بہت قریب رہ کر کام کرنا ہوگا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا" میں یقیناً پیپلز پارٹی کا ہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان کی دوسری پارٹیوں کا تعاون بھی حاصل کروں گا۔ مغربی پاکستان کو مشرقی پاکستان جیسی خود مختاری کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو میں ان کی مدد کروں گا۔ لیکن اگر مغربی پاکستان کے لیڈر کوئی نظام خود وضع کریں گے تو میں اس میں ہر گز شریک نہیں ہوں گا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے صدر سے پھر درخواست کی کہ "لوگ بہت بے صبرے ہو رہے ہیں اور وقت تیزی سے گزر رہا ہے اس لئے 15 فروری کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جائے"۔ صدر نے وعدہ کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہوا وہ اسمبلی کو طلب کر لیں گے۔ صدر نے مجیب الرحمٰن کو یہ بھی بتایا کہ وہ واپسی پر شکار کیلئے لاڑکانہ جائیں گے اور بھٹو سے ملیں گے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ گورنر کو یہ ہدایت کی جائے کہ وہ تمام اہم مسائل میں منتخب نمائندوں سے مشاورت کریں صدر نے اس پر فیصلہ دیا کہ عارضی انتظام میں عوامی لیگ کی مشاورتی شرکت کے سلسلے میں تجویز کا مسودہ ترتیب دیا جائے اور یہ تجویز مرکزی حکومت کو بھیجی جائے۔ اس سلسلے میں تاج الدین احمد اور ڈاکٹر کمال حسین کو گورنر کے ساتھ رابطہ کرنے کیلئے نامزد کر دیا گیا۔ اسی شام ایوان صدر میں بعض فوجی افسروں نے تجویز پیش کی کہ جنرل یحیٰی خان کو نہ صرف صدر منتخب کیا جائے بلکہ وہ فوج کے کمانڈر انچیف یا افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر کے عہدے پر فائز رہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یحیٰی خان کو رسمی قسم کا صدر نہیں ہونا چاہئے۔ اس تجویز پر صدر خود تو کچھ نہ بولے اور خاموش رہے لیکن میں نے

اشارہ یہ کیا کہ میری رائے میں میں اس قسم کی تجویز کو منتخب نمائندے قبول کرنے پر شاید آمادہ نہ ہوں۔ اس کے برعکس یہ بات کہیں زیادہ موزوں ہوگی کہ صدر باوقار طور پر ریٹائر ہو جائیں اور وہ تاریخ میں ایک ایسے باعزت صدر کا مقام حاصل کریں جس نے اپنی مرضی سے اقتدار کو خیرباد کہہ دیا تھا"۔

میرا خیال ہے کہ اگر صدر نے کوئی عہدہ طلب کیا تو یہ جمہوریت مروجہ اور قبول شدہ ڈگر سے انحراف کے مترادف ہوگا۔

ایئرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے راستے میں ایک دفعہ پھر تشویش کا اظہار کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے میں تاخیر کی جا رہی تھی۔ اگرچہ لیگل فریم ورک آرڈر میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ اسمبلی کا "جلسہ" کتنی جلدی بلایا جانا چاہئے لیکن اب ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور ایل ایف او کا مقصد تاخیر کو عمل میں لانا ہر گز نہیں تھا۔

صدر نے کہا" شیخ مجیب الرحمٰن چاہتے ہیں کہ اسمبلی 15 فروری کو طلب کی جائے' جبکہ بھٹو مارچ میں بلانے کے حق میں ہیں۔ ان دونوں کی دی ہوئی تاریخ قبول کرنے کے بجائے عید کے فوراً بعد اجلاس طلب کر لوں"۔

صدر کو خدا حافظ کہنے کے بعد میں نے طمانیت کا سانس لیا۔ شکوک و شبہات اور پریشانیوں کا دور قریباً ختم ہو چکا تھا۔ میں بجا طور پر محسوس کرتا تھا کہ صدر اپنے بیان اور جذبات میں مخلص تھے اور وہ اقتدار اعلیٰ جس کے لئے بہت محنت اور مشقت اٹھانے کی ضرورت تھی کو شاں نہیں تھے۔ مزید بر آں معاملات کی عملی صورت کے پیش نظر صدر ان کے پرسنل سٹاف افسر اور میرے درمیان ایک یہ نقطہ مشترک موجود تھا کہ مسلح افواج کو ملک کی حکمرانی سے فارغ کر دیا جائے تاکہ وہ دفاع اور بیرونی حملوں کی تیاری اور اپنی بنیادی ذمہ داریاں سر انجام دے سکیں۔

مغربی پاکستان جانے کے بعد صدر لاڑکانہ میں شکار کیلئے چلے گئے۔ انہیں دنوں ایک تصویر اخبار میں چھپی جس میں صدر کچھ سینئر افسروں کے ساتھ دکھائے گئے تھے۔

ویسے تو یہ تصویر بالکل سادہ تھی اور یہ قطعاً غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن ڈھاکہ میں اس تصویر نے شکوک و شبہات کو جنم دیا اور طرح طرح کی افواہیں فروغ پانے لگیں' ایک عام خیال یہ تھا کہ عوامی لیگ کے چھ نکات کا اثر و عمل کم کرنے اور اس جماعت پر دباؤ ڈالنے کیلئے اسمبلی سیشن کے انعقاد میں تاخیر کروانے کی سازش ہو رہی ہے' مجھے صدر نے یقین دلایا تھا کہ اسمبلی سیشن عید کے بعد منعقد ہو گا۔ اس وعدے کی اساس پر میں نے حتی الامکان اس قسم کی افواہوں کو رد کرنے کی پوری کوشش کی۔

جنوری 1971ء میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پی پی پی کے معاونین کے ساتھ ڈھاکہ آئے' انہوں نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ مذاکرات کئے اور طوفان کی زد میں آئے ہوئے علاقوں کا دورہ بھی کیا۔ بھٹو نے ازراہ کرم مجھے بھی شرف ملاقات بخشا اور مشورہ دیا کہ میں طوفان زدگان کیلئے مکانات کی تعمیر کا کام تیزی سے تکمیل کو پہنچاؤں' بد قسمتی سے بانسوں کی فراہمی میں حائل مشکلات اور بانسوں کی مطلوبہ تعداد کی عدم دستیابی کے باعث یہ منصوبہ آہستہ روی سے چل رہا تھا۔ مجیب سے ملاقات کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا کہ وہ نہ مطمئن تھے اور نہ غیر مطمئن۔

مسٹر بھٹو کی رخصتی کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن میرے پاس آئے۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی اور میجر جنرل سوئی آفیسر ز اس وقت موجود تھے۔ شیخ مجیب نے بتایا کہ بھٹو صاحب سے ان کے مذاکرات ابھی نامکمل ہیں اور چیئرمین پی پی پی تفصیلی باتوں کیلئے ایک دفعہ پھر ڈھاکہ آئیں گے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی میں صدر پر جلد از جلد دستور ساز اسمبلی کا اجلاس بلانے کے لئے زور ڈالوں۔

فروری 1971ء کے پہلے ہفتے میں صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے معاونین کو اپنے ذاتی مہمان کی حیثیت میں راولپنڈی آنے کی دعوت دی۔ میں نے شیخ صاحب کو زبانی پیغام دینے کے علاوہ انہیں صدر کی طرف سے تحریری دعوت نامہ بھی بھیج دیا۔ لیکن شیخ مجیب نے اس موقع پر مغربی پاکستان جانے سے معذرت کر لی۔ وجہ یہ بتائی کہ "انہوں نے ان ایام

میں قومی و صوبائی اسمبلیوں میں عوامی لیگ کے ممبروں کی کانفرنس طلب کر رکھی ہے"۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور میں نے ان سے درخواست کی کہ انہیں مستقبل قریب میں جو تاریخ مناسب اور موزوں معلوم ہوتی ہے وہ دے دیں لیکن ہمیں علم تھا کہ یہ سب کچھ بیکار تھا۔ میں نے صدر کو اطلاع کر دی کہ ایم ایل اے اور شیخ مجیب کو ان کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہیں کر سکے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ عوامی لیگ کے ایم این اے اور ایم پی اے نیشنل اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ مقرر کرنے کا پرزور مطالبہ کرنے والے ہیں اور کیا یہ باوقار طریقہ نہیں ہو گا کہ اس قسم کے مطالبے سے قبل ہی تاریخ مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ جب 14 فروری 1971ء کو قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس 3 مارچ 1971ء کو طلب کر لیا گیا تو مجھے بے حد اطمینان ہوا۔

چند دنوں کے بعد مجھے صدر کا ایک ٹیلی گرام ملا اس ٹیلی گرام نے نہ صرف مجھے بلا کر رکھ دیا بلکہ اس نے حکومت کے ارادوں کے بارے میں بھی میرے دل میں بداعتمادی پیدا کر دی۔ ٹیلی گرام کچھ یوں تھا:

شیخ مجیب الرحمٰن سے کہو کہ میں "صدر پاکستان" راولپنڈی آنے کی دعوت ٹھکرائے جانے پر ان سے سخت ناراض ہوں اور وہ اگر جلد از جلد راولپنڈی نہیں آتے تو آئندہ در پیش آنے والے خطرناک حالات کے ذمہ دار ہوں گے"۔

مجھے کہا گیا کہ میں یہ ٹیلی گرام شیخ مجیب الرحمٰن کو پڑھ کر سنا دوں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی کی موجودگی میں ان کے حوالے کر دوں۔ میں نے پرنسپل سٹاف آفیسر کو ٹیلی فون پر اس تار کے ابتدائی آمرانہ الفاظ پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اس تار سے مجیب الرحمٰن ضرور چھت اڑا دے گا۔ اس کے حواس جا ہوں گے تو پوچھے گا کہ "انہیں پنڈی کیوں طلب کیا جا رہا ہے"' لیکن پرنسپل سٹاف افسر اس مسئلے پر سر بہ لب تھے اور اصرار کر رہے تھے کہ ٹیلی گرام کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ میں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو دعوت دی کہ وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور میجر جنرل سول آفیسرز کے ساتھ ایک میٹنگ میں شریک ہوں۔

اس میٹنگ میں ابتدائی رسمی علیک سلیک کے بعد ہم آہستہ آہستہ مفہوم کی طرف آنے کی کوشش کر رہے تھے تو مجھے دوسرے کمرے میں بلایا گیا اور راولپنڈی سے صدر صاحب کی بات سن لوں۔ اسلام آباد سے دریافت کیا گیا کہ "ٹیلی گرام مجیب الرحمٰن کو سنا دی گئی ہے؟" میں نے جواب دیا بس چند لمحے بعد سنا دی جائے گی۔ اس پر حکم ملا کہ "میں شام تک یہ پیغام روک لوں"۔ یہ بات بہت پریشان کن تھی۔ لہذا میں نے فوراً راولپنڈی میں پرنسپل سٹاف آفسر کو ٹیلی فون کیا اور اس پیغام کی توثیق طلب کی۔ میں چاہتا تھا کہ پی ایس او صدر صاحب سے ان کا حکم خود حاصل کر کے مجھے پہنچائیں۔ میری بات سن کر پی ایس او بھی پریشان ہو گئے تاہم انہوں نے صدر سے توثیق کرانے کے بعد مجھے اطلاع دی کہ ان کا پیغام روک لیا جائے۔

22 فروری 1971ء کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور گورنروں کی ایک کانفرنس میں شرکت کیلئے مجھے راولپنڈی بلایا گیا۔ پنڈی پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہاں ہر طرف "ملٹری ازم" کا طغیان اٹھا ہوا تھا۔ میں یہ فضا دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ کابینہ ڈسمس کر دی گئی تھی اور مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان براہ راست ہوائی سروس بند ہو چکی تھی۔ ان دو وجوہ کی بنا پر بھی بحران بہت شدید نظر آتا تھا۔ "فوجی حل" کے منصوبے پر ہر طرف باتیں ہو رہی تھیں' میں اس صورتحال میں اچانک الجھا دیا گیا تھا۔ مجھے نہ تو کسی "فوجی منصوبے" کا علم تھا اور نہ میں "فوجی حل" کے سلسلے میں کچھ جانتا تھا۔

22 فروری 1971ء کی شام کو صدر نے گورنروں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کی اس میٹنگ کی صدارت کی۔ حسب معمول سول اور ملٹری خفیہ اداروں کے افسران بھی اس میں شریک تھے۔ یہاں یہ بات ریکارڈ پر لانا ضروری ہے کہ گورنروں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کے اس فیصلے میں صرف ایک میں "غیر فوجی" گورنر اور حاضر ڈیوٹی افسران میں ایک ریٹائرڈ شدہ افسر تھا۔ کانفرنس کی ابتداء میں صدر نے ملک کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا اور ان مشکلات کا تذکرہ کیا جو مغربی پاکستان کی سب سے بڑی پارٹی پی پی پی کو قومی اسمبلی کے جلسے میں شرکت پر آمادہ کرنے پر

انہیں درپیش تھیں۔ انہوں نے چھ نکات پر شیخ مجیب الرحمٰن کے بے لچک رویہ کو اس کی بڑی وجہ قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اس مفید مقصد کی تکمیل نہیں کرے گا۔ دوسرے گورنروں' مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں اور خفیہ اداروں کے افسروں کا زاویہ خیال بھی یہی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ شیخ مجیب الرحمن اور چھ نکات کے خلاف مہم شروع کی جائے کیونکہ چھ نکات سیاسی مسائل کے حل میں سب سے بڑی رکاوٹ ڈال رہے تھے۔

جب یہ سب آوازیں کچھ مدھم پڑیں تو میں نے حاضرین کو یاد دلایا کہ "چھ نکات ہمارے لئے نہ نئے تھے اور نہ یہ اچانک اگ آئے تھے" اس لمحے صدر اٹھ کھڑے ہوئے اور جنرل حمید لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ' لیفٹیننٹ جنرل یعقوب کو اور مجھے علیحدہ کمرے میں لے گئے۔ کانفرنس میں شریک باقی لوگ وہیں بیٹھے رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ صدر سے متفق تھے۔ جب ہم اس چھوٹے کمرے میں بیٹھ گئے تو صدر نے ایک دفعہ پھر حالات کا جائزہ لیا اور اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اسمبلی کے "جلسے" کو ملتوی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی دو بڑی سیاسی پارٹیاں اسمبلی سے باہر اپنے اختلافات ختم کر سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دستور سازی کیلئے 120 دن کا وقت مقرر تھا اسے بہت تقدیس دی جا رہی تھی۔ اس بارے میں ضروری سمجھا جا رہا تھا کہ اسمبلی شروع ہونے سے قبل سب اختلافی امور طے کر لئے جائیں۔ میں نے واضح کیا کہ اسمبلی اجلاس کا التواء فوری طور پر شدید منفی ردعمل پیدا کرے گا اس کے خلاف وسیع پیمانے پر ایجی ٹیشن شروع ہو جاے گی اور لاقانونیت پھیل جائیگی۔ درحقیقت چشم بین رکھنے والا ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن آخری بنگالی تھا جس کے ساتھ مغربی پاکستان گفت وشنید کر سکتا تھا اور کسی فیصلے یا مفاہمت تک پہنچ سکتا تھا۔ بنگال کا وہ طبقہ جو تخلیق پاکستان کے وقت پیدا ہوا تھا اب جوان ہو چکا تھا لیکن اس کی پرورش نفرت اور تعصب پر ہوئی تھی اور اسے ملک کے بقیہ حصے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

صدر کا خیال تھا کہ میرا خوف بے سود اور بیکار تھا' کیونکہ وہ اسمبلی کے التواء کے اعلان

کے ساتھ ہی دو بڑے اقدام کرنے والے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدوں کو آپس میں ضم کر دیا جائے اور یہ وہی صورت تھی جو میرے گورنر مقرر ہونے سے قبل نافذ تھی' دوسرے وہ اخبارات پر سنسر لگانے اور مارشل لاء کو سخت کرنے والے تھے۔ اسمبلی کے التواء کا اعلان یکم مارچ 1971ء کو تجویز کیا گیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس اعلان سے 24 گھنٹے قبل مجیب الرحمٰن کو مطلع کر دیا جائے۔ مجھے کہا گیا کہ میں واپس مشرقی پاکستان جا کر مجیب الرحمن کو سمجھاؤں کہ وہ ہوش کے ناخن لے۔ میں نے اس دوران میں محسوس کیا کہ صدر نے ایک دفعہ بھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھا۔ مجھے ان کے ارادوں میں فریب' مکاری اور جرم کی جھلک نظر آئی تھی۔

میں 25 فروری 1971ء کو مشرقی پاکستان واپس آیا۔ اس وقت پورے صوبے میں سخت کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ ناقابل برداشت تھی۔ میں نے شیخ مجیب الرحمٰن سے رابطہ کیا۔ باہمی معاہدے کے تحت ہماری ملاقات ایک خفیہ مقام پر ہوئی تا کہ اخبارات کے کان میں اس ملاقات کی بھنک نہ پڑ جائے۔

میں نے انہیں بتایا کہ "اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کے لئے صدر پر شدید دباؤ پڑ رہا ہے۔ اس ڈیڈلاک کو توڑنے کیلئے مجیب کیلئے ضروری تھا کہ وہ فوراً راولپنڈی جائیں مزید برآں اس بات کی بھی بہت اہمیت ہے کہ وہ مغربی پاکستان کے عوام کے جذبات کو آسودہ کرنے کیلئے ان کے حق میں کچھ نہ کچھ ضرور بیان دیں' کم از کم بیرونی تجارت اور غیر ملکی امداد کے سلسلے میں محتاط انداز میں ممکنہ حد تک نرمی کا اظہار کریں۔ میں نے انہیں بتایا کہ پاکستان کی قسمت اب ترازو میں ہے اور ملک کو تباہی سے صرف وہی بچا سکتے ہیں۔

میری اس بات پر شیخ مجیب بظاہر ڈول گئے لیکن پھر جلد ہی انہوں نے اپنی کیفیت بحال کر لی' انہوں نے کہا کہ وہ دھمکیوں سے خوف نہیں کھاتے اور بنگال کے عوام کو کبھی دھوکہ نہیں دیں گے اور یہ کہ انہیں مغربی پاکستان کے غریب عوام سے کچھ کم محبت نہیں تھی۔ وہ اس حصے میں اپنی

پارٹی منظم کرنا چاہتے تھے لیکن موجودہ حکومت کے انٹیلی جنس افسروں نے پیر پگاڑو کو دھمکی دی کہ وہ عوامی لیگ سے دست تعاون کھینچ لیں۔

اگلے دو یا تین دن بے حد بھیانک تھے۔ میں صدر کے ارادوں کے بارے میں تذبذب میں تھا' وہ متعدد مواقع پر حتزلزل ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس کھیل میں اپنے پتوں کو سینے کے ساتھ لگا رکھا تھا' مجھے یوں لگتا تھا کہ مرکزی حکومت میں اب میرا کوئی ایک ساتھی بھی نہیں تھا جسے میں اپنا دکھ درد بتا سکتا۔ چنانچہ میں نے ایک ضروری ٹیلی گرام میں صورتحال کا تجزیہ کیا اور واضح طور پر کہا کہ اگر صدر اسمبلی کا اجلاس ملتوی کریں گے تو مشرقی پاکستان میں بے حد خطرناک لاقانونیت شروع ہو جائے اور سول انتظامیہ اسے کنٹرول نہیں کر سکے گی۔

28 فروری 1971ء کو مجوزہ اعلامیہ سے 24 گھنٹے قبل میں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو بلایا' ان کے ساتھ مسٹر تاج الدین احمد بھی آئے۔ شیخ صاحب نے پوچھا کیا اسمبلی کا التواء غیر معینہ عرصے کیلئے کیا جا رہا ہے؟" میں نے جواب دیا "مجھے خدشہ ہے کہ شاید ایسا ہی ہے"۔ میں نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ التواء بہت مختصر عرصے کیلئے ہوگا لیکن وہ اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور کچھ ایسے الفاظ کہے کہ پاکستانی حکام مجھے تباہ کرنا اور پاکستان کو بھی سلامت نہیں رکھنا چاہتے۔ تاریخ فیصلہ کرے گی کہ اس تباہی کا الزام کس پر دھرا جائے۔ کم از کم انجام و عواقب کے لئے مجیب الرحمٰن کو ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے۔

یکم مارچ 1971ء کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دینے کا اعلان کر دیا گیا۔ صدر پاکستان نے چونکہ خود قوم سے خطاب نہیں کیا تھا اس لئے لوگوں میں قیاس آرائی ہونے لگی کہ جنرل یحیٰ خان کو حکومت سے نکال دیا گیا ہے اور نئے جنتا نے اقتدار سنبھال لیا ہے۔ 28 فروری کی رات اور یکم مارچ کے پورے دن کے دوران میں نے صدر سے ٹیلی فون پر بات کرنے کی کوشش کی لیکن یا تو وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے تھے یا ان سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا میں نے انہیں اپنا آخری ٹیلی گرام بھیجا:

"میں اس آخری مرحلے پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ عرصے کے ملتوی نہ کیجئے اور اس کے لئے کوئی نئی تاریخ مقرر کر دیجئے بصورت دیگر ہم ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوگی"۔

میں نے راولپنڈی میں پرنسپل اسٹاف افسر سے متعدد مرتبہ رابطہ کیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ "صدر کراچی میں ہیں اور میں ان سے خود بات کروں"۔ میجر جنرل عمر نے کراچی سے بتایا کہ "صدر بہت معروف ہیں اور وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دیں گے۔ آخر میں نے جنرل حمید سے بات کی اور انہیں اس نازک صورت حال کا احساس دلایا۔ جنرل حمید نے کہا کہ انہیں سیاسی مدوجزر کا علم نہیں ہے لیکن وہ صدر سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے"۔

اسی دوران میں شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنا ایک ایلچی میرے پاس بھیجا اور کہا "حالات جو بھی رخ اختیار کریں آپ استعفٰی نہ دیں' آپ مغربی پاکستان کے ساتھ ہمارے رابطے کا آخری وسیلہ ہیں۔ آپ چلے گئے تو ہم میں سے کوئی شخص مغربی پاکستان کے کسی آدمی کے ساتھ بات نہیں کرے گا۔

خان عبدالولی خان کا بیان

صدر عدالت: آپ نے ہمیں کوئی بیان تو نہیں دیا، لیکن "زندگی" میں شائع ہونے والا آپ کا انٹرویو پڑھ کر ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ہم آپ کو طلب کریں۔ ہمیں شاید گول میز کانفرنس سے آغاز کرنا ہوگا۔ آپ نے گول میز کانفرنس میں شرکت تو کی تھی؟

گواہ: (خان عبدالولی خان) جی ہاں۔

صدر: کیا گول میز کانفرنس کے دوران آپ کو یہ تاثر ملا کہ اس میں شرکت کرنے والی کم و بیش تمام پارٹیاں (شیخ مجیب الرحمٰن سمیت) ۱۹۵۶ء کا دستور قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟

گواہ: میں نہیں سمجھتا کہ ہم دستور تک گئے تھے۔ ہم نے کانفرنس میں جو موقف اختیار کیا وہ یہی تھا کہ ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی قائم ہونی چاہئے۔ یہ اسمبلی ملک کو دستور دے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ ہم نے اس وقت ۱۹۵۶ء کے دستور کو قبول نہیں کیا، اجلاس میں کبھی اس کا ذکر تک نہ آیا۔

صدر: کیا آپ ڈیک (ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی) کے تاسیسی رکن تھے؟

گواہ: میں تھا ـــــ انہوں نے شاید اس معاملے پر، شروع شروع میں ڈیک کے اندر بحث کی ہو۔ وہ ابتدائی اجلاس تو کر ہی چکے تھے، کیونکہ تب میں جیل میں تھا۔

صدر : آپ نے گول میز کانفرنس کے دوران ان کے اجلاس میں شرکت کی؟

گواہ : ہاں میں نے شرکت کی۔

صدر : کیا اس کانفرنس میں آپ کو یہ تاثر ملا کہ شیخ مجیب الرحمٰن ڈیک کے دوسرے ارکان کے ہمراہ نہیں چل رہے؟

گواہ : پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کانفرنس میں صدر ایوب کی طرف سے آٹھ اور پارٹیوں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ میں اس وقت جیل میں تھا۔ ڈیک نے قرارداد پاس کی کہ کانفرنس کے موقع پر میری موجودگی کا انتظام کیا جائے، اس پر مجھے رہا کردیا گیا اور میں لاہور میں ڈیک کے دوسرے لوگوں سے آملا۔ اب ہم نے کہا کہ شیخ مجیب الرحمٰن چونکہ عوامی لیگ کے صدر ہیں اور دو تین ترجمان اور بھی ہیں، اس لئے انہیں بھی ہمارے ساتھ ملنے کی اجازت دی جائے۔ حکومت نے یقین دہانی کرائی کہ وہاں ان کی موجودگی کا انتظام کردیا جائے گا۔ مجھے ابھی تک یہ الفاظ یاد ہیں "موجودگی کا انتظام کردیا جائے گا۔" (Made Available) پھر چند مشکلات سامنے آئیں۔ ہم یہاں سے راولپنڈی روانہ ہوئے، مگر شیخ مجیب الرحمٰن "موجود" نہیں تھے۔ تب ڈیک مختلف الرائے ہوگئی۔ چار جماعتوں کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ حکومت کے وعدے کے مطابق شیخ صاحب کی "موجودگی کا انتظام" کیا جائے۔ ان میں (مسٹر دولتانہ اور سردار شوکت حیات کی سربراہی میں) کونسل مسلم لیگ، عوامی لیگ، جمعیت العلمائے اسلام اور نیپ شامل تھیں۔ ہم سب نے اصرار کیا کہ پہلے شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی ہو، جبکہ باقی جماعتوں کا خیال تھا کہ کانفرنس میں جانا چاہیے۔ پس ہمارے اندر اختلاف کی دراڑیں پیدا ہوگئیں اور ہم کم وبیش ایک دوسرے کے سر آگئے۔ یہ وہی دن تھا جب فیلڈ مارشل ایوب نے اعلان کیا کہ وہ آئندہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ بہر حال مجیب الرحمٰن کی کانفرنس میں موجودگی کا انتظام کردیا گیا۔

رکن نمبر ۲ : موجودگی کا انتظام پیرول پر یا دوسری طرح؟

گواہ : ہمیں اس سے دلچسپی نہیں تھی کہ وہ کس طرح آئیں۔ یہ معاملہ حکومت اور شیخ مجیب الرحمٰن کے مابین تھا اور اسی بات نے مشکلات کو جنم دیا تھا۔

صدر : کیا آپ حافظے کو مجتمع کر سکتے ہیں کہ مجیب الرحمٰن نے لاہور پہنچنے کے بعد یحییٰ خاں سے نجی ملاقات کی۔ شیخ کو بذریعہ طیارہ لاہور سے پنڈی لایا گیا اور اس نے یحییٰ کے ساتھ رات کا کھانا کھایا؟

گواہ : مجیب الرحمٰن نے مجھے اس بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا لیکن اس بارے میں افواہ ضرور پھیلی ہوئی تھی ـــ

صدر : اس کے بعد خود ڈیک کے اندر شیخ مجیب الرحمٰن کا رویہ سخت ہوگیا تھا؟

گواہ : جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے، ہم نے پہلے یہ افواہ سنی تھی۔ ڈیک میں شیخ مجیب الرحمٰن کا رویہ مناسب تھا کیونکہ وہ اپنے اس اصول پر قائم رہے کہ ملک میں پہلے عام انتخابات ہونے چاہئیں اور اس نکتے پر ہم سب ان سے متفق تھے کہ مجلس دستور ساز کا انتخاب ہو جو ملک کے لئے دستور تیار کرے۔ وہ ایک فرد ایک ووٹ کے اصول پر بھی جمے رہے اور ہمارا بھی یہ خیال تھا کہ دونوں صوبوں کے درمیان عدم مساوات نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

صدر : کیا چھ نکاتی پروگرام پر بھی کوئی بات ہوئی، کیا ان پر بحث و تمحیص کی گنجائش تھی یا نہیں؟

گواہ : ہم اس مقام پر نہیں پہنچے۔ ہم صرف اسی مطالبے پر قائم رہے کہ ملک میں پارلیمانی نظام حکومت ہونا چاہیے۔ چھ نکاتی پروگرام پر کبھی بحث نہ ہوئی۔

رکن نمبر ۱ : لیکن فیلڈ مارشل ایوب خان پارلیمانی نظام کو مان چکے تھے اور اس کے ساتھ ہی بالغ رائے دہی کے حق کو بھی پھر گول میز کانفرنس ناکام کیوں ہوئی؟

گواہ: ہم تفصیلات میں نہیں گئے۔ میرے ذہن میں بہت کچھ واضح تھا، جو ملک میں ظاہر ہونے والے واقعات سے لگا کھاتا تھا، میں آپ کو تھوڑا سا پیچھے لئے چلتا ہوں۔ میرا احساس ہے کہ ہمیں گھیر (Involve) لیا گیا تھا، ہم پھنس گئے تھے۔ ان میں سے بعض بین الاقوامی طور پر اور بعض رضاکارانہ طور پر تہہ دام آگئے تھے۔ جب کہ ہم بڑی طاقتوں کی کسی نہ کسی طرح کی گلوبل سٹریٹجی کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے اور ہر شخص اس سارے ڈرامے کو سٹیج ہوتا دیکھ سکتا تھا—— ہر اداکار جانتا تھا کہ اس کا کردار کیا ہے؟

رکن نمبر ۱: لیکن آپ ہمیں مختصراً بتائیں گے کہ جب وہ دو اہم مطالبات ماننے پر آمادہ ہو گئے تو پھر اصل میں کیا ہوا تھا؟ انتخابات کے بعد انہوں نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے اور ان ترامیم کو پاس کرانے کی رضاکارانہ پیش کش بھی کی تھی۔ پھر سیاست دان اس پر متفق کیوں نہ ہو سکے؟

صدر: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جب فیلڈ مارشل نے ان دو مطالبات کو تسلیم کر لیا تو ہنگامے کم و بیش ختم ہو گئے تھے۔ گورنر اسی لئے مقرر کئے گئے تھے کہ ہنگامے بند ہو چکے تھے۔ کیا یہ درست ہے؟ کیونکہ مطالبات مان لئے گئے تھے۔

گواہ: مجھے اب یاد نہیں ہے۔

صدر: کیا آپ یہ بات حافظے میں لا سکتے ہیں کہ اصل بنیاد جس پر یہ سمجھوتہ نہ ہوا، یہ تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن کے دو نائب، قمر الزماں اور ایک کوئی اور —— ایوب خان کے پاس ایک مسودہ آئین لے کر آئے اور کہا یہ ہمارا مسودہ ہے اور یہ ایک مسودہ تھا کہ ایوب خان کے کہنے کے مطابق مشرقی پاکستان کو علیحدگی کی طرف لے جاتا اور اسی لئے اس نے پوچھا: کس ملک کا؟ اس مقام پر اختلاف پیدا ہوا اور ہماری اطلاع ہے کہ جنرل یحییٰ اس سب کے سرغنہ تھے۔ اب ہم آپ سے صاف صاف کہنا چاہتے ہیں، جنرل اس کی پشت پر تھے۔ گول میز کانفرنس کے دوران جنرل یحییٰ اور شیخ مجیب الرحمٰن

کے درمیان نجی ملاقات ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے شہادتیں آئی ہیں کہ ایسی ملاقات ہوئی ہے اور اس ملاقات میں کہا جاتا ہے، جنرل یحییٰ نے شیخ کو یقین دہانی کرائی کہ آپ اپنے مطالبات سامنے لائیں، کوئی مارشل لا نہیں لگایا جائے گا۔ اور اس طرح یہ بات ختم ہوئی کیونکہ اس پورے عرصے میں فیلڈ مارشل ایوب کو اس کا احساس ہو گیا تھا۔ تو آپ کیا کہتے ہیں؟

گواہ: میں اتنا تو جانتا ہوں کہ مجیب اور یحییٰ کے درمیان دو ایک اعلیٰ سطحی ملاقاتیں ہوئی تھیں، تاہم مجھے علم نہیں کہ ان کے درمیان کیا بات چیت ہوئی لیکن میں اس پر قائم رہا کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر مجلس دستور ساز ہی پاکستان کو آئین دے سکتی ہے۔ ہم نے یہی موقف اختیار کیا تھا۔

صدر: آپ کو یاد ہو گا کہ فیلڈ مارشل ایوب خاں نے بھی اپنی نشری تقریر میں اسی بات کا حوالہ دیا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے انہیں مسودہ آئین بھیجا تھا؟

گواہ: وہ صرف ایک سیاسی تقریر تھی۔ ہوا یہ تھا کہ ہم نے کچھ ایسے نکات پر متفق ہونے کی کوشش کی جو ہم نے اس گول میز کانفرنس میں پیش کرنے تھے۔ اور اس طرح دو مطالبات تیار کر لئے گئے، بلاواسطہ حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب اور دوسرا پاکستان کی مجلس دستور ساز اور مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں کی بحالی—— جب ہم صبح وہاں پہنچے تو ایک غیر ملکی نامہ نگار نے میرے کان میں سرگوشی کی کہ کل شب اجلاس ہوا ہے اور اس کانفرنس میں مکمل اور پوری سیاسی قلابازی لگنے والی ہے۔

صدر: آپ اس سے یہ پہلو نکالتے ہیں کہ نصر اللہ خاں صاحب بھی اس میں شامل تھے، کیا ایسی ہی بات ہے۔

گواہ: بہت زیادہ، جناب مجھے قطعی یقین ہے کہ نصر اللہ خاں صاحب اور خواجہ شہاب الدین (جو اس وقت شاید کوئی وزیر تھے، میں نہیں جانتا کیا کچھ تھے) کے درمیان ضرور میٹنگ ہوئی تھی؟

رکن نمبر ا: وہ وزیر اطلاعات تھے؟

گواہ: جی جناب۔

رکن نمبر ا: یہ گول میز کانفرنس کا باضابطہ آغاز تھا؟

گواہ: جی جناب۔

میں ان دنوں انگلستان میں تھا جب یہ ۱۹۶۹ء کا تصادم شروع ہوا۔ آپ کو باہر کم معلومات ملتی ہیں۔ ہمیں وہاں جو تاثر ملا، وہ یہ تھا کہ امریکہ پاکستان پر بھارت کی مدد کرنے کے لئے بے تحاشا دباؤ ڈال رہا ہے۔ پاکستان نے اس سلسلے میں کوئی دلجوئی نہ کی تو انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔ سیٹو اور سنٹو کے معاہدہ کو دیکھو۔ کیمونسٹ دشمن معاہدے ہیں۔ آپ کو اس کیمونسٹ دشمن جنگ میں، جو اس وقت لڑی جا رہی ہے مدد کرنا ہوگی۔ مجھے علم نہیں کہ یہ بات کس حد تک درست ہے لیکن انگلستان میں یہ بات عام پھیلی ہوئی تھی کہ ایک مقام ایسا آیا کہ امریکیوں نے کہا: تمہیں بھارت کی مدد کو جانا پڑے گا یا پھر وہ ہتھیار واپس کرنے ہوں گے، جو ہم نے تمہیں دیئے ہیں تاکہ ہم وہاں کیمونسٹوں سے لڑ سکیں۔ انہوں نے آخری حد مقرر کر دی، دو ہفتوں کا الٹی میٹم دے دیا۔ یہی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ چین بغیر کسی وجہ کے واپس ہو گیا کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر وہ بھارت کے ساتھ جنگ جاری رکھتے ہیں تو اس کا مطلب پاکستان کا خاتمہ ہو گا۔

اب آپ دیکھتے ہیں کہ بھارت کے پاس جواہر لال نہرو جیسا قائد تھا وہ اس خطرے کے باوجود جس سے بھارت دوچار تھا، اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی پر سختی سے ڈٹا رہا۔ اس کی موت کے بعد فیلڈ مارشل ایوب خاں کے لئے سٹیج خالی تھا کہ وہ اپنا کام کریں اور اس طرح ہم اس ملک کو ۶۵ء کی جنگ تک لے گئے۔ یہ منصوبے کا ایک دوسرا حصہ تھا۔

میں اسے اس طرح دیکھتا ہوں۔ ہم نے اپنے چھاپہ مار دستے کشمیر بھیجے۔ بھارت نے جوابی کارروائی کی اور سیالکوٹ پر حملہ کر دیا۔ چینیوں نے چند بکریوں کے تنازعے پر جنگ میں کود پڑنے کی دھمکی دے دی اور بھارت کو فوراً اس خطرے کا احساس ہو گیا جس کا اسے

شمال مغرب اور شمال مشرق میں سامنا ہے۔ یہ ذرا بعد کے مرحلے میں ہوا کہ چین کی طرف جھکاؤ منصوبے کا ایک حصہ بن گیا۔ ہم نے سنکیانگ میں سڑک تعمیر کرنا شروع کر دی۔ یہ اب بھی استعمال نہیں کی جا رہی۔

صدر: شاہراہ قراقرم؟

گواہ: جی ہاں، شاہراہ قراقرم۔ بھارت کو یہ تصویر دکھائی گئی کہ اگر وہ اپنی غیر جانبداری کی پالیسی ترک نہیں کرتا تو اسے کسی قسم کی کوئی حفاظتی چھتری فراہم نہیں کی جائے گی۔ انہوں نے بھارت کو درپیش خطرے کو بھانپ لیا۔ میں نے گول میز کانفرنس کے فوراً بعد ایوان صدر میں فیلڈ مارشل ایوب خاں کو بے کم و کاست یہی کچھ بتایا تھا۔ میں نے کہا: آپ کے ذمے ایک کام لگایا تھا اور آپ نے اسے کر دیا ہے، آپ اپنا مقصد پورا کر چکے اب آپ جا رہے ہیں۔ آپ کا کام مکمل ہو چکا ہے اب کسی اور کو آنا ہو گا، آپ کا کام صرف یہ دیکھنا تھا کہ بھارت اپنی اس حیثیت سے باہر نکل آئے جو اس نے اختیار کر رکھی ہے کہ وہ ایک طاقت ہے۔ وہ لوگ چین اور کیمونزم کے خلاف بالکل جنگ نہیں کریں گے۔

صدر: کیا آپ کے خیال میں چین سے وابستگی اسی گلوبل پالیسی کا ایک حصہ تھی؟

گواہ: بالکل، مجھے یقین ہے ---- پاکستان کا چین کی طرف جھکاؤ اس بڑے کھیل کا ایک حصہ تھا تاکہ بھارت کو شمال مشرقی اور شمالی مغربی سرحد پر بے نقاب کر دے۔ وہ سیدھے آسام کے دروازے تک آ پہنچے تھے۔ وہ صرف یہ کہہ رہے تھے کہ اگر پاکستان چین کے ساتھ مل جاتا ہے، تو تم معرض خطر میں پڑ جاتے ہو۔ ان کے لئے واحد طریقہ تھا کہ وہ حفاظت کے لئے کسی چھتری کی تلاش کرتے اور ان اونچے خیالات کو ترک کر دیتے۔ جواہر لعل نہرو کے زمانے میں ایسا بالکل نہ ہو سکتا لیکن یہ چھوٹا شاستری بلاشبہ ایسا آدمی نہ تھا کہ اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر سکتا۔ اس کی شخصیت ایسی نہ

تھی کہ عوام کو کھینچ سکتی۔ وہ پورے بھارت کو اپنے ساتھ نہ چلا سکتا تھا۔

صدر: تب اندرا گاندھی اس عالمی طاقت سے زیادہ چالاک رہی ہے؟

گواہ: میں آپ کو یہ بھی بتاؤں گا جناب تمام معاملہ بھارت کے خلاف نہیں، پاکستان کے خلاف تھا۔ وہ اس جگہ رک گئے، جہاں انہیں رکنا چاہئے تھا۔

رکن نمبر۱: وہ ایسا امریکی اصرار پر کر رہے تھے۔

گواہ: جناب، ہو سکتا ہے۔ اب آپ اسے وہاں سے یاد کریں کہ کیا ہوا۔ میں نہیں کہتا کہ امریکہ اور روس کے درمیان خفیہ ملی بھگت تھی اور وہ ایک ہی نقطے پر دو مختلف سمتوں سے بڑھ رہے تھے۔ اب جو کچھ ہوا ہے، اس سے بھارت کی شمال مشرقی سرحد محفوظ ہو گئی ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ، جو سیاسی طور پر کسی جھکاؤ کے لحاظ سے امریکہ کی حامی تنظیم تھی، آج اس کی مخالف ہو گئی ہے، یہ روسی حلقہ اثر میں چلی گئی ہے۔ بھارت وہیں ہے اور آج ہماری حیثیت کیا ہے---

صدر: کیونکہ اب چین مشرقی پاکستان میں زیادہ فعال ہو گا۔

گواہ: میں چین کو سمجھ نہیں سکا۔ چین نے سیاسی طور پر یحییٰ خاں سے وابستہ ہو کر خود کو سیاسی طور پر زیادہ نقصان پہنچایا اور نظریاتی طور پر اپنے امیج کو خراب کیا۔ مغربی بنگال پر چین کی گرفت مضبوط ترین تھی۔ یہاں اسے صوبائی اسمبلی میں مطلق اکثریت حاصل تھی۔ اب مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کی حکومت نے کچھ کارروائی کی جس نے ان لوگوں کو رضاکارانہ طور پر یا ایک سکیم کے تحت مجبور کیا کہ وہ خود کو مغربی بنگال میں دھکیل دیں۔ اب یہ لوگ مشرقی بنگال سے مغربی بنگال جاتے ہیں۔ بنگالی ان سے ان کی اپنی زبان میں بات کرتے ہیں: تمہیں کیا ہوا ہے، تمہیں مارا جا رہا ہے، قتل کیا جا رہا ہے، ذبح کیا جا رہا ہے، تمہاری عصمت دری ہو رہی ہے، یہ سب کچھ کون کر رہا ہے؟ انہوں نے کہا، یحییٰ خاں، انہوں نے پوچھا کیا یحییٰ خان کا کوئی دوست بھی ہے؟ انہوں نے کہا، چین اس کا دوست ہے۔ اب کیا یہ بات چین کو مغربی

بنگال میں سیاسی طور پر سرفراز کرے گی؟ نتیجہ واضح تھا۔ ۱۰۸ نشستوں میں سے ان کے حصے میں صرف ۱۴ نشستیں آئیں۔ انہیں اس صوبے میں مطلق اکثریت حاصل تھی۔ سیاسی طور پر یہ تمام معاملہ بھارت کو راس آیا۔ اس نے بھارت کو سیاسی استحکام بخشا ہے۔ اس کی شمال مشرقی سرحد، ذرائع مواصلات، جہاز رانی کے راستے، ریل---- لڑائی کی صورت میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ میزو اور ناگالینڈ کے مسائل ختم ہو گئے۔ اسے جناب، ذرا وسیع تر سیاق و سباق میں دیکھا جانا چاہئے۔ امریکہ جنوبی ویت نام سے واپس ہو رہا ہے، برطانوی بیڑہ سنگاپور اور ملائشیا سے واپس بلایا جا رہا ہے، برطانوی بیڑہ خلیج فارس سے بھی واپس ہو رہا ہے۔ اس خلا کو کون پر کرے گا؟ اسے اس منصوبے کے سیاق و سباق میں دیکھئے کہ چین کو اس کی جغرافیائی، سیاسی اور نظریاتی سرحدوں کے گرد گھیرنا ہے۔

صدر: اب آپ دیکھتے ہیں کہ شمالی ویت نام نے جنوبی ویت نام پر حملہ کر دیا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ وہ زیادہ عرصے تک اپنی گرفت قائم رکھ سکیں گے۔ اس کے بعد لاؤس ہے، جو پہلے ہی الجھ چکا ہے۔ تھائی لینڈ کا ایک حصہ بھی اس میں الجھا ہوا ہے۔ ملائشیا، یہاں خاصی کمیونسٹ سرگرمیاں ہیں۔ آدھے سے زیادہ برما پہلے ہی کمیونسٹ ہے۔ مشرقی پاکستان میں کمیونسٹوں کو رسائی تو پہلے ہی حاصل ہے۔ مشرقی پاکستان کے معاشی مسئلے کو لیجئے، آپ نے اسے خود دیکھا ہے۔ مجیب جو کچھ بھی کے، وہ اسے راتوں رات حل نہیں کر سکے گا۔ در حقیقت آئندہ چار سے پانچ برسوں تک اسے وہاں بے پناہ مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ عوامی لیگ خود ذرائع مواصلات تباہ کرنے میں شامل رہی ہے۔ اس سب کچھ کی مرمت کے لئے بھی وہاں کئی سال درکار ہیں۔ اس عرصے میں لوگوں کے پاس کوئی کام نہ تھے۔ خوراک کی قلت تھی۔ وہ کیا کریں گے، بے تحاشا ہتھیار تقسیم کئے جا چکے ہیں، انہیں لوٹایا نہیں گیا۔ وہ سب تحریک چلائیں گے نکسل باڑی پھر حرکت میں ہوں گے۔ ممکن ہے عارضی طور پر چین سبوتاژ ہوا ہو، لیکن بالآخر

میرے لئے اس سے متفق ہونا مشکل ہے۔

گواہ : میرا استدلال یہ ہے جناب کہ جب آپ جنوبی ویت نام کا حوالہ دے رہے ہیں---

صدر : جغرافیائی طور پر چین پیشقدمی کر رہا ہے۔

گواہ : یہ درست ہے، اس نے بہر حال پیشقدمی کی ہے۔

صدر : اور اب اس نے نہایت تیزی سے پیشقدمی کی ہے۔

گواہ : منصوبہ کہیں ہو گا، وہ ایسا لاؤس میں نہ کر سکے، ویت نام میں نہ کر سکے، وہ کہیں نہ کر سکے۔ یہ ایک جگہ تھی جہاں وہ ایسا کر سکتے تھے۔

صدر : میرا مطلب ہے ان تمام ممالک میں جن کی سرحدیں چین سے متصل ہیں، امریکہ کے لئے کچھ کرنا ممکن ہے۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟ میرے خیال میں انہوں نے اس پوزیشن کو قبول کر لیا ہے، اسی لئے وہ مشرقی پاکستان پر توجہ مرکوز کر رہے ہیں۔ جب برما بھی کیمونزم کی آغوش میں چلا جائے گا تو مشرقی پاکستان تک رسائی ممکن ہو جائے گی۔

گواہ : یہ بالکل درست ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس خطرے کو بالکل ختم نہیں کیا۔ میں اس مسئلے پر جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے ایک بالکل مختلف نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں۔

صدر : آپ کا تاثر یہ ہے کہ گلوبل سٹریٹجی کے تحت دفاع خیبر میں خلیج بنگال میں چٹاگانگ پر منحصر ہے اور انہیں ایک ہونا چاہئے۔

گواہ : جی جناب، تو یہ ہے پوزیشن، جناب، اور میں یہاں یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں کا جائزہ لے سکتا ہوں، جیسا کہ میں نے کیا ہے۔ اسے اس طرح کہا جائے کہ ایک بڑا ڈرامہ ہو رہا تھا، ہر اداکار آتا ہے، اپنا حصہ پڑھتا ہے اور باہر چلا جاتا ہے۔ ہمارے ہر جگہ اڈے ہیں۔ ہمارے پشاور سے یو۔۲ کے ساتھ جاسوسی کے

انتظامات اور راڈار نظام ہیں۔

صدر : آپ نے کہا ہے کہ عوامی لیگ نے ہدایات حاصل کیں اور روس کی طرف جھکاؤ اختیار کیا۔

گواہ : میں کہوں گا، وہ اس طرف دھکیلے گئے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ ریاستہائے متحدہ اور روس کے درمیان خفیہ ملی بھگت تھی۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اس پر متفق ہو گئے تھے کہ امریکہ باہر نکل جائے، برطانیہ باہر نکل جائے اور خلیج بنگال میں پیدا ہونے والے خلاء کو روس اور بھارت کے تعاون سے پر کیا جائے گا۔ میرے خیال میں یہ ایک منصوبہ تھا۔ انہیں چین کے خلاف بھارت کی شمال مشرقی سرحد حاصل کرنا تھی۔ شاہراہ سنکیانگ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر دو پل اڑا دیئے جائیں، تو وہ انہیں دو سال تک تعمیر نہیں کر سکتے اور اگر اس طرف روس کے قریب کوئی نقل و حرکت ہوتی ہے، تو وہ اس پر فوراً جوابی کارروائی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسے حاصل کر چکے ہیں، جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کہ ذرا غور کیجئے یہ کس طریقے سے ہوا؟ عوامی لیگ کا جھکاؤ ہر عہد میں امریکہ کے حق میں رہا۔ کم از کم ہم یہ جانتے ہیں کہ سیاسی عقائد کے مطابق وہ امریکہ کے حامی تھے۔

صدر : میرے خیال میں جب آپ وہاں گئے تو فارلینڈ وہیں تھے۔

گواہ : مجھے علم ہے کہ فارلینڈ اور مجیب کے درمیان بحث وغیرہ ہوئی اور اس طرح انہیں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ انہیں بتایا گیا، کہ امریکہ کوئی مدد نہیں کرے گا۔

صدر : اس سلسلے میں کیا میں اور کوئی سوال پوچھ سکتا ہوں۔ ہم انتخابات کی طرف جا رہے تھے، اگرچہ چھ نکات بحث طلب تھے کہ آیا یہ ایل ایف او کے خلاف تھے یا نہیں۔ لیکن ایک مارشل لاء کا ضابطہ ۶۸ یا کچھ ایسی ہی بات تھی جس کے تحت تمام سیاسی جماعتوں کو نقل و حرکت کی آزادی وغیرہ حاصل تھی--- لیکن مشرقی پاکستان میں انتخابات کا اہتمام جیسا کہ ہم نے اب سنا ہے کسی طرح بھی آزادانہ نہ تھا جتنا کہ کہا

جاتا ہے۔

گواہ: میں غالباً مغربی پاکستان سے واحد سیاسی لیڈر تھا جس نے مشرقی پاکستان میں انتخابی مہم چلائی۔ اس وقت اندازہ تھا کہ شیخ مجیب قومی اسمبلی کی ۶۰، ۶۵ فیصد سے زیادہ نشستیں حاصل نہیں کر سکتے، اگر یہ طوفان نہ آیا ہوتا جس نے وہاں سیاسی رائے کو بدل کر رکھ دیا۔ قدرت نے جس کی مدد کو اور ایک صورت حال پیدا کر دی۔ یہ نہایت بد قسمتی کی بات تھی کہ مرکزی حکومت نے کوئی حرکت نہ کی اور اس وقت کسی مغربی پاکستانی قائد نے مشرقی پاکستان کا دورہ نہ کیا۔ آپ کو علم ہے، جناب، مصیبت یہ ہے کہ تمام سیاسی جماعتوں کے تقریباً سبھی صدر مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی سیاسی قیادت بھی مغربی پاکستان ہی سے ہے۔ نیپ اس وقت تک واحد استثنا تھی جب تک کہ ہم مولانا بھاشانی سے الگ نہ ہوئے۔ وہ مشرقی پاکستان سے پارٹی کے صدر تھے اس طرح اس پارٹی کی صدارت بھی ایک مغربی پاکستان کے سپرد ہوئی۔ اس سلسلے میں آپ کو بتاؤں گا کہ ان قوتوں نے کس طرح کام کیا۔ میں وہاں طوفان کے بعد گیا۔ میں نے ۱۲ روز تک طوفان زدہ علاقوں کا دورہ کیا۔ میں میمن سنگھ میں تھا' میں وہاں ڈھاکہ سے آرہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب میں ادھر سے گزر رہا تھا' مولانا بھاشانی ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کر رہا تھا۔ اس جلسہ عام میں اس نے میرا نام لیا۔ میں نے کار رکوائی اور پوچھا کہ اس نے کس لئے میرا نام لیا ہے۔ میں نے کہا: "دیکھو لڑکو' تقریر ریکارڈ کر لو' پھر ہم چل پڑیں گے۔" اس نے جو تقریر کی' وہ یہ تھی۔ اس نے کہا: "ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ دنیا کے اس حصے پر طوفان کی تباہ کاریاں نازل ہوئیں۔ بہت سارے لوگ ہیں جو خود کو نظریہ پاکستان کا نگہبان قرار دیتے ہیں' لیکن ان میں سے کوئی بھی یہاں نہ آیا۔" اس نے قیوم خان کو پاکستان کا نگہبان کہا اور یہ کہا اس نے انہیں شکل تک نہ دکھائی۔ پھر ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان بھائی ہیں۔ مسلمان ہی مسلمان مارے گئے اور ان کی مدد کو ایک مسلمان بھائی نہ آیا۔ تب اس نے

مولانا مودودی کا ذکر کیا اور کہا: "وہ اپنی داڑھی میں کنگھی کرنے میں مصروف ہے"۔ اس نے کہا: اس نے ہمیں جسم ڈھانپنے کے لئے کپڑے کا ایک ٹکڑا نہیں دیا' وہ ہماری نماز جنازہ میں نہیں آیا۔ وہ یہاں مردوں پر ایک مٹھی مٹی ڈالنے کو بھی نہ آیا۔ کوئی پاکستانی اور کوئی مسلمان نہ آیا۔" پھر اس نے اس دنیا میں انسان کی حیثیت سے اپنی پوزیشن کا حوالہ دیا اور کہا: "جب انسان کی حیثیت سے ہم پر مصیبت پڑی' کینیڈا سے لوگ ہماری مدد کو آئے' جرمنی سے لوگ مدد کو آئے' سوئٹزر لینڈ سے لوگ مدد کو آئے۔ لیکن کراچی سے کوئی نہ آیا۔" اس لئے اس نے کہا کہ وہ ہمیں پاکستانی کے طور پر قبول ہی نہیں کرتے۔ مغربی پاکستان والے ہمیں مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ وہ ہمیں انسان ہی نہیں سمجھتے۔ وہ واحد شخص جو مغربی پاکستان سے آیا' ولی خان تھا۔ ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ ہم اسے اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہیں گے"۔ یہ رد عمل تھا اور جب مشرقی پاکستان کے دورے کے فوراً بعد میں نے کراچی میں پریس کانفرنس سے خطاب کیا' تو اس کانفرنس میں جب میرے اندازے کے بارے میں پوچھا گیا' تو میں نے کہا: "طوفان سے پہلے میرا اندازہ تھا کہ مجیب کسی صورت میں بھی ۶۰۔ ۶۵ فیصد سے زیادہ ووٹ حاصل نہیں کرے گا' اب میرا اندازہ تقریباً ۹۵ فیصد ووٹ کا ہے"۔ پھر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک پرانے صحافی نے کہا تھا: "جناب' یہ شاید ولی خان کا پہلا غیر ذمہ دارانہ بیان ہے۔" میں نے کہا: "یہ تبصرہ ایک خواہش خوشدلانہ ہے" میں نے کہا: "آپ لوگ بہت حساس ہیں۔ میں آپ کو ایسی بات بتا رہا ہوں جو آپ پسند نہیں کریں گے"۔ میں نے کہا' میں ان متاثرہ علاقوں میں گیا ہوں۔ میں دنیا کے تمام صحافیوں سے ملا ہوں۔ جاپانی' فرانسیسی' اطالوی' جرمن' ولندیزی' اہل ڈنمارک' برطانوی' امریکی اور ہر نوع کے افراد تھے۔ صرف ایک استثنا تھا تو وہ یہ کہ میں نے متاثرہ علاقوں میں کوئی ایک پاکستانی صحافی نہیں دیکھا۔ کیا تم اتنے کٹھور ہو گئے ہو؟ میں نے کہا' میں جہاز پر آرہا تھا۔ ایک بنگالی لڑکا میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ائر ہوسٹس آئی اور وہ

اسے اخبار پیش کرنا چاہتی تھی۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے لڑکے نے کہا: "مجھے مہربانی
کرکے کوئی مغربی پاکستانی اخبار دیجئے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ طوفان کو کتنی جگہ دی جا
رہی ہے"۔ میں نے مذاق میں کہا کہ مغربی پاکستانی اخبارات تو شہناز گل کے جسم کی
پیائش میں (Vital Statistics) مصروف ہیں اور ان کے پاس مشرقی پاکستان
کے لئے بہت کم جگہ ہے۔ میری حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ مغربی پاکستانی پریس شہناز گل
ہی کے سیکنڈل میں مصروف تھا' چنانچہ اس نے کہا: 'میرا خیال ہے' آپ مسلمان ہیں"
اتنے لوگ ہلاک ہوئے کہ جب سات دن بعد میں نے متاثرہ علاقوں پر پرواز کی تو تمام
دیہی علاقوں میں لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ پائلٹ نے مجھے بتایا کہ تعفن برداشت کرنا
ممکن نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ ہم ۴۰۰ فٹ سے نیچے نہیں جاسکتے۔ میں نے کہا کہ ۱۲
دن کے بعد بھی ایسی صورت حال ہے۔ میں نے تمام علاقے کو تعفن چھوڑتی ہوئی
لاشوں سے اٹا ہوا دیکھا اور ہم یہاں مغربی پاکستان میں وہ زاویے اور پیائش پیش کر
رہے ہیں جہاں شہناز گل خبروں کا مرکز ہو۔ یہ تھی مکمل سیاسی شکست فاش کی وجہ۔ ان
کے پاس' میرا مطلب ہے مولانا بھاشانی کی پارٹی کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔
انہوں نے فوراً اپنی چال تبدیل کی اور وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک ہی راستہ تھا کہ شیخ مجیب
الرحمٰن کی پشت پر آکر بندوق اس کے کندھوں پر رکھ کر چلائی جائے اور جب یحییٰ خان
ڈھاکہ آیا تو میں نے اسے بتایا تھا کہ میرے اندازے کے مطابق جو شخص پاکستان کو ایک
رکھ سکتا ہے' وہ صرف شیخ مجیب الرحمٰن ہے اور آپ جتنا اس کے ہاتھ کمزور کریں گے
اتنا ہی زیادہ آپ ایسی صورت حال پیدا کردیں گے جس سے ملک کی علیحدگی ناگزیر
ہو جائے گی۔

صدر: کیا آپ وہ تاریخ اپنے حافظے میں لاسکتے ہیں' جب آپ نے یحییٰ خان
سے ملاقات کی؟

گواہ: اس نے مجھے لندن سے بلوایا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ مارچ کی ۱۳ تاریخ

تھی۔

صدر: آپ یہ بات ذہن میں لاسکتے ہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے فی الواقع
دوسری جماعتوں کو چند نشستوں کی پیش کش کی تھی۔ اس کا تخمینہ ۱۰۰ فیصد کا تھا۔

رکن نمبر ا: گول میز کانفرس میں کیا ہوا؟ یحییٰ خان کو بھی کوئی کردار ادا کرنا
تھا؟ اور آپ نے کہا ہے کہ وہ ایوب خان کے فائدے کے لئے مارشل لاء نافذ کرنا
نہیں چاہتا تھا۔

گواہ: اس نے اسے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ مکمل مارشل لاء نہ لگایا جائے'
صرف بڑے شہروں میں فوجی عمل کیا جائے' جہاں لوگ آتش زنی اور لوٹ مار میں
مصروف تھے اور یہ وہ لوگ تھے' جنہیں معاوضہ دیا جاتا تھا۔

رکن: وہ پارٹی معاوضہ دیتی تھی جو اقتدار میں رہنا چاہتی تھی۔

گواہ: اگر آپ جلوس میں جائیں تو آپ کو چار آنے دیئے جائیں گے اور اگر
آپ نعرے لگائیں تو آپ کو آٹھ آنے دیئے جائیں گے اور اگر آپ کسی گھر یا کسی اور
شے کو آگ لگادیں تو آپ کو ایک روپیہ معاوضہ دیا جائے گا۔ بھٹو صاحب کافی حد تک
اس سے متعلق تھے اور بھاشانی بھی۔ وہ اکٹھے تھے۔

صدر: مولانا بھاشانی یہ تقریریں کرتے رہے اور ان کے خلاف کوئی اقدام
نہ کیا گیا۔

گواہ: اس لئے ہم بعد میں ہٹ گئے' کیونکہ ہم نے تمام کھیل ہوتے دیکھا
تھا---اور میں ذاتی طور پر وہ شخص تھا جس نے غالباً تمام معاملہ اپنے سامنے ہوتے
دیکھا۔ مولانا بھاشانی نے ایک بار پشاور میں کہا کہ وہ میرے گھر جائیں گے اور اسے آگ
لگادیں گے---اور ان کے جواب میں میں نے کہا تھا کہ اس سے پہلے کہ وہ میرا گھر
جلا سکیں ان کا وہاں وجود تک نہ ہوگا۔ جب میں ذاتی طور پر ان سے ملا اور اس بارے میں
پوچھا' تو انہوں نے کہا کہ اس خبر میں کوئی سچائی نہیں ہے' یہ غلط تھا۔ میں اسے ایوب

خان کے نوٹس میں لایا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ دونوں ان کا کھیل کھیل رہے ہیں تاکہ ملک میں کوئی انتخابات نہ ہو سکیں، کیونکہ بھاشانی نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی انتخابات میں کھڑا ہوا تو ان امیدواروں کو گولی ماردی جائے گی۔ بھٹو صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اسے روپیہ دیا تھا۔

رکن نمبر ۲: کس مرحلے پر؟ جب وہ ایوب حکومت میں وزیر تھے؟

گواہ: یہ بہت پہلے کی بات ہے۔ بھٹو صاحب اپنی جماعت بنانا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر وہ اسلام کی بنیاد پر کوئی جماعت بنانے میں دلچسپی رکھتے ہیں تو پھر اس کے تو کئی برانڈ موجود ہیں ۳ یا ۴ مسلم لیگیں' اسلام لیگ' نظام اسلام' جماعت اسلامی' جمعیت العلمائے اسلام اور پاکستان وغیرہ۔ وہ خود کو کسی ایک جماعت مثلاً مسلم لیگ' جماعت اسلامی وغیرہ سے وابستہ کرلیں۔ اور بھی کئی جماعتیں تھیں۔ وہ ان میں شامل ہو سکتے تھے ——— اور اگر وہ ترقی پسند جماعتوں میں دلچسپی رکھتے تھے تو ترقی پسند جماعتیں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے فوراً کہا کہ دیکھئے میری جماعت کا ۸۰ فیصد منشور نیپ سے مطابقت رکھتا ہے' لیکن وہ خود کو اس جماعت سے وابستہ نہیں کریں گے کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق وہ اس کے صدر مولانا بھاشانی سے قطعاً متاثر نہ تھے کیونکہ وہ ایوب کا ایجنٹ تھا۔ میں نے کہا کہ میں جلد مشرقی پاکستان جاؤں گا اور بھاشانی سے اس کی تصدیق کروں گا' کیونکہ میں نے انہیں بتایا کہ وہ میری پارٹی کے خلاف الزام لگا رہے ہیں چنانچہ میں مشرقی پاکستان پہنچا' مولانا بھاشانی سے ملا اور انہیں یہ سب کچھ بتایا انہوں نے اس کی تردید نہیں کی' اس طرح ہم الگ ہوئے' چنانچہ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ فیلڈ مارشل ایوب خان اور مولانا بھاشانی کے درمیان بچولئے (Mid-dle Man) کا کام کرتے رہے ہیں' چنانچہ میں نے جا کر مولانا بھاشانی کے منہ پر یہ کچھ کہہ دیا۔ میرا خیال ہے یہ ہمارے مغربی پاکستان کے صدر میاں محمود علی قصوری کی موجودگی میں ہوا جو اب وزیر قانون ہیں۔

گواہ: مولانا بھاشانی نے اعلان کیا کہ وہ ۲۳ مارچ کو آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔

صدر: وہ طوفان کے دوران پہلے ہی ایسا کر چکے ہیں۔

گواہ: میں نے صدر یحییٰ کو کہا تھا کہ کم از کم مغربی پاکستانیوں کو چلے جانے کی اجازت دے دینی چاہیے کیونکہ وہاں ضرور فسادات ہوں گے۔ مجھے یقین دلایا گیا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گا۔ سب کچھ اس لئے ٹھیک ٹھاک ہوا کہ مولانا حسب معمول بیمار پڑ گئے اور انہوں نے تقریب میں شمولیت نہ کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ حکام کے لئے کر رہے تھے۔

صدر: خان صاحب میں ذرا آپ کو اس سے بھی پیچھے لے جانا چاہتا ہوں' جب انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوا تو جنرل یحییٰ جنوری ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ گیا۔ وہاں اس نے شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے وہاں اسے صدارت پیش کی اور جنرل یحییٰ نے واپس آتے وقت شیخ مجیب الرحمٰن کو پاکستان کا وزیر اعظم بیان کیا۔

گواہ: جی یہ اس کھیل کا حصہ تھا۔ اس نے اچانک یہ ارادہ کر لیا تھا۔

صدر: اس عرصے کے دوران ایک صورت حال پیدا ہوئی کہ وہ لاڑکانہ میں بھٹو صاحب سے ملنے گیا۔ آپ کا کیا خیال ہے' یہ درست ہے؟

گواہ: اس موقع پر ساری مصیبت کا آغاز ہوا کیونکہ صدر یحییٰ نے اعلان کیا کہ وہ ۳ مارچ کو اسمبلی کا اجلاس طلب کریں گے۔ اب ۱۱ فروری کو بھٹو صاحب نے اپنے ایم این ایز اور ایم پی ایز کی ملتان میں میٹنگ بلالی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ان کا مسودہ آئین تیار ہے اور اب اسے آخری شکل دی جا رہی ہے۔ ۱۲ کو وہ پنڈی آئے' سارا دن یہاں گزارا۔ اب مجھے تاریخ یاد نہیں ہے۔ اس وقت میں علاج کے لئے انگلستان جانا چاہتا تھا' چنانچہ میں آیا اور صدر یحییٰ کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا:

کہ جانے سے پہلے مجھے ضرور بھٹو صاحب سے ملنا چاہئے۔ یہ کوئی شروع کی بات ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں غیر معینہ مدت کے لئے انتظار نہیں کر سکتا۔ اس سے میں مشکوک ہو گیا' چنانچہ بھٹو صاحب ملتان سے پنڈی پہنچے اور ۱۲ کو پورا دن صدر یحیٰی کے ساتھ گزارا ۱۳ کو وہ پشاور آئے۔ عبدالقیوم خان اور جمعیت العلمائے اسلام کے قائدین سے ملے۔ ۱۴ فروری کو وہ مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں مشرقی پاکستان کے خلاف مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کے متحدہ محاذ قسم کا دھڑا قائم کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ کس مقصد کے لئے؟ میں نے کہا کہ ہم مجلس دستور ساز میں شمولیت کے لئے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس مرحلے پر مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان اس تصادم کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا' اب تو بہت دیر ہو چکی ہے' کیونکہ میں اپنے ارکان کو بتا چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ ہم وہاں خالص پاکستانی کی حیثیت سے جا رہے ہیں' نیپ کے ارکان سرحد اور مغربی پاکستان سے ارکان کی حیثیت سے نہیں جا رہے کیونکہ ہم اس ملک کے لئے کوئی ایسا آئین بنانا چاہتے ہیں جس سے ہمیں عزت و وقار سے زندگی بسر کرنے کا موقع ملے۔ جب بھٹو صاحب نے دیکھا کہ ہم مشرقی پاکستان کے خلاف محاذ قائم نہیں کریں گے اور اس طرح ان کی حیثیت پورے مغربی پاکستان کے قائد کی حیثیت سے ابھر نہ سکے گی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ ۳ مارچ کو بلائے جانے والے اسمبلی کے اجلاس میں شمولیت نہیں کریں گے۔

صدر: ممکن ہے کہ جنرل یحیٰی خاں نے بھٹو صاحب پر زور دیا ہو کہ وہ قومی اسمبلی کے اجلاس سے لاتعلق رہیں اور اس میں شمولیت نہ کریں؟

گواہ: ممکن ہے ایسا ہی ہو۔

صدر: کیونکہ اب ہمارے پاس اس امر کی شہادت موجود ہے کہ ۲۰ یا ۲۲ تاریخ کو جنرل یحیٰی خاں سیاسی جماعتوں کے قائدین سے مل رہے تھے کہ وہ یہ بیان جاری کریں کہ وہ ڈھاکہ میں بلائے گئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں جانے کو تیار نہیں

ہیں۔

گواہ: ایسا ہو سکتا ہے، ہاں جناب، صورت حال اسی طرح ہوئی تھی کیونکہ مجھے یاد آ رہا ہے کہ ۱۳ فروری کو بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ ان "طاقتوں سے جو اصل میں ہیں" یہ بندوبست کر لیا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن حکومت کریں گے اور مغربی پاکستان میں بھٹو صاحب وزیر اعظم ہوں گے۔

صدر: کیا آپ اتفاق کریں گے جہاں تک جنرل یحیٰی کا تعلق تھا، وہ اپنے اس وعدے میں کبھی مخلص نہ تھا کہ وہ عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے والا ہے؟

گواہ: جناب، پہلے پہل میرا خیال تھا کہ جنرل یحیٰی خاں ایک سادہ اور صاف گو قسم کا آدمی ہے اور انتقال اقتدار کے معاملے میں مخلص ہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے حالات بدلتے گئے مجھے اپنی رائے بدلنا پڑی اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ اقتدار سے الگ ہونا نہیں چاہتا اور اب صرف سازباز کر رہا ہے۔

صدر: کیا آپ اس خیال سے متفق ہیں کہ اس نے عام انتخابات اس امید پر کرائے تھے کہ ایوان میں بہت ساری سیاسی جماعتیں پہنچ جائیں گی اور آپس میں متفق نہ ہو سکیں گی اور اس طرح اسے اقتدار پر جمے رہنے کا بہانہ مل جائے گا۔ اس طرح وہ دنیا کو بتا سکے گا کہ یہ سیاست دان حکومت بنانے کے لئے اہل اور موزوں ہی نہیں ہیں؟

گواہ: بالکل ایسا ہو سکتا ہے۔ لندن میں جہاں میں آنکھ کے علاج کے لئے گیا ہوا تھا، مجھے صدر یحیٰی کا پیغام ملا کہ میں فوراً پہنچوں۔ مجھے کہا گیا تھا کہ میں ۹ مارچ سے پہلے پہلے پہنچ جاؤں ------ اس نے مجھے ۸ کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ اگر میں نہیں آنا چاہتا تو نہ آؤں، کیونکہ کانفرنس ملتوی ہو گئی ہے۔ ایسی تشویشناک باتیں مشرقی پاکستان کے متعلق برطانوی اخبارات کے حوالے سے ہم تک پہنچ رہی تھیں کہ ہم یکطرفہ اعلان آزادی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ۷ تاریخ کو بات اتنی واضح ہو گئی کہ انہوں نے بڑی

بڑی شہ سرخیوں میں شائع کیا: "پاکستان تباہی کے کنارے پر۔" اگر آپ عام حالات میں انگلستان جائیں اور وہاں مہینوں رہیں تو بھی آپ پاکستان کے بارے میں کچھ کم ہی دیکھیں گے، لیکن اب ڈیلی ٹیلی گراف، ٹائمز گارڈین اور ڈیلی ایکسپریس میں روزانہ بھیجے ہوئے مکتوب چھپتے تھے۔ میں نے سوچا، "صورت حال سنگین ہے، چنانچہ میں طیارے کے ذریعے واپس ہوا اور ڈھاکہ پہنچا۔

رکن نمبر ۲: آپ کب پہنچے؟ کیا آپ ذہن میں لا سکتے ہیں۔

گولو: میں ۱۳ کو پہنچ گیا تھا۔ مجھے لاہور رکنا پڑا، میں ۱۳ کو ڈھاکہ گیا۔ جب میں جا رہا تھا جناب، تو مجھے پنڈی میں اطلاع ملی کہ صدر کراچی میں ہیں۔ وہ وہاں ڈھاکہ جانے کے لئے پہنچے ہوئے ہیں لیکن انہیں مجیب الرحمٰن کی طرف سے ایسی کوئی یقین دہانی نہیں ملی کہ وہ ان سے ملیں گے۔ ڈھاکہ پہنچ کر میں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو کسی قسم کی بات چیت کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ میرا خیال ہے کہ یہ ۱۴ کی بات ہے کہ میں شیخ مجیب سے ملنے گیا۔ میں نے شیخ صاحب کو بتایا کہ اگرچہ ہم نے گزشتہ انتخابات ایک دوسرے کے مقابلے میں لڑے ہیں، لیکن میں مرکز میں اکثریتی جماعت کے قائد کے طور پر ان کی حیثیت قبول کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے کہا، سیاسی کارکنوں کے طور پر ہم نے جمہوریت کے لئے اکٹھی جدوجہد کی ہے اور اکٹھے مصائب برداشت کئے ہیں۔ مجھے علم ہونا چاہئے کہ اس دفعہ کہاں کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا، کیا آپ دو پاکستانوں پر یقین رکھتے ہیں، یا ایک پاکستان پر۔ ان کا جواب تھا: میں مسلم لیگی ہوں۔ انہوں نے مجھے اشارۃً کہا: تم نے کس حد تک تشکیل پاکستان کی مخالفت کی اور مجھ سے آکر یہ پوچھ رہے ہو کہ میں اس پر یقین رکھتا ہوں یا نہیں؟ تم پاکستان کے محافظ بن بیٹھے ہو اب میں اسے تباہ کر رہا ہوں اور تم اسے بچا رہے ہو؟ میں نے اسے پشتو کی ایک ضرب المثل سنائی کہ جب کوئی گرہ پڑ جائے تو آپ دانتوں کے استعمال سے پہلے اسے انگلیوں سے کھولنے کی کوشش کریں۔ ہمیں بھی دانت استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ انہوں

نے کہا: یحییٰ، بھٹو اور قیوم کے ساتھ ---؟ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا: نہیں، وہ مجھے صرف معروف رکھے گا، اس دوران میں یہاں فوجیں جمع کرنا شروع کر دے گا تاکہ ضرب لگائی جا سکے۔ میں نے کہا، ہمیں اس کی ابتدا تو کرنی چاہئے تاہم میں نے کوشش جاری رکھی اور بالآخر انہوں نے کہا، چلو ٹھیک ہے۔ میں اسے ایک شرط پر ملوں گا کہ تم ڈھاکہ میں ٹھہرو۔ میں نے وعدہ کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو میں چھ ماہ تک ڈھاکہ میں رہنے کو تیار ہوں لیکن ہمیں حالات کو سنبھالنا چاہئے۔ ہم آج تصادم کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہم جب باہر آئے تو ہمیں بیسیوں نامہ نگاروں کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سے اکثریت غیر ملکیوں کی تھی۔ انہوں نے پہلا سوال یہی پوچھا کہ کیا آپ کوئی پیغام لے کر آئے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے پوچھا: آپ کو کس لئے بلایا گیا ہے؟ میں نے کہا، مجھے کانفرنس کے لئے بلایا گیا ہے۔ میں یہاں مستقبل کے وزیراعظم سے معاملات پر بات کرنے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا، کیا آپ شیخ صاحب کی طرف سے کوئی پیغام لے جا رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہم نے صرف بات چیت کی اور اکٹھے مل بیٹھے، میں درمیان میں چولیا کیوں ہوں؟ میں نے انہیں اشارہ دیا تھا اور امریکی نامہ نگار نے فوراً کہا: (مجیب سے) آپ صدر سے ملیں گے۔ انہوں نے کہا: اگر وہ ڈھاکہ آئیں تو بسر و چشم۔ میرا خیال ہے، یحییٰ اگلے روز پہنچ گئے۔ اس نے ان سے دو چار ملاقاتیں کیں۔ تب اس نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ میرا کیا خیال ہے بنگالی کیا محسوس کرتے ہیں؟ میں نے کہا ان کے جذبات انتہائی مجروح ہیں اور وہ قدرے جارحیت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ نے اسمبلی کا اجلاس کیوں ملتوی کیا؟ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ تو مجھے مانچسٹر میں پتا چلا جہاں کچھ دوستوں نے مجھ سے پوچھا: "اب تمہارے پاس کچھ مزید وقت ہے، کیا ہمیں ملنے آ سکتے ہو؟ میں نے پوچھا: "تمہارا مطلب کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہو گیا ہے۔" مجھے اس کا یقین نہ آیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا، بی بی سی کے ساتھ آپ کا رابطہ قائم کروں۔ میں نے کہا نہیں، میں نے فوراً ہائی کمشنر

کو ٹیلی فون کیا اور خبر کی توثیق ہو گئی۔ میں نے خود سے کہا کہ انجام کی ابتداء ہے۔ صدر نے کہا: ہاں، میرا خیال ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

صدر: کیا یہ انہوں نے کہا تھا؟

گواہ: جی کہا تھا، تو ہاں، میں نے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ چلئے ہم یہ دیکھیں کہ آپ صورت حال کو کیسے بچا سکتے ہیں۔ تب اس نے کہا کہ اب یہ شیخ دو اسمبلیوں کی بات کر رہا ہے۔ میں نے کہا: "صدر جناب، میری اطلاع یہ نہیں ہے، میں ان سے دو مرتبہ ملا ہوں، لیکن انہوں نے کبھی دو مجالس ہائے دستور ساز کی بات نہیں کی اور وہ ایسی اسمبلی کو کس لئے توڑنا چاہیں گے جس میں انہیں مطلق اکثریت حاصل ہے۔ میں نے کہا، مجلس دستور ساز کو توڑنے کی بات بھٹو صاحب نے کی ہے اور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو یہ کہوں گا کہ آپ کی در پردہ اجازت سے، کیونکہ صرف مجلس دستور ساز کو توڑ کر ہی بھٹو صاحب مغربی پاکستان کی مجلس دستور ساز میں اکثریت میں آسکتے ہیں، تب وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے صدر سے کہا کہ آپ اس واحد شخص کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو پاکستان کو ایک رکھ سکتا ہے اور وہ شخص مجیب ہے۔ میں نے کہا کہ ان پر انتہا پسند بائیں بازو کی طرف سے، جس کی قیادت مولانا بھاشانی کر رہے ہیں، سخت دباؤ ہے۔ میری معلومات کے مطابق گذشتہ ۸ سالوں میں پہلی بار اس کے جلسوں میں رش ہو رہا ہے۔ میں نے مولانا بھاشانی کی ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی وہ تقریریں سنی ہیں، جو اس نے چٹاگانگ میں کی ہیں۔ اس نے کہا کہ بنگال کو فکر و مقصد کے اس اتحاد و یکجہتی پر مبارکباد ہو جس کا اس نے مظاہرہ کیا۔ اس نے کہا: "کسی جمہوری ملک کی تاریخ میں کبھی ایک سیاسی جماعت کے حق میں اتنی اکثریت سے ووٹ نہیں پڑے۔ اب مجھے فخر ہے کہ میں عوامی لیگ کا بانی رکن ہوں۔ سہروردی بھی ایسی واضح اکثریت حاصل نہ کر سکے تھے، لیکن آج ہمارے درمیان ایک ایسا قائد ہے جس نے سہروردی صاحب کو مات کر دیا ہے۔" میں مولانا بھاشانی کو جانتا ہوں، میں نے ان کے ساتھ ۸ سال تک

کام کیا ہے۔ وہ شیخ مجیب سے انتہائی نفرت کرتا ہے، وہ یہ کیوں کہہ رہا ہے؟ اب وہ ایسے مقام پر آگیا ہے، جہاں یہ کہتا ہے کہ ہم نے ہمیشہ سہروردی صاحب، شیر بنگال اور ناظم الدین جیسے قائد پیدا کئے ہیں، لیکن جہاں تک مغربی پاکستان کی سازشوں کا تعلق ہے، ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور شیخ مجیب بھی اس میں کوئی استثناء نہیں ہیں، ہمیں جو بات اب بچا سکے گی وہ یہ ہے کہ ہم کسی صورت بھی مغربی پاکستانیوں کے ساتھ ایک میز پر نہ بیٹھیں۔ پھر یہ سب مٹ جائے گا۔ مولانا نے کہا کہ وہ مسلم لیگی ہے اور ۱۹۴۰ء کی لاہور قرارداد پر قائم ہے، جس میں دو خود مختار ریاستوں کا مطالبہ کیا گیا تھا، وہاں ایک ہی ریاست کا تصور نہیں تھا۔ جب ہم علیحدگی کے قریب جا پہنچے اور میں ان سے ملا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں ان کے ساتھ مل جاؤں، تو وہ پختونستان کی ایک آزاد خود مختار ریاست کا مطالبہ کر دیں گے لیکن میں نے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور انہیں بتایا کہ میں آزاد اور خود مختار پختونستان نہیں چاہتا۔ یہ بلقانستان کا عہد نہیں ہے، آپ ایسی باتیں کیسے کر رہے ہیں؟ کس عہد میں ہیں آپ؟ صنعتی اور تکنیکی طور پر ترقی یافتہ یورپ بھی اب مشترکہ منڈی کے بارے میں سوچتا ہے۔ صدر نے مجھ سے کہا کہ میں مجیب سے جا کر ملوں اور اس سے بات کروں، چنانچہ میں نے کہا کہ یہ مولانا بھاشانی ہے جو اسے انتہا پسندی کی طرف لے جا رہا ہے اور میں نے کہا کہ مولانا حکومت کی لائن پر چل رہا ہے۔ میرے پاس اس کا ثبوت ہے کیونکہ جب مولانا ۲۳ مارچ کو یوم آزادی کا اعلان کرنے والا تھا، ہم نے صدر کی توجہ اس طرف دلائی تو ہمیں یقین دلایا گیا کہ مولانا ایسا نہیں کرے گا اور ایسا ہوا کہ اگرچہ مولانا نے ۲۳ کو بنگلہ دیش کی آزاد اور خود مختار ریاست کے فیصلے کو مشتہر کرنے کا اعلان کر دیا لیکن وہ اس دن آیا ہی نہیں اور اچانک بیمار پڑ گیا۔ جب کبھی اسے سیاسی طور راس آئے، وہ عام طور پر یہی کرتا ہے۔

لیکن میں نے کہا کہ آپ سے مجلس دستور ساز کی حاکمیت اعلیٰ پر تھوڑا سا جھگڑا ہے۔ صدر نے پہلے مجھ سے کہا تھا کہ میں حاکم اعلیٰ ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ حاکم اعلیٰ

اس لئے ہیں کیونکہ آپ کے ہاتھ میں مارشل لاء کا ایک بڑا ڈنڈا ہے، لیکن میں نے کہا، میں اس لئے حاکم اعلیٰ ہوں کہ میرے پیچھے عوام کا فیصلہ ہے۔ میں نے صدر سے پوچھا کہ وہ اس حاکیت اعلیٰ کو پس پشت کیوں ڈالتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ چونکہ وہ ایک سپاہی ہیں، اس لئے سیدھی بات کرتے ہیں۔ میں انہیں بتایا کہ انہوں نے مجھے وہ شخص یاد دلایا ہے جو اپنے دوست کے پاس اس لئے گیا کہ اس کا کتا ایک ہفتہ کے لئے ادھار مانگے تاکہ جب وہ فصل کاٹنے جائے تو رکھوالی کر سکے۔ دوست نے جواب دیا کہ کتا مر چکا ہے، لیکن وہ زندہ بھی ہوتا، تو میں اسے قطعاً تمہیں نہ دیتا۔ تو صدر صاحب، آپ کے خیال میں وہ شخص ایسا کہنے میں اس لئے حق جانب ہو سکتا ہے کہ وہ سپاہی ہے؟ وہ اپنی بات یہیں ختم کر سکتا تھا: "میرا کتا مر چکا ہے۔" میں نے کہا میں صرف تبھی شیخ مجیب الرحمٰن کے پاس جا کر بات کروں گا، جب آپ مجھے یقین دہانی کرائیں۔ اس پر صدر نے کہا کہ جب اسمبلی کا اجلاس ہو گا تو میں اس کی حاکیت اعلیٰ کا اعلان کر دوں گا۔ اس کے بعد میں مجیب کے پاس گیا اور مصروف ہو گیا۔ پھر بعد میں بھٹو صاحب نے تقریر کی اور کہا کہ یہاں تین جماعتیں ہیں، پیپلز پارٹی، عوامی لیگ اور فوج۔ پہلی بار فوج کو بھی ایک سیاسی جماعت تسلیم کیا گیا تھا، چنانچہ میں نے تجویز کیا کہ بہتر ہے کہ ہم اس معاملے سے الگ رہیں، کیونکہ یہاں صرف تین جماعتیں ہیں، چنانچہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا میں نے اصرار کیا کہ صدر کو تمام دوسرے قائدین کو دعوت دینا چاہیے، وہ یہاں آئیں اور اکٹھے مل بیٹھیں—اور ان لوگوں کے مغربی پاکستان سے آنے اور میرے ان سے ملنے کے بعد مجھے یہ پتہ چلا۔ سردار شوکت حیات نے مجھے بتایا کہ ہمیں کہا گیا، ہم مشرقی پاکستان میں اسمبلی کے اس اجلاس میں شمولیت کے لئے نہ جائیں۔ مفتی محمود اور شاہ نورانی نے بھی یہی بات کہی۔

صدر: کیا آپ سب اکٹھے جنرل یحییٰ سے ملے؟

گواہ: ہم سب اکٹھے انہیں ۲۳ کی شام کو ملے تھے۔ مجھے ان کے الفاظ یاد

ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مجھے بتایا کہ یحییٰ میرے ساتھ "پیار فرما" رہا ہے، وہ مجھے مصروف رکھنا چاہتا ہے، وہ ہمہ وقت اپنی مسلح افواج اکٹھی کرنے میں مصروف ہے۔ پھر وہ قانون کے نازک مسائل میں الجھ گئے۔ مثلاً مارشل لاء اٹھا لیا جائے یا ختم کر دیا جائے تو پھر معاملات کیسے چلیں گے؟ صدر کو اختیارات کہاں سے حاصل ہوں گے؟ یا صدر ہو گا ہی نہیں، کیونکہ اس کے اقتدار کا منبع مارشل لاء تھا، وغیرہ وغیرہ۔ اس پر سردار شوکت حیات نے کہا، آپ اس ملک کو خالص قانونی باریکیوں ہی پر توڑ دینا چاہتے ہیں، تاہم ہم نے اسمبلی کو تقسیم کرنے کی مخالفت کی۔ میں شیخ مجیب الرحمٰن کے پاس گیا اور اس کے ساتھ بات کی اور کہا کہ وہ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ اس پر بالجبر (Under Duress) اتفاق کر رہے ہیں کیونکہ مجلس آئین ساز کا اجلاس نہیں ہو گا اور اس کے پاس واحد راستہ اسمبلی کی تقسیم رہ جاتا ہے، لیکن میں نے کہا، ٹھیک ہے، پھر اس نے جا کر اپنا سیف کھولا اور صدر یحییٰ کا اپنے نام لکھا ہوا خط لے آیا۔ اس خط میں اس نے شیخ مجیب الرحمٰن سے کہا تھا کہ کوئی غیر معقول بات نہ کیجئے گا، میرے ڈھاکہ آنے کا انتظار کریں اور اس کا سب سے اہم حصہ یہ تھا: "میں آپ کو چھ نکات سے بھی زیادہ دینے کو تیار ہوں۔"

صدر: کیا آپ نے وہ خط دیکھا تھا؟

گواہ: میں نے وہ دستاویز اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ مجھے اس دستاویز کی اہمیت کا احساس صرف اس وقت ہوا جب بھٹو صاحب نے اپنی لاجواب تجویز پیش کی کہ مشرقی پاکستان عوامی لیگ سنبھال لے اور مغربی پاکستان پیپلز پارٹی۔ میں نے کوئی ۱۰، ۱۵ غیر ملکی نامہ نگاروں کو بھیجا کہ وہ اس تجویز پر شیخ مجیب کا جواب اور عوامی لیگ کا ردعمل حاصل کریں، وہ اس سوال پر تبصرہ کریں، لیکن انہوں نے تبصرہ نہ کیا۔ تب مجھے ان کے ایک ماہر معاشیات رحمٰن سبحانی کو بلوانا پڑا اور اسے کہا کہ وہ بھٹو صاحب کی اس تجویز پر تبصرہ کیوں نہیں کرتا۔ اس نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ ہم اس پر کس لئے معترض ہوں،

کیونکہ چھ نکات کی بنیاد پر ہم صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کر رہے تھے جبکہ بھٹو صاحب کی تجویز کے مطابق ہمیں مکمل آزادی مل رہی ہے۔ اس نے کہا کہ ہم بسر و چشم اسے مانتے ہیں، کیونکہ یہ تجویز مغربی پاکستان کی طرف سے آرہی ہے۔ یہ سیدھا سادا خالص حساب ہے۔

رکن نمبر ۲ : شاید اس کا خیال ہو کہ پاک فوج آئندہ کسی مرحلے پر دوبارہ مسلح انقلاب برپا کر دے گی؟

گواہ : یہی وضاحت ہو سکتی ہے۔ ایک موقع پر وہ مرکزی حکومت کی تشکیل کی باتیں کر رہے تھے۔ پھر ہوا کہ یہ کہ ان میں اختلاف ہو گیا۔ ہم تفصیل میں نہیں جاتے کہ تمام مسئلہ اس بات سے وابستہ ہے کہ یحییٰ خاں کسی صورت بھی شیخ مجیب الرحمٰن کو اس وقت تک اقتدار منتقل نہیں کرنا چاہتے تھے جب تک وہ بھٹو صاحب کو اپنی کابینہ میں نہ لیں۔ تب شیخ مجیب الرحمٰن نے انہیں کہا کہ مجھے اکثریت حاصل ہے لیکن اگر آپ اس پر بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ میں بھٹو کو اپنی کابینہ میں شامل کروں گا پھر ہر دو سیاسی جماعتوں کے درمیان ایک مخلوط حکومت ہونی چاہئے اور اس کے لئے انہیں آکر شرائط طے کرنی چاہئیں، وگرنہ ہر جمہوری نظام میں اکثریتی جماعت وزارت بناتی ہے۔ کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ برطانوی حاکم اعلیٰ (بادشاہ) نے مسٹر ہیتھ سے کہا ہو کہ وہ مسٹر ولسن کو ضرور کابینہ میں لیں۔ ساز باز اس طرح ہو رہی تھی کہ آخر میں مجیب اس نقطے پر آ گئے کہ ٹھیک ہے، ہم صوبوں ہی میں جمہوریت قائم کر لیتے ہیں اور مرکز صدر کے پاس رہ جائے اور یحییٰ اس مرکزی حکومت کی نگرانی کریں۔ اس سے بھٹو صاحب چونکنے ہو گئے کیونکہ وہ مغربی پاکستان کے وزیر اعظم نہیں بن رہے تھے۔ صدر یحییٰ کی تجویز دونوں مجلس ہائے دستور ساز کو طلب کرنا تھا۔ ایک مشرقی پاکستان میں اجلاس کرے اور دوسرے مغربی پاکستان میں۔ جب مسودہ ہائے آئین تیار ہو جائیں، تو ان کا اکٹھا اجلاس ہو اور وہ یہ طے کریں کہ وہ کن کن اختیارات سے مرکز کے حق میں

دستبردار ہونے کو تیار ہیں۔ یہ بندوبست کیا گیا تھا۔ میں نے کہا کہ میں مغربی پاکستان اسمبلی کا رکن نہیں ہوں، میں قومی اسمبلی کا رکن ہوں۔ اگر اس اسمبلی کا اجلاس بلایا جاتا ہے، تو میں ضرور جاؤں گا۔ پھر میں صوبہ سرحد کی اسمبلی کا رکن ہوں۔ اگر اس اسمبلی کا اجلاس بلایا جاتا ہے، تو میں شمولیت کروں گا، لیکن کسی مغربی پاکستان اسمبلی میں نہیں۔ میں نے بھٹو صاحب سے کہا، جس وقت آپ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ عوامی لیگ کو مرکزی سطح پر اکثریت حاصل ہے، مگر اس کی اکثریت صرف مشرقی پاکستان تک محدود ہے، اس وقت آپ اس ملک کی ترقی و یکجہتی پر ضرب لگاتے ہیں۔ پھر ہم ایک پاکستان کی بات نہیں کرتے۔ ہم پانچ صوبوں کی بات کرتے ہیں۔ ہم مغربی پاکستان کی سطح پر اس صورت سے دوچار ہونے والے ہیں۔ میں نے صدر کو بتایا، اگر آپ قومی اسمبلی کا اجلاس بلاتے ہیں میں ضرور آؤں گا۔ میں قومی اسمبلی کا رکن ہوں، میں صوبائی اسمبلی کا رکن بھی ہوں، میں مغربی پاکستان اسمبلی کا رکن بالکل نہیں ہوں، یہاں مغربی پاکستان اسمبلی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

صدر : کیا ایسی بات تو نہیں کہ جب منصوبے درہم برہم ہو گئے تو یحییٰ خان سب کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ مخلص نہیں تھا۔ وہ وہاں مجیب صاحب کو اور یہاں بھٹو صاحب کو استعمال کر رہا تھا؟

گواہ : مجیب کے بارے میں تو وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے بھٹو کے بارے میں یہ یقین ہے۔

صدر : کیا وہ یہ تو نہیں سوچتا تھا کہ اگر مشرقی پاکستان چلا جاتا ہے تو فوج مغربی پاکستان کو قابو کر لے گی، یہ بنیادی طور پر مربوط علاقہ ہے اور ہم یہاں ہمیشہ اقتدار قائم رکھ سکتے ہیں۔

گواہ : بھٹو صاحب نے یہی کہا تھا؟

صدر : مجھے علم نہیں کہ کیا آپ کو کبھی یہ احساس ہوا کہ جنرل یحییٰ آپ کو

اصل صورت حال سے آگاہ نہیں کر رہا کہ ان کے اور مجیب کے اور ان سے اور دوسرے سیاست دانوں کے درمیان کیا بات ہو رہی ہے؟

گواہ: یہ بالکل درست ہے، مجھے یہ احساس آخری مراحل پر ہوا۔

صدر: کیا آپ کو شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ (بھٹو صاحب کے سوا) مغربی پاکستان کے دوسرے قائدین کی مشترکہ کانفرنس کے بارے میں کچھ یاد ہے؟

گواہ: ہاں۔

صدر: سردار شوکت حیات بھی موجود تھے۔

گواہ: یہ ۲۳ کی بات ہے

صدر: اس کانفرنس میں کیا ہوا؟

گواہ: ہم وہاں پہنچے اور دیکھا کہ ان کا کمرہ ان کے رفقاء سے بھرا پڑا ہے۔ کمال موجود تھے، تاج الدین تھے، نذر الاسلام تھے اور مشتاق خوندکر بھی تھے۔

رکن نمبر ا: ان کے پاس جانے سے پہلے آپ جنرل یحیٰی سے ملے تھے؟ ان مغربی پاکستانی قائدین کو جنرل یحیٰی نے طلب کیا تھا، کیا ایسا نہیں ہوا کہ اس نے جب یہ کہا کہ بشرطیکہ آپ کی رضا ہو، میں دو اسمبلیوں پر متفق ہوں۔ پھر اس نے آپ سب کو مجیب کے پاس جانے کو کہا۔

گواہ: جب ہم مجیب کے پاس پہنچے تو اس کا کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا تھا کہ اگر آپ اقتدار منتقل نہیں کرنا چاہتے تو نہ کیجئے، لیکن ازراہ کرم ہمیں قتل تو نہ کیجئے ہمیں قتل تو نہ کیجئے۔ مولانا نورانی نے سوچا کہ یہ تو سیدھا سادا معاملہ ہے اور انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن سے کہا کہ صدر یقیناً قومی اسمبلی کو اقتدار منتقل کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ہم مجیب سے رخصت ہوئے اور ایوان صدر پہنچے۔ صدر اس تجویز سے بالکل خوش نہ تھے۔ اس وقت تک انہوں نے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر لیا تھا۔ جب میں نے ان سے کہا کہ صدر، بھٹو نے یہ کہا ہے کہ اس تنازعے میں

صرف تین فریق ہیں: عوامی لیگ، پیپلز پارٹی اور فوج، چنانچہ چھوٹے گروپوں کے لئے دخل در معقولات کرنے کی کہاں گنجائش ہے؟ علاوہ ازیں ان کے مشیروں میں ملاقاتیں ہو رہی تھیں اور تینوں فریقین کے درمیان کسی افہام و تفہیم کے کچھ امکانات دکھائی دیتے تھے، اس لئے ہمیں واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ صدر نے فوراً اتفاق کیا اور کہا کہ وہ بھی دو دن تک آرہے ہیں۔ صدر کا خیال تھا کہ انہوں نے تمام راستے آزما لئے ہیں اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ گولی کے ذریعے آگے بڑھیں۔ (Shoot Ones Way Through) میں نے کہا: ہم نے اس مسئلے کا جو بنیادی طور پر سیاسی ہے، ایک سیاسی حل پیش کیا تھا اور اگر وہ آپ کو قابل قبول نہیں ہے، تو پھر ہمارے لئے یہاں کرنے کو کچھ باقی نہیں ہے۔ یہاں ایک بات اہم ہے، جسے میں سامنے لانا چاہتا ہوں۔

صدر: جی!

گواہ: یہ بہت بعد کی بات ہے مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ یہ کوئی شاید مئی کے پہلے ہفتے کی بات ہے کہ میں نے صدر کی پنڈی واپسی کے بعد ان سے ملاقات چاہی۔ بھٹو صاحب اور قیوم صاحب کی تقریریں اخبارات میں آرہی تھیں۔ جو کچھ ڈھاکہ میں ہوا تھا، ان تقریروں میں اسے مسخ شدہ شکل میں پیش کیا جا رہا تھا اور میں انہیں اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ صدر نے پوچھا کہ کیا میں ڈھاکہ سے واپسی سے پہلے بھی مجیب سے ملا تھا؟ میں نے کہا: "ہاں میں مجیب کو ۲۴ کو ملا تھا۔" پھر انہوں نے پوچھا: "کیا آپ نے اس کی کھوپڑی میں کوئی عقل ڈالنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے کہا: "نہیں۔ کیونکہ اس دن مجیب نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس کے بعد مجھ میں حوصلہ نہیں تھا کہ اس سے سیاست پر بات کر سکتا۔ میں نے مجیب سے کہا کہ اب آپ یحیٰی اور بھٹو صاحب سے مل رہے ہیں، آپ کے مشیروں میں بھی ملاقات ہو رہی ہے اور بھٹو صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ اس تنازعے کے صرف تین فریق ہیں اور پھر میں یہاں

کوئی دو ہفتوں سے ہوں، کچھ تھک گیا ہوں، کیا مجھے واپسی کی اجازت ہے؟" میں نے کہا، یوں لگتا ہے کہ آپ لوگ پالیسی امور پر متفق ہو چکے ہیں اور تفصیلات طے کر رہے ہیں، اس لئے ہمیں واپس جانے کی اجازت ہونی چاہئے۔ میں جنرل یحییٰ کو یہی کہہ رہا تھا۔ شیخ مجیب پلٹے اور کہنے لگے: "ہاں، ولی خان اس بد قسمت سرزمین کو پہلی ممکنہ پرواز کے ذریعے چھوڑ دو۔" پھر میں نے کہا: "آپ اتنے دل شکستہ کیوں ہو رہے ہیں؟" اس پر مجیب نے مجھ سے کہا کہ ان جرنیلوں کی کل ایوان صدر میں میٹنگ ہوئی تھی۔ وہ ۱۲ بجے سے صبح ۷ بجے تک بیٹھے رہے اور انہوں نے "گولی کے ذریعے آگے بڑھنے" کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہی الفاظ جو صدر صاحب آپ نے ایک شام پہلے استعمال کئے تھے اور جب وہ مجھے خدا حافظ کہنے کو آیا، تو اس نے مجھے گلے سے لگا لیا اور کہا: "ولی خان خدارا ہمارے لئے دعا کرو۔ یہ لوگ ہمارا خون چاہتے ہیں اور انہیں کافی بنگالی خون بہانے کو مل جائے گا۔" پھر اس نے کہا کہ غالباً یہ آخری موقع ہے کہ ہم اس دنیا میں مل رہے ہیں۔ خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ میں شیخ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتا تھا۔

رکن نمبر ا: کیا مجیب کے اپنے ذرائع بھی تھے؟

صدر: اس مرحلے پر عوامی لیگ سے کسی سیاسی افہام و تفہیم کی بات چیت ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک اس نے عوامی لیگی قائدین کو بند رکھا تھا۔؟

گواہ: یہ مئی میں ہوا، اس کے بعد وہ ملا نہیں۔

رکن نمبر ا: اگر میں آپ کو ذرا پیچھے لے چلوں، آپ کا نظریہ بالکل واضح ہے کہ شیخ مجیب نے یہ دو مجلس ہائے دستور ساز کی تجویز پیش نہیں کی؟

گواہ: جی ہاں، بعد کے مرحلے پر صدر بھٹو نے تجویز پیش کی کہ میں بھارت جاؤں اور پاکستان کی طرف سے گفت و شنید کروں۔ میں نے اس بناء پر انکار کر دیا کہ مجھے ان تمام برسوں میں بھارتی ایجنٹ کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ان آئندہ مذاکرات میں بھارت ایک مضبوط حیثیت سے گفت و شنید کر رہا ہو گا اور امن یا معاہدہ اس کی

شرائط پر طے پائے گا۔ اس لئے جب میں معاہدے کے بعد واپس آؤں گا، جو لوگ میرے سیاسی مخالف ہیں، وہ کہیں گے کہ تمہیں پاکستان کی طرف سے مذاکرات کے لئے ایک بھارتی ایجنٹ کے علاوہ کوئی آدمی نہ ملا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ بھٹو صاحب نیو دہلی کے لئے کوئی ولی خان چاہتے تھے جس طرح تاشقند میں انہوں نے ایوب خان کو تلاش کر لیا تھا، لیکن میں پابند ہونا نہ چاہتا تھا اور اس لئے میں نے انکار کر دیا۔ تب انہوں نے کہا، میں اس پیشکش کو کھلا رکھوں۔ میں نے کہا، نہیں۔ آپ میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے۔ میں نے کہا، جو شخص جنگ کرتا ہے، اسے ہی ہتھیار ڈالنے کی ذلت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ یہ جنرل نیازی ہی تھا جو مشرقی پاکستان میں لڑا اور اسے سرنڈر کی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے کہا، وہ لوگ جو جنگ چاہتے تھے اور جو جنگ کی بات کر رہے تھے، وہ جائیں اور یہ ذلت برداشت کریں۔ میں نے کہا کہ اس معاہدہ امن کے عمل میں یہ ملک منتشر ہونے والا ہے، چنانچہ نظریہ پاکستان کے محافظوں کو، قیوم خان کو بھیجئے وہ دستاویز پر دستخط کرے، میں اس میں کیوں ملوث ہوں؟

رکن نمبر ا: ایک سوال جو صدر صاحب نے آپ سے پوچھا کہ کیا فوجی اقدام کے بعد کسی مرحلے پر مئی، جون، جولائی میں اس سب کچھ ہونے کے باوجود کسی سیاسی سمجھوتے کا امکان تھا؟ کیا اندازہ ہے آپ کا؟

گواہ: اب روس یہی تو شکایت سنا رہا ہے۔ روس نے کہا کہ دیکھئے اگر آپ لوگ اس قرارداد کو مان لیتے، جو ہم نے پیش کی----

رکن نمبر ا: وہ تو جنگ کے بعد تھی، جنگ سے پہلے جب مشرقی پاکستان کی صورت حال کافی حد تک قابو میں لائی گئی۔ ظاہراً امن و امان حال ہو گیا، کسی حد تک ذرائع مواصلات کھول دیئے گئے۔ ایک مرحلے پر یوں لگتا تھا کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے مصالحت کر لی ہے، ان کی تحریک ناکام ہو گئی ہے۔ مجیب یہاں تھا، دوسرے کلکتہ، لندن یا نیویارک گئے ہوئے تھے۔ اس مرحلے پر ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ

آپ کے اندازے کے مطابق کوئی ایسا سیاسی حل ہو سکتا تھا جس سے جنگ ٹل سکتی۔

گواہ : دراصل میں ملک سے باہر تھا میرا خیال ہے کہ نہیں اس پورے عرصے میں اس بات سے بے خبر رکھا گیا کہ الگ صورت ہے کیا؟ میں جولائی کے بعد اکتوبر تک لندن میں تھا۔ میں صدر سے کوئی مئی میں ملا، لیکن وہاں ہمیں کم از کم برطانوی اخبارات اور ٹیلی ویژن کے ذریعے جو خبریں مل رہی تھیں، اس سے آپ یہ تاثر نہیں لے سکتے کہ وہاں بالکل امن اور سکون تھا۔

صدر : جب مون سون شروع ہوئی، لیکن اس سے پہلے کیا تھا؟

گواہ : اس سے پہلے میں ٹھیک طرح نہیں جانتا۔

صدر : اس جنگ سے پہلے بھی روس نے خود یہ پیش کش کی تھی کہ وہ سیاسی سمجھوتے کے لئے مدد کرنے کو تیار ہے؟

گواہ : مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں کہ وہ کوئی سمجھوتہ نہ چاہتے تھے۔ جب جنرل فرمان علی نے کہا کہ وہ بعد کے مرحلے پر بھی سمجھوتہ کر سکتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے جنگ بندی اور سیاسی سمجھوتے پر روسی قرارداد منظور کر لی تھی۔ پھر بعد میں ہم نے انکار کر دیا، کیونکہ ہمیں بتایا گیا کہ انٹرپرائز ہماری مدد کو آرہا ہے اور چین کی فوج نقل و حرکت بھی شروع ہے۔ یہ سب اس کھیل کا حصہ تھا جس سے ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑے اس لئے سیاسی سمجھوتے کا امکان ہر وقت موجود تھا۔ اس میں کوئی غلط بات نہیں، مجھے یقین ہے کہ ہم بڑی آسانی سے مارچ میں کسی سیاسی سمجھوتے تک پہنچ سکتے تھے۔ میرا خیال ہے اسے دانستہ طور پر روکا گیا۔ اس مسئلے پر مجھے پورا یقین اور شرح صدر ہے۔ مجھے ایک فیصد بھی شک نہیں ہے۔

رکن نمبر ا : آپ کیا کہیں گے، یحیٰی خان دانستہ بڑی طاقتوں کا کھیل کھیل رہا تھا یا وہ اپنے اقتدار کو استحکام دینا چاہتا تھا؟

گواہ : میں ایک غیر ملکی نامہ نگار سے ملا، وہ ہانگ کانگ سے آیا تھا۔ وہ

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے کسی قسم کے جریدے کا نمائندہ تھا اور اس کے ساتھ ایک امریکی سفارت کار تھا۔ میں نے اس کے سامنے ساری بات کا تجزیہ کیا۔ وہ سفارت کار اپنی کرسی پر آرام سے نہ بیٹھ سکا۔ وہ مجھ سے سوال کر رہا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ میری ان صاحب کے ساتھ پریس کانفرنس ہے، دوسرے اصحاب بعد میں سوال کر سکتے ہیں۔ آپ کے خیال میں کیا یہ ایک سازش کا حصہ تھا؟ میں نے کہا کہ یہ یا کسی سازش کا حصہ تھا یا وہ احمق گماشے یہ نہ جانتے تھے کہ وہ اپنے ملک کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں؟ یحیٰی خان کسی غیر ملکی حکومت کی سازش کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا تھا یا نہیں، لیکن ملک کو نقصان پہنچا ہے۔ اگر وہ میرے سامنے کی کرسی پر بھی آبیٹھے، تو میں اسے یہی کہوں گا، جو میں اب محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کبھی اسے تاریکی میں نہیں رکھا۔ آپ اپنا فیصلہ کر سکتے ہیں، لیکن میں یہ کہوں گا کہ وہ اتنا ذہین آدمی نہیں تھا کہ دونوں باتوں کے اندر جھانک سکتا۔

رکن نمبر ا : یہ شاید اقتدار کے لئے اس کا اندھا پن تھا۔ اسے اور کیا یہ قیمت پیش کی گئی ہو گی؟ ملک کی صدارت سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

صدر : آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قیمت پہلے ہی دی جا چکی تھی؟

گواہ : میں یہ نہیں کہوں گا، میں اس حد تک نہیں جاؤں گا۔

صدر : میرا مطلب یہ ہے کہ جنرل یحیٰی کو اس منصب پر اسی مقصد کے لئے فائز کر لیا گیا تھا؟

گواہ : اب ہمارا اور مقصد ہے۔

رکن نمبر ا : اب ہم جب بحث کر رہے ہیں اور تجزیہ کر رہے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب فوج ایک بار ملک کی سیاست میں ملوث ہو جاتی ہے تو یہ مارشل لاء حکومت کو دوام دیتی ہے اور سیاسیات اور فوجی سرگرمیوں دونوں کا ستیاناس کر سکتی ہے۔ کیا کوئی ایسا قابل اعتماد نظام تجویز کیا جا سکتا ہے جس سے فوج آئین کو دوبارہ کالعدم

قرار نہ دے سکے۔

گواہ: خالص سادہ اور غیر ملاوٹی جمہوریت اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

رکن نمبر ا: یہ بلاشبہ ایک طویل عمل ہے۔

گواہ: میں اس بات کو یوں دیکھوں گا۔ فرض کیجئے ایک شخص کا دریا کے کنارے مکان ہے۔ ایک دن وہ جاتا ہے اور اپنے بچے کو دریا میں دیکھتا ہے۔ اب اس کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ اسے تیرنا سیکھنا چاہئے یا باپ کو لڑکے سے کہہ دینا چاہئے کہ اگر تم دوبارہ دریا کے کنارے آئے تو میں تمہاری ٹانگ توڑ دوں گا۔ میں یہ کہوں گا کہ تیرنا سیکھنے میں والدین کو لڑکے کی ضرور مدد کرنا چاہئے، اس لئے میرا خیال ہے، آپ کو تیرنا سیکھنا ہو گا، یعنی جمہوریت کی پیچیدگیوں اور نقائص کے باوجود اس پر عمل کیجئے۔

رکن نمبر ۲: تو والدین کون ہیں؟

گواہ: "والدین" صدر مملکت ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ اگر آپ آمریت سے بچاؤ چاہتے ہیں، چاہے یہ نوکر شاہی کی آمریت ہو یا فوج کی یا جماعت کی، جیسا کہ اب ہے (فوجی آمریت ہی واحد خطرہ نہیں ہے۔ یہ ہر سطح پر ہے) تو پھر آپ غیر ملاوٹی جمہوریت اپنایئے۔ میں نے ہمیشہ قانون کی حکمرانی کی وکالت کی ہے اور اس کے لئے میں نے اپنے کئی سال جیلوں میں گزارے ہیں۔ پانچ سال تک، ۱۹۴۸ء سے ۵۳ء تک میں قانونی عدالتوں تک رسائی حاصل کر کے ان کے دروازے پر دستک دیتا رہا کہ مجھے میری نظر بندی کی وجہ بتائی جائے لیکن میں اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ میری تمام جائیداد لے لی گئی۔ میرے بچوں کو بھی اس جائیداد سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی۔ میں نے اگلے روز بھٹو صاحب سے کہا ہے کہ ریٹائرڈ ملازموں کو اپنے الزامات کا جواب دینے کا موقع دیجئے اور پھر اگر وہ مجرم ثابت ہوتے ہیں تو انہیں جیلوں میں بھیج دینا چاہئے اور ان کی جائیداد ضبط کر لی جانی چاہئے۔ کچھ ریٹائرڈ افراد بیروت میں ہوٹل چلا رہے ہیں۔ اگر وہ ملزم ہیں تو انہیں اس کی اجازت کیوں ہونی چاہئے؟ صدر: بہت شکریہ آپ کا۔

ڈھاکہ کے آخری پاکستانی کمشنر

سید علمدار رضا کا انٹرویو

وہ متحدہ پاکستان میں مشرقی پاکستان کے صوبائی دارالحکومت ڈھاکہ کے آخری کمشنر تھے' اور اس سارے عمل کے عینی شاہدوں میں سے ہیں' جس کے سبب پاکستان دولخت ہو گیا۔ وہ مشرقی پاکستان میں فوج کے بے رحم آپریشن کے ناقد بھی ہیں۔ تاہم اسے فوجی شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ ان کے اپنے دلائل ہیں۔ وہ حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے بطور گواہ بھی پیش ہوئے' جن میں ان کا نمبر 226 ہے۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت کے سلسلے میں ان کی ایک رٹ لاہور ہائی کورٹ میں سماعت کی منتظر ہے۔

س: اپنی سروس کا تھوڑا سا پس منظر تو بتایئے؟

ج: سروس کا معاملہ یہ ہے کہ میں نے 51 میں فوج میں کمیشن لیا۔ کشمیر میں جہاد ہو رہا تھا اور مجھے کشمیر کی آزادی سے دلچسپی تھی مگر جب میں تربیت کے مراحل سے گزر کر پہلی پوسٹنگ میں کشمیر پہنچا تو سیز فائر ہو چکا تھا اور کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ میں بے معنی زندگی نہیں گزار سکتا تھا' اس وقت فوجی افسروں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ سول سروس کے مقابلے کے امتحان میں شریک ہوں تو میں سی ایس پی بن گیا اور پہلی پوسٹنگ مشرقی پاکستان میں اسسٹنٹ کمشنر کی ہوئی ڈپٹی کمشنر بوگرہ بھی رہا۔ پھر اے ڈی ایم کراچی رہا' ڈپٹی کمشنر تھرپارکر اور حیدر آباد رہا۔ وزارت تعلیم میں ڈپٹی کمشنر رہا اور 70ء میں کمشنر ڈھاکا بنا کر بھیجا گیا۔

س: جب کمشنر ڈھاکا بن کر گئے تو حالات کیا تھے؟

ج : جب میں وہاں پہنچا تو آرمی ایکشن ہو چکا تھا۔ حالات تھوڑے بہت قابو میں تھے لوگ گھبرائے ہوئے تھے۔ یہاں سے روانگی کے وقت جو بریفنگ مجھے دی گئی اور جو کچھ میں سمجھ پایا' وہ یہ تھا کہ وہاں مفاہمت کی فضاء پیدا کی جائے۔ خیال یہ تھا کہ جو لوگ وہاں فرائض ادا کرتے رہے ہیں' سیاست دانوں' سماجی کارکنوں اور معاشرے میں مقام رکھنے والے لوگوں سے واقفیت رکھتے ہیں' یہ کام زیادہ آسانی سے کر سکیں گے۔ لوگوں نے میرے دفتر آنا شروع کیا' ہجوم لگ گیا مسائل یہی تھے کہ کسی کا بیٹا غائب تھا تو کسی کا شوہر اٹھالیا گیا تھا۔ میرا پرائیویٹ سیکریٹری ایک بنگالی تھا' ایک دن میں دفتر پہنچا تو اس نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا۔ پتا کیا تو اس نے بتایا میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اس کے شوہر کو اٹھا کر لے گئے ہیں' اس نے ایک فوجی کپتان کا نام بتایا۔۔ میں نے ان سے فون پر بات کی تو ان کا لہجہ اور انداز گفتگو عجیب تھا۔ کیپٹن کا استفسار تھا "تمہیں کیا تکلیف ہے؟" اور یہ ہدایت تھی کہ اپنے لوگوں کو کہہ دیں کہ رویہ درست کریں میں یہی تکلیف لے کر کرنل علوی کے پاس گیا۔ انہوں نے کپتان صاحب سے بات کی مگر معاملہ حل نہ ہوا' ایک صبح میں دفتر پہنچا تو میرے پرائیویٹ سیکریٹری نے روتے ہوئے بتایا کہ اس کے داماد کی لاش مل گئی ہے۔ پھر ایک خاتون سول افسر مسز معین کا فون مجھے آیا۔ یہ خاتون مغربی پاکستان میں میرے ساتھ وزارت تعلیم میں کام کر چکی تھیں اور وہاں کسی منصب پر کام کر رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے شوہر کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ پھر پاکستان کے لاء سیکریٹری رہنے والے امین الاسلام کے داماد کو اٹھا کر لے گئے' یہ سب لوگ مجھ سے پوچھتے تھے کہ ہمارے عزیز کہاں ہیں؟ اس ساری کارروائی کے انچارج ایک بریگیڈیئر قادر تھے۔ انہوں نے پکڑے جانے والوں کو تین خانوں میں تقسیم کیا تھا گرین' گرے اور بلیک کہتے تھے جن سے ہم مطمئن ہو جاتے ہیں' انہیں گرین قرار دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ گرے کو صفائی کا موقع دیتے ہیں اور بلیک کو گولی مار کر فارغ کر دیتے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کمشنر کی حیثیت سے اس عمل میں

مجھے شامل کریں' مجھے بتائیں کہ گرفتار شدگان کو کہاں رکھا گیا ہے' مگر میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

دوسرا بڑا مسئلہ اسوقت سامنے آیا جب میرے افسر اور عملہ غائب ہونا شروع ہوا' الزام لگتا' یہ مکتی باہنی کے لوگ ہیں۔ مجھے کہا گیا میں مداخلت نہ کروں پندرہ بیس دن تو لوگ میرے پاس آتے رہے' پھر میری بے بسی کا اندازہ انہیں ہو گیا' اور میرا کوئی کام ہی نہیں رہا۔

س : کیا یہ سب فوجی کر رہے تھے؟

ج : دیکھئے! میں فوج میں رہا ہوں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ فوج محافظت کا کام کرتی ہے۔ اس سے اپنے وطن کے لوگ امان محسوس کرتے ہیں۔ مگر وہاں سارے امتیاز ختم ہو گئے تھے۔ بتایا یہی جا رہا تھا کہ یہ سب کچھ فوج کر رہی ہے۔ ڈھاکا میں لڑکیوں کے ہوسٹل میں سانحہ ہوا' جہاں چھاپہ مار کر طالبات کی بے حرمتی کی گئی۔ خوبصورت چہروں کو ایک دوسرے کی طرف اچھالا گیا۔

س : آپ ایک ذمے دار اعلیٰ سول افسر کے طور پر کیا کر رہے تھے؟

ج : یہ بہت اہم سوال ہے' مگر اس کا کیا کیجئے کہ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ مجھے تو تنگ پورے کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ میرے بارے میں یہ تاثر عام ہوا کہ ایک مسخرہ لایا گیا ہے جس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ میرے افسروں کو اٹھا کر لے جاتے' مجھے پتا بھی نہ چلتا اور دشواری یہ تھی کہ کوئی بات سننے والا بھی نہیں تھا۔ وہ علاقوں کو نشان زد کرتے' وہاں جاتے' لوگوں کو مارتے اور آ جاتے۔ ایک واقعہ میرے علم میں آیا کہ فوجی ایک گھر میں داخل ہوئے وہاں ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اس نے کہا کہ مکتی باہنی والوں نے میرے باپ اور دوسرے اہل خانہ کو قتل کر دیا میں پاکستانی ہوں۔ مجھے بچانے والا کوئی نہیں۔ یہ کتاب اللہ ہے۔ یہی میری محافظ ہے' لیکن آنے والوں نے کتاب ایک طرف رکھی' اور وہی کیا جو انسان' حیوان بن جائے تو کرتا ہے۔

س : کیا مشرقی پاکستان میں اکثریت پاکستان کے خلاف ہوگئی تھی ؟

ج : دیکھئے میرا تجربہ اور مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ وہ علیحدگی نہیں چاہتے تھے۔ بنگالی پرجوش ضرور تھا اور اپنے حق کے لئے لڑنے پر آمادہ بھی مگر علیحدگی نہیں چاہتا تھا مگر جب یہ صورت حال ہوئی تو بھارت نے مداخلت کی۔ لوگ پناہ کی تلاش میں بھارت بھاگنا شروع ہوگئے' جن میں نوجوانوں کی اکثریت تھی۔ وہاں انہیں تربیت دی گئی ہتھیار دیئے گئے اور پاکستانیوں کو پاکستانیوں سے لڑانے کا گر آزمایا گیا۔ ہم ایک خالصتاً سیاسی معاملے کو فوجی مسئلہ سمجھ کر اپنی قوت ضائع کرتے رہے۔ دیکھئے جب یحیٰی خان ڈھاکا سے واپس چلا گیا' تو بہت سے ارکان اسمبلی زیر زمین چلے گئے جنگلوں میں روپوش ہوگئے' کچھ بھارت چلے گئے' مگر شیخ مجیب نہیں بھاگا' اپنے گھر میں رہا' اس کا کچھ مطلب تو ہوگا۔

س : کیا کوئی ایسی شہادت ہے کہ انہوں نے سیاسی تصفیے کی بات کی ہو ؟

ج : جی ہاں کیوں نہیں میں خود اس کا شاہد ہوں' اس دوران شاد عزیز الرحمٰن جو 62ء کی اسمبلی میں بھی تھے۔ بنگلہ دیش کے وزیر اعظم بھی رہے۔ جناب ظہیر الدین جو متحدہ پاکستان کے وزیر تعلیم رہے' بعد میں بنگلہ دیش کے پہلے سفیر کے طور پر پاکستان آئے یہ دونوں حضرات میرے پاس آئے انہوں نے کہا جن حالات میں آپ کو کمشنر بنا کر بھیجا گیا کسی عام افسر کو نہیں بھیجا جاسکتا ہے۔ اس لئے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ معاملے کو سنبھالیں۔ جب پونے چھ نکات پر تصفیہ ہوچکا ہے تو یحیٰی خان سے کہیں کہ وہ ٹیلی ویژن پر اس کا اعلان کرے۔ عام معافی کا اعلان کیا جائے۔ میں نے انہیں کہا کہ میں سیاستدان نہیں' انتظامی افسر ہوں آپ نورالامین سے ملیں مگر ان کا جواب تھا نورالامین ہمارے سیاسی حریف ہیں' ہمیں پتہ ہے کہ وہ صحیح بات اوپر نہیں پہنچائیں گے۔ میں نے کہا لوگ بھارت بھاگ گئے ہیں' ظہیر الدین کا جواب تھا' بہت تھوڑے' اکثریت یہاں ہے۔ عام معافی ہو تو لوگ سامنے آجائیں گے مگر انہیں مکمل یقین دہانی کروائی جائے

کہ انہیں گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ سیاسی تصفیہ ہوگا لوگ آجائیں گے۔ میں نے ان کی بات جنرل ٹکا خان تک اور انہوں نے جنرل یحیٰی خان تک پہنچادی۔ یحیٰی خان نے عام معافی کا جو اعلان کیا اس میں اتنے اگر مگر تھے کہ بات بے معنی ہوگئی۔

جب ظہیر الدین میرے پاس تجاویز لے کر آئے تھے تو عوام میں یہ تاثر پھیلا کہ بات بن رہی ہے۔ مگر یحیٰی خان کے اعلان نے ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اگست 71ء میں تمام امیدیں ختم ہوگئیں۔ ستمبر میں وہاں دریا طوفانی نہیں رہتے۔ بارشیں ختم ہوجاتی ہیں۔ دریاؤں کو پار کرنا آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 20 نومبر سے بھارت میں تربیت اور ہتھیار لے کر آنے والوں نے پاکستانیوں پر حملے شروع کردیئے۔ نومبر کے ابتدائی دنوں میں بھارت نے "بارنا" پر حملہ کردیا اور باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی جس میں فضائیہ استعمال ہوئی۔ ہم نے سیبر لڑاکا طیارے استعمال کئے ہمارے تین سیبر بھارت نے مار گرائے۔ یہی وہ وقت تھا جب ہمیں جنگ کا اعلان کردینا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں ہوا' کیوں ؟ اس کا جواب آج تک مجھے کوئی نہیں دے سکا۔ یحیٰی خان کہتا ہے میں نے حملے کا حکم دیا' مگر کسی نے میری نہیں مانی۔ یہ جو فلسفہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی حفاظت مغربی پاکستان سے کی جائے گی اس پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔ ہم مغربی پاکستان میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر امریکی بحری بیڑے کا انتظار کیوں کرتے رہے ؟ مغربی پاکستان میں ہم خاموش رہے۔ بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کردیا۔ پھر وہ وعدے پورے نہیں کئے گئے جو کمک بھیجنے کے سلسلے میں کئے گئے تھے دیکھئے ڈھاکا دریاؤں سے گھرا ہوا ایک علاقہ ہے۔ اس کا دفاع ہم مہینوں کرسکتے تھے مگر ہم اپنی افوج کو بارڈر کی طرف روانہ کرکے بے معنی لڑائی میں الجھ گئے۔ جب ڈھاکا کے دفاع کی سوجھی تو ہمارے دستے واپس نہیں آسکتے تھے۔

س : یہ فوجی شکست تھی یا سیاسی ناکامی ؟ اس پر آپ کی کیا رائے ہے ؟

ج : دیکھئے میری رائے تو یہی ہے کہ سیاسی شکست تھی۔ فوج کو تو تین سیاسی

کھلاڑی گیند کی طرح استعمال کر رہے تھے۔ بھٹو کسی سیاسی تصفیہ پر آمادہ نہیں تھے۔ انتظامیہ ختم ہو چکی تھی جو لوگ مغربی پاکستان سے گئے تھے وہ دکھاوے کے افسر تھے' ان کا کوئی حقیقی کردار نہیں تھا یہ ایک ایسی لڑائی تھی جس میں دشمن کا سرے سے نقصان ہی نہیں ہو رہا تھا۔ یا فوجی مارا جا رہا تھا۔ یا بنگالی مر رہا تھا۔ بھارت تو اس جنگ کا تماشائی تھا سب سے زیادہ فائدے میں رہنے والا تماشائی تھا۔ تماشا تو ہم اور ہماری فوج بنے ہوئے تھے۔

بھٹو حزب اختلاف میں بیٹھنے کو تیار نہیں تھا۔ یحییٰ خان ہر قیمت پر صدر رہنے پر مصر تھا۔ شیخ مجیب بنگلہ بندھو بننا چاہتے تھے۔ سیاست کی اس تکون نے اپنے اپنے ذاتی مفادات میں پاکستان کی تباہی کر دی۔ مجیب' یحییٰ خان کو صدر بنانے پر تیار تھا مگر یحییٰ خان کو مغربی پاکستان میں رہنا تھا اس لئے اس نے مجیب کے بجائے بھٹو کی بالادستی کو ترجیح دی۔ فوج کو تو وہاں لڑنے کا مناسب موقع ہی نہیں ملا یہی تین سیاسی کردار تھے جن کے گھناؤنے رویے نے ملک دولخت کر دیا۔ یحییٰ خان نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے فوج کو استعمال کیا اور خالصتاً سیاسی انداز میں استعمال کیا۔ اگر ہم مغربی محاذ پر پوری تیاری اور عزم و ارادے کے ساتھ حملہ کرتے تو بھارت کو مشرقی پاکستان پر حملے کی جرأت نہ رہتی اس لئے اسے سیاسی ناکامی ہی کہا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں نے انتخاب کروائے' انہوں نے اکثریت حاصل کرنے والوں کو اقتدار کیوں منتقل نہیں کیا؟ اکثریت حاصل نہ کرنے والے نے حزب اختلاف میں بیٹھنا کیوں گوارا نہ کیا' ایک جنرل نے فوج کو اپنی سیاسی جماعت کے طور پر کیوں استعمال کیا اور سیاسی مخالفین کا قتل عام کیوں کروایا؟ ان سوالوں کے جواب کسی کے پاس ہوں تو میں اپنی رائے سے رجوع کر سکتا ہوں۔

س : یہ راؤ فرمان علی' جنرل انصاری' نیازی کے کردار پر بات ہو سکتی ہے؟

ج : مجھے نہیں معلوم نہ میرا کوئی رابطہ تھا میں تو اپنی حیثیت آپ کو بتا چکا ہوں

جو کچھ سنتا رہا وہ آپ بھی جانتے ہیں' اسے چھوڑیئے سب کچھ سب کے سامنے ہے کس کا گلہ' کس کی تحسین کر سکتے ہیں۔

س : پھر آپ قید ہو گئے؟

ج : جی ہاں! اب حالات خراب ہو گئے تو ہم گورنر ہاؤس منتقل ہو گئے ابھی نیازی نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے گورنر عبدالمالک نے کہا کہ ہم اپنی حفاظت کیسے کریں گے' ہم تو چھاؤنی میں بھی نہیں ہیں پھر ہم ریڈ کراس کے سیکورٹی زون چلے گئے۔ جہاں سے ہمیں بھارتی فوج کے حوالے کر دیا گیا جہاں ہمارا درجہ "کیمپ فالورز" کا تھا جینیوا کنونشن کا اطلاق ہم پر نہیں ہوتا تھا ہمیں کیمپوں میں ادنیٰ درجے کی مخلوق سمجھا گیا۔ فوجی افسر کو 90 روپے سیاسی کو 20 روپے اور سول ملازمین کو 5 روپے ملتے تھے' پھر فوجیوں نے احتجاج کیا تو کچھ حالات بہتر ہوئے۔

س : واپسی پر کیا ہوا؟

ج : میں بھی حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے پیش ہوا' میری گواہی کا نمبر 226 ہے۔

س : جو رپورٹ بھارتی اخبار کے حوالے سے شائع ہوئی ہے وہ درست ہے؟

ج : ایک بات ہے کہ سمری میری نظر سے گزری ہے۔ اس میں بہت سے پیرے حذف کئے گئے ہیں مثلاً پیرا چھ اور سات غائب ہیں' البتہ جو حقائق اس رپورٹ کے ذریعے منظر عام پر آئے ہیں' وہ درست ہیں۔

س : آپ نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کی اشاعت کے لئے ہائی کورٹ میں رٹ بھی کی؟

ج : جی! مگر مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ میں اس کی سماعت پر زور نہ دوں مگر میرا کہنا یہ ہے کہ محمد رسول کو 50 برس بعد قبر سے نکال کر پھانسی دی گئی۔ ہم اپنے مجرموں کو سزا کیوں نہیں دے سکتے۔

س: آپ کا خیال ہے کہ رپورٹ شائع ہونی چاہئے؟

ج: رپورٹ سرکاری طور پر سامنے آنی چاہئے مگر اب میری رائے یہ ہے کہ پہلے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ بھارت نے یہ وقت اس رپورٹ کو منظر عام پر لانے کے لئے کیوں منتخب کیا۔ وہ اس کے ذریعے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس وقت بھارت کی کشمیر میں وہی حالت ہے جو ہماری 70ء میں مشرقی پاکستان کے اندر تھی۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بھارت ہمارا اتنا ہمدرد کیوں ہو گیا میں کہتا ہوں کہ رپورٹ شائع ہونے اور خرابیاں کرنے والوں کو سزائیں دی جاسکیں تو دی جائیں چاہے وہ زندہ ہو یا مر گئے ہوں "مگر" اس وقت اگر ہم اس میں الجھ گئے تو اصل مسئلے سے ہماری توجہ ہٹ جائے گی مجاہدین کشمیر بددل ہو جائیں گے تو یہ غلط ہے۔

(ہفت روزہ تکبیر)

جنرل نیازی کا خط جسٹس حمود الرحمٰن کے نام

جناب حمود الرحمٰن صاحب!

السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ بفضل خدا خیریت ہوں گے۔ جج صاحب! روزنامہ نوائے وقت کے ۶ جولائی کے شمارے میں آپ کا بیان شائع ہوا جس میں آپ نے یہ انکشافات فرمایا کہ کمیشن نے جس کے آپ سربراہ تھے جنرل یحیٰی اور مجھ پر (جنرل نیازی) مقدمہ چلانے کی سفارش کی تھی۔ کمیشن کی رپورٹ چونکہ اب تک منظر عام پر نہیں آئی اس لئے آپ کے اس بیان کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کمیشن کی مفصل رپورٹ فی الحال ایک سربستہ راز ہے اس لئے آپ کے لئے مناسب نہیں تھا کہ آپ صرف اتنا ہی انکشاف کرتے کہ جنرل یحیٰی اور جنرل نیازی کے خلاف مقدمہ چلانے کی سفارش کمیشن نے کی تھی۔ ایسے انکشاف کے لئے کوئی موقع محل بھی نہ تھا۔ آپ سیاست دان نہیں بلکہ گورنمنٹ کے ملازم ہیں۔ اگر کسی استقبالیہ میں آپ سے ایسا استفسار کیا بھی گیا تھا تو آپ کے لئے ضروری نہیں تھا کہ آپ اس کا جواب دیتے۔ کمیشن کی رپورٹ عوام کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے اس بیان کے نتیجے میں ہمارے خلاف ہمہ قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اگر کمیشن کی رپورٹ کا پورا متن لیں تو کم از کم اس کا وہ حصہ جس کی بنیاد پر مقدمہ چلانے کی

سفارش کی گئی تھی عوام کے سامنے رکھنا چاہئے تھا کیونکہ آپ نے بھٹو کے دور میں ایک اور کمیشن کے سربراہ کی حیثیت سے خان عبدالولی خان کے خلاف جو سفارشات مرتب کی تھیں وہ بھی سب جانتے ہیں اور جو اس کا حشر ہوا وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ اس کے متعلق جو عالمی رائے تھی، وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

میں آپ سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا مشرقی پاکستان کا سقوط سیاسی شکست یا فوجی شکست کا نتیجہ تھا۔ اس کے متعلق بھی عوام کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر سیاسی شکست تھی تو اس کے عوامل کیا تھے اور اس کے لئے کون کون ذمہ دار تھا۔ کمیشن نے جو اظہار رائے اپنی رپورٹ میں اس کے متعلق کیا اس کا منظر عام پر آنا ضروری ہے۔ اگر کمیشن اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سقوط ڈھاکہ فوجی شکست کا نتیجہ تھا تو کیا اس کے لئے صرف میں اور جنرل یحییٰ خان ہی ذمہ دار تھے یا اور لوگ بھی اس کے ذمہ دار قرار دیئے گئے؟

ابتدائی مرحلے میں مجھے کمیشن کے سامنے پیش ہونے کا موقع اس لئے نہ ملا کہ میں ہندوستان میں بطور جنگی قیدی قید تھا اور کمیشن نے اپنی رپورٹ ان لوگوں کی گواہی پر تیار کی اور نتیجے اخذ کئے جن کو نااہلی، بزدلی یا کسی اور گھناؤنے قصور کی وجہ سے مشرقی پاکستان سے نکال دیا تھا۔ ہمیں تو بعد میں خانہ پری اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ تمام فیصلے پہلے ہی ہو چکے تھے۔

جج صاحب اب چند سوالات ہیں۔ براہ کرم ان کا جواب ضرور دیں۔ ان کے پڑھنے سے لاکھوں کا بھلا ہوگا۔

۱۔ میرے اور جنرل یحییٰ کی بابت تو اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ آپ کی رپورٹ میں جنرل ٹکا خان (قصاب بلوچستان اور قصاب مشرقی پاکستان) ایڈمرل احسن، جنرل یعقوب، جنرل پیرزادہ، جنرل فرمان، جنرل گل حسن، جنرل قمر، مارشل رحیم خان، ایڈمرل مظفر، بھٹو، مجیب اور ایم ایم احمد کی بابت کیا لکھا ہے؟

۲۔ کیا سقوط مشرقی پاکستان فوری حادثے کے طور پر عمل میں آیا تھا یا ایک سوچے سمجھے منصوبے اور سازش کے تحت ہوا۔ اس میں کون کون ملوث تھے؟

۳۔ یحییٰ خان کا ذکر آپ نے بطور سالار اعلیٰ کے کیا ہے یا بطور سربراہ مملکت وسول انتظامیہ کے اور یہ کہ کمیشن کی سفارشات کے باوجود مقدمات کیوں نہ چلائے گئے۔ برعکس اس کے یحییٰ خان دو پنشن لے رہا ہے، ایک جنرل کی اور ایک صدر کی۔ خدارا قوم کو یہ بھی بتلا دو کہ آیا وہ ان کا حقدار ہے کہ نہیں۔

۴۔ آپ کا یعنی کمیشن کا کام حکومت کو واقعات کی رپورٹ پیش کرنی تھی یا عدالت کی طرح سزا کا فیصلہ سنانا تھا اور جبکہ آپ کی رپورٹ کو حکومت نے باقاعدہ طور پر تسلیم ہی نہیں کیا، کیا آپ اس کے مندرجات ظاہر کرنا درست سمجھتے ہیں، بالکل ناواجب ہے۔

۵۔ آیا یہ بات بطور کمیشن کے سربراہ کے کہی ہے یا بطور ایک پاکستانی کے یا بطور مفاد پرست شخص کے اور کیا یہ بیان آپ بطور گورنمنٹ ملازم کے دینے میں حق بجانب تھے؟

۶۔ سقوط مشرقی پاکستان ایک قومی المیہ تھا۔ کمیشن کو جو کام سونپا گیا تھا، کیا وہ اس المیہ کے تمام پہلو جاننے کے لئے کافی تھا اور اگر ناکافی تھا (جو کہ کافی ناکافی تھا) تو کیا آپ نے اس کے متعلق اظہار کیا تھا؟

۷۔ کیا اس رپورٹ میں آپ نے اور دیگر ممبران نے آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کیا یا آپ سے رپورٹ لکھوائی گئی اور اس میں ردوبدل کیا گیا؟

۸۔ جب رپورٹ کی اصلی کاپی آپ سے بھٹو نے لی تھی تو کیا آپ نے قوم کو بروقت آگاہ کیا کہ میری کاپی وہ لے گیا اور رپورٹ میں ردوبدل ہو رہا ہے؟ اس کی بابت آپ چپ کیوں رہے؟ سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے، آپ نے وہ کاپی دینے سے انکار کیوں نہ کیا؟ کیا یہ کاپی آپ سے آپ کو ڈرا دھمکا کر لی گئی یا آپ نے ذاتی مفاد حاصل کرنے

کے لئے دے دی اور چپ رہے یا کوئی اور مصلحت پیش نظر تھی؟

۹۔ بھٹو نے اپنی کرسی بچانے کے لئے انتخابات میں دھاندلی کرانے کے لئے اپنے مقصد کے لئے موزوں آدمیوں کو سرکاری عہدوں کے لئے منتخب کیا تھا۔ کیا آپ کا انتخاب بھی اسی تعریف میں نہیں آتا۔ کیا کمیشن میں بہت سے فالتو آدمی نہ تھے۔ جن کو وہاں نہیں ہونا چاہئے تھا کیا ان کی موجودگی میں آپ رپورٹ خفیہ رکھ سکتے تھے اور آزادانہ طور پر نتیجے اخذ کر سکتے تھے؟

۱۰۔ ۷ جولائی کے نوائے وقت میں جنرل ٹکا خان نے کہا ہے کہ سقوط مشرقی پاکستان میں جو لوگ ملوث ہیں ان کو بے نقاب کیا جائے۔ اس کے اس دلیرانہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمیشن نے بھٹو اور ٹکا کو سقوط مشرقی پاکستان کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ اس سے آپ کے کمیشن کی رپورٹ کی اہمیت اور سچائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ میں آپ کو ایک چھوٹا سا مشورہ دیتا ہوں اگر اس پر عمل کریں گے تو آپ کا اور ملک دونوں کا فائدہ ہے۔ آپ گورنمنٹ کے ملازم ہیں نہ کہ سیاست دان۔ آپ سیاسی معاملوں میں رائے زنی نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ آپ نے کہا ہے کہ اسلامی نظام صدارتی نظام کے زیادہ قریب ہے۔ اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ پھر اس کو متنازعہ مسئلہ نہ بنائیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ بات آپ نے خود کہی ہے یا کسی کے کہنے پر۔ دونوں صورتوں میں غلطیات ہے۔

جناب حمود الرحمٰن خدا کا شکر کرو اور پاکستان کو دعائیں دو کہ آپ کے ماضی اور مستقبل کے ارادوں کو جانتے ہوئے بھی آپ کو ذمہ دار جگہوں پر نوازا جاتا ہے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اللہ کے کاموں میں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ ظالم، غدار، سازشی، خوشامدی، ابن الوقت ان سب کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ جس طرح ان کا عروج حیرت ناک ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کا زوال بھی عبرتناک ہوتا ہے۔ بھٹو نے اور ٹکا خان نے اور ان کے حواریوں نے اس ملک کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور افواج پاکستان کو

جان بوجھ کر ذلیل کرایا ہے، وہ کسی سے چھپا ڈھکا نہیں ہے۔ ان کو کیسے معاف کیا جا سکتا ہے؟ ان سے حساب چکانا ہے۔ ٹکا خان کے بیان سے اور آپ کے ارشادات کے مطابق۔ ٹکا خان بذات خود اور بھٹو بے گناہ ہیں۔ اس سے ہی آپ کی رپورٹ کی اہمیت کا اور غیر جانبداری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ آخر میں اتنی اور گزارش ہے کہ چونکہ آپ نے کمیشن کی رپورٹ کو ظاہر کرنا شروع کر دیا ہے تو ایک دو اور باتوں پر بھی روشنی ڈالیں:

المیہ مشرقی پاکستان کا جب بھی ذکر آتا ہے تو مشرقی محاذ کی محدود فوج اور اس کے کمانڈر کو مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیا آپ کے کمیشن کی رپورٹ میں مغربی محاذ پر فوج کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا گیا؟

اس جنگ کے دوران میرے پاس تین نامکمل ڈویژن فوج، ۱۴ پرانے ہوائی جہاز، بحریہ کی ۴ گن بوٹوں کے علاوہ پاکستان کی عسکری قوت مغربی محاذ پر تھی۔ سالار اعلیٰ کے علاوہ تینوں فوجوں کے سربراہ اور ان کے علاوہ درجنوں کے حساب سے جرنیل، ائیر مارشلز، ایڈمرلز موجود تھے۔ ۶ کروڑ عوام، محب وطن عوام تھے۔ پیچھے افغانستان اور ایران کے مسلم ممالک تھے۔ گورنمنٹ پوری طرح کام کر رہی تھی۔ سارے قابل سیاست دان موجود تھے۔ سارے ملک کے لئے پالیسی یہاں تیار ہوتی تھی۔ یہاں پر فیصلے ہوتے تھے۔ یہاں سے احکام جاری ہوتے تھے۔ کیا ان لوگوں کا اس المیہ میں کوئی حصہ نہیں۔ کیا یہاں کے سب لوگ بری الذمہ ہیں۔ کیا یہاں پر کوئی ایسا منصوبہ نہیں تھا جس سے وہ مغربی محاذ پر دباؤ ڈال کر بھرپور کارروائی کر کے مشرقی پاکستان کو بچا سکتے تھے۔ مشرقی پاکستان صرف ایک بازو تھا۔ باقیماندہ جسم بمعہ سر یہاں تھا اور چینی مقولہ کے مطابق Fish Rots From Head مشرقی محاذ کے ساتھ ساتھ اگر مغربی محاذ کی وضاحت کی جاتی رہے تو بہتر طور پر حقائق سامنے آسکیں گے۔

آخر میں یہ بھی بتا دیں کہ تمام بنگالی چلے گئے۔ آپ بھی جانے والے تھے، پھر

رک کیوں گئے ؟

یامکن باپیل باناں دوستی　　　یابنا کن خانہ در خورد پیل

منتظر جواب ...

امیر عبداللہ خان نیازی
سابقہ جنرل آفیسر کمانڈنگ ایسٹرن کمانڈ
ا۔ شامی روڈ، لاہور چھاؤنی
فون : ۳۷۰۶۳۷

جرنیلوں کا ردعمل

NAME OF CAMP ....

Date 18 Sept 1972

جنرل ریٹائرڈ امیر عبداللہ خان نیازی

ایک اخباری انٹرویو میں جنرل اے کے نیازی نے جنرل ٹکا خان پر الزام لگایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے بنگالی نہیں زمین چاہیے اس وقت فرمان علی ان کے کمانڈر تھے۔ راؤ فرمان علی نے بھی کہا تھا کہ میں سرسبز مشرقی پاکستان کو سرخ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور انہوں نے ایسا کر کے بھی دکھایا۔ وہاں ہزاروں بنگالی مارے گئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی پر ٹینکوں اور مارٹر گنوں سے حملہ کیا گیا۔ اس بات کا ذکر جنرل متین نے اپنی کتاب میں بھی کیا ہے۔ اس دوران 57 بریگیڈ نے بینک بھی لوٹا بریگیڈیئر جہاں زیب ارباب اور ان کے ساتھیوں نے یہ کاروائی کی۔ جنرل نیازی نے کہا کہ میں نے ان تمام افراد کو کورٹ مارشل کی سفارش کر کے واپس بھیج دیا۔ حمود الرحمٰن نے بھی رپورٹ میں اس کا ذکر کیا ہے مگر بعد میں جہاں زیب ارباب کو لیفٹیننٹ جنرل بھی بنایا گیا اور وہ گورنر کے عہدے تک بھی پہنچے۔ ان کی انکوائری نہیں ہوئی جبکہ بینک لوٹنے کا سارا آپریشن راؤ فرمان علی اور ٹکا خان نے کروایا البتہ کمیشن رپورٹ میں اسکا ذکر ہی نہیں کیا گیا انہوں نے بتایا کہ ٹکا خان کے ذمے دو باتیں تھیں جس میں بنگالیوں کو غیر مسلح کرنا اور سیاسی قیادت کو اندر کرنا تھا جب یہ دونوں مشن ناکام ہو گئے تو انہیں بھی واپس بھیج دیا گیا۔ میرے مشرقی پاکستان آنے کے بعد ٹکا خان نے سنگین غلطی کی کہ ڈھاکہ میں موجود ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھنے والے افراد کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا پھر یہ کلکتہ بیٹھ کر یکطرفہ رپورٹیں شائع کرتے رہے جس سے پاکستان کو بڑا نقصان ہوا جنرل نیازی نے کہا کہ میں نے یحییٰ خان سے کہا کہ اس مسئلے کا حل صرف سیاسی تصفیہ ہے جب وہ اس طرف نہ آئے تو میں نے ان سے دو ڈویژن فوج کا مطالبہ کیا اس موقع پر جنرل اروڑہ نے دعویٰ کیا تھا کہ 16 دنوں میں ڈھاکہ پہنچ جائے گا جبکہ دوسری جانب پاکستانی اعلیٰ حکام

بھی مشرقی پاکستان سے چھٹکارا چاہتے تھے۔ 13 دسمبر کو میں نے آخری گولی آخری آدمی کا حکم دیا یہ فوجی کے لئے موت کا وارنٹ ہوتا ہے میرے تمام ساتھیوں نے اس پر لبیک کہا اس موقع پر یحییٰ خان نے کہا کہ ہتھیار ڈال دیں کیونکہ مغربی پاکستان بھی خطرے سے دوچار ہے اگر مغربی پاکستان ہی نہیں رہے گا تو مشرقی پاکستان کا کیا کریں گے لہذا بحیثیت فوجی سربراہ مملکت کا حکم ماننا میرا فرض تھا انہوں نے کہا کہ پردہ نشینوں کو معلوم ہے کہ اگر اس سانحہ کی صحیح انکوائری ہو تو بڑے بڑے لوگ ننگے ہو جائیں گے اگر حمود کمیشن رپورٹ میں بھی اس امر کا ذکر کر دیا جاتا تو بھٹو کو بھی اقتدار نہ ملتا۔ جنرل نیازی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان واقعات کی انکوائری ہونی چاہیے۔ پہلا کہ جنرل یحییٰ خان نے الیکشن کرانے کے بعد اقتدار عوامی لیگ کے حوالے کیوں نہیں کیا؟ دوسرا یہ کہ مشرقی پاکستان میں بنگالیوں کے خلاف فوجی آپریشن کا فیصلہ کیوں اور کن حالات میں کیا گیا؟ یعقوب خان' ٹکا خان اور میرا اس میں کیا کردار تھا؟ تیسرا یہ کہ مغربی پاکستان نے مشرقی پاکستان کا دفاع کیوں نہیں کیا جبکہ مغربی پاکستان میں فوج کی اعلیٰ قیادت سمیت تمام مشینری موجود تھی لہذا جب تک مغربی پاکستان کے کردار کا صحیح جائزہ نہیں لیا جائے گا یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا جنرل نیازی نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں 3 ہزار مربع میل کے دفاع کیلئے 45 ہزار فوج مختص کی گئی تھی جبکہ انہیں بھارت کی 5 لاکھ فوج کا سامنا تھا اس کے برعکس مغربی پاکستان میں ساڑھے چار لاکھ فوج موجود تھی جس میں 5 ڈویژن فوج اس لئے رکھی گئی تھی جو بوقت ضرورت مشرقی پاکستان جائے گی مگر جب 21 نومبر 1971ء کو مشرقی پاکستان پر حملہ ہوا تو یحییٰ خان نے جوابی حملہ کرنے کی بجائے کہا کہ "میں کیا کر سکتا ہوں صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے 13 دن تک مغربی پاکستان کی جانب سے کوئی مدد نہیں کی گئی یہاں تک کہ اقوام متحدہ سے بھی رجوع نہیں کیا گیا جبکہ آغا شاہی نے مشورہ دیا تھا کہ اقوام متحدہ میں جانا چاہیے ان کے مشوروں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مغربی پاکستان کا 5 ہزار 745 مربع میل کا علاقہ بھی جاتا رہا۔ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری یوتھانٹ نے اندرا گاندھی سے بھی کہا تھا اس کا سیاسی حل ہونا چاہیے مگر یحییٰ خان نے جنگ ختم کرنے کا اعلان کیا۔

جنرل نیازی کی کورٹ مارشل کیلئے پیشکش

جنرل اے کے نیازی نے خود کو کورٹ مارشل کیلئے پیش کرتے ہوئے کہا کہ سقوط ڈھاکہ کا ذمہ دار میں نہیں بلکہ ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل یحییٰ خان ہیں جنہوں نے اقتدار کی ہوس میں ملک دولخت کر دیا انہوں نے کہا کہ حمود الرحمٰن رپورٹ تعصب پر مبنی ہے اور یہ کہ مجھے سقوط ڈھاکہ کے حوالے سے بہت شرمندگی ہے ہم مشرقی پاکستان میں لڑ رہے تھے اور جیتنے والے تھے کہ مغربی پاکستان میں یحییٰ خان اور بھٹو نے ہمیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ پاکستان کو دھوکا دینے والے ان دو کرداروں کو جلا کر راکھ کر دوں۔ سقوط ڈھاکہ فوجی نہیں سیاسی شکست تھی۔ میں خود کو کورٹ مارشل کے لئے پیش کرتا ہوں۔ میرا کورٹ مارشل کریں پھر میں اپنی زبان کھولوں گا اور بہت سے پردہ نشینوں کے چہروں سے پردہ اٹھاؤں گا جن میں یحییٰ خان جنرل حمید گل حسن ٹکا کے نام نمایاں ہیں۔ میں حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ نہیں مانتا۔ جسٹس حمود الرحمٰن بنگالی تھے جب سارے بنگالی واپس چلے گئے تو انہوں نے بنگال جانے سے معذرت کی اور بھٹو کے آلہ کار بن گئے۔ بھٹو نے انہیں سقوط ڈھاکہ کی رپورٹ لکھنے کیلئے کہا یہ ایسے ہی ہے جیسے بلی کو گوشت کی رکھوالی کا کام دے دیا جائے۔ لیفٹیننٹ جنرل (ر) نیازی نے انکشاف کیا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کی کل چار کاپیاں تیار کی گئیں۔ بھٹو نے چاروں کاپیاں منگوا لیں تو پتہ چلا کہ اس میں 34 صفحات بھٹو کے خلاف لکھے ہوئے تھے جنہیں تبدیل کرنے کے بعد کمیشن کے ارکان کو اس پر دوبارہ دستخط کے لئے کہا گیا' انکار ہونے پر بھٹو نے تین کاپیاں جلا دیں اور جو ایک کاپی اپنے پاس

رکھی اس میں بھی کئی صفحات تبدیل کر دیئے۔ مشرقی پاکستان میں جنرل یعقوب اور جنرل ٹکا کے دور میں عوام پر ظلم کیا گیا' لوٹ مار ہوئی مگر میرے دور میں ایسا نہ ہوا۔ حالات درست کرنے کیلئے تین لاکھ فوجی جوانوں کی ضرورت تھی تب میرے پاس 90 ہزار نہیں صرف 45 ہزار فوجی تھے۔ مغربی پاکستان میں اس وقت 5 ڈویژن فوج فالتو تھی جس میں سے میں نے دو ڈویژن فوج مانگی مگر نہ ملی۔ اگر مجھے یہ فوج مل جاتی تو میں مشرقی پاکستان کا بہتر دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ آسام بھی فتح کر کے دکھا دیتا۔ تاہم میں نے محدود فوجیوں کے باوجود دو ماہ میں حالات کنٹرول میں کیے پھر میں نے کہا کہ اب حالات بہتر ہیں' سیاسی ڈائیلاگ کا سلسلہ شروع کیا جائے مگر سیاسی ڈائیلاگ شروع نہ کیے گئے جب انڈیا نے مشرقی پاکستان کے بارڈر سے حملہ کیا تو میں نے 26 دن تک بھارتی فوج کو روکے رکھا۔ مغربی پاکستان جہاں سب سے زیادہ فوج تھی اس نے بھارت پر حملہ نہ کیا اور 13 دن خاموش رہا۔ اقوام متحدہ میں بھی نہ گیا۔ ان کے من میں کھوٹ تھا۔ یہ مشرقی پاکستان کھونا چاہتے تھے۔ جب بھارت نے مشرقی پاکستان پر چڑھائی کی تھی تو مغربی پاکستان بھارت پر حملہ کرتا تو مشرقی پاکستان کبھی ہم سے جدا نہ ہوتا۔ بھٹو اور یحییٰ خان نے پاکستان سے غداری کی یحییٰ خان کرسی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اور بھٹو کرسی حاصل کیے بنا رہ نہیں سکتے تھے اور متحدہ پاکستان میں ایسا ممکن نہ تھا۔ اس لئے بھٹو یحییٰ خان کو لاڑکانہ لے گئے جہاں فیصلہ کیا گیا اور پھر بھٹو نے ادھر تم ادھر ہم کا نعرہ لگایا۔ مجیب الرحمن الیکشن جیت چکے تھے انہیں حکومت دے دی جاتی تو ملک دو ٹکڑے نہ ہوتا۔ لیفٹیننٹ جنرل (ر) اے اے کے نیازی نے بتایا کہ انہوں نے مشرقی پاکستان میں فوجی جوانوں کو 13 دسمبر کو حکم دیا کہ ''آخری گولی اور آخری آدمی'' تک لڑنا ہے مگر 13 دسمبر کی رات مجھے جنرل حمید کا حکم ملا کہ مغربی پاکستان خطرے میں ہے' ہتھیار ڈال دیں۔ انہوں نے کہا کہ سقوط ڈھاکہ ایک عالمی سازش بھی ہو سکتی ہے جس میں روس اور امریکہ نے ہمارے بندوں کو استعمال کیا ہو۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی جوانوں کے خلاف وہاں کی خواتین سے زیادتی کے الزامات جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ اگر کہیں خواتین کے ساتھ اکا دکا مثال ہے

تو یہ الزام تمام فوجیوں پر نہیں لگایا جا سکتا۔ میں شراب نہیں پیتا تھا مگر مجھے زبردستی لٹا کر میرے منہ میں شراب ڈالی گئی۔ انہوں نے کہا کہ فوج کا دستور ہے کہ جو غلطی کرتا ہے اسے سزا ملتی ہے مگر مجھے آج تک سزا نہیں انعامات ملے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے آج چار ڈویژن فوج اور ایک آرمڈ بریگیڈ دیا جائے میں کشمیر فتح کر کے دکھاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ فوج کا کام ملک کا دفاع کرنا ہوتا ہے۔ حکومت چلانا نہیں۔ جنرل پرویز مشرف عام سویلین حکمرانوں سے بہتر رہیں گے اور وہ اپنا کام وقت پر کر کے واپس چلے جائیں گے۔

ریٹائرڈ میجر جنرل راؤ فرمان علی خان

بریگیڈیر (ریٹائرڈ) اے آر صدیقی نے (جو ڈائریکٹر انٹر سروسز پبلک ریلیشنز تھے) تکبیر میں اپنے کالم میں، میجر جنرل سول افیئرز (ایم جی سی اے) کی حیثیت سے مشرقی پاکستان میں میرے کردار سے متعلق متعدد سوالات پوچھے ہیں۔ یہ اسی طرز کے سوالات تھے۔ ان میں سے زیادہ تر وہ سوالات تھے جو حمود الرحمٰن کمیشن نے تحریری طور پر مجھے ارسال کئے تھے۔ میں نے بھی تحریری طور پر ان کا جواب دیا۔ بعد ازاں، میں کمیشن کے سامنے پیش ہوا، اور کمیشن کے انتہائی ذہین، قابل احترام ارکان نے ۱۳ گھنٹوں تک مکمل طور پر پوچھ گچھ کی۔ کمیشن، چیف جسٹس آف پاکستان چیف جسٹس آف لاہور ہائی کورٹ اور چیف جسٹس آف سندھ پر مشتمل تھا۔

میں نہیں سمجھتا کہ بریگیڈیر صدیقی، حمود الرحمٰن کمیشن کے مقابلہ میں ایک بہتر جج ہوتے، خصوصاً جب وہ صرف ایک فرد واحد سے باز پرس کر رہے ہوں۔ ایک فرد کی طرف سے باز پرس اور کمیشن کی جانب سے پوچھ گچھ کے مابین ایک اہم فرق موجود ہے۔ کمیشن نے نہ صرف سینکڑوں شہریوں، سرکاری ملازمین، پولیس افسران، جملہ کمانڈروں اور غیر ملکی باشندوں سے استفسارات کئے بلکہ انہوں نے بیانات کا بھی بغور جائزہ لیا اور ان کی چھان بین کی۔ مثال کے طور پر اگر ایک جنرل نے ایک واقعہ کے

متعلق کچھ کہا تو انہوں نے اسی واقعہ کے بارے میں دیگر جرنیلوں سے ان کا بیان اور رائے پوچھ کر اسے موافق قرار دیا یا رد کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے نتیجہ پر پہنچے اور یہ سفارشات مرتب کیں "ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں اپنی پوری مدت ملازمت کے دوران میجر جنرل فرمان علی کی کارکردگی اور چال چلن کو کسی مخالفانہ رائے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بریگیڈیر صدیقی نے اپنے مضمون کا آغاز، ایف ایم میلسٹین کے ایک مقولہ سے کیا۔ اس مقولے کا اس عبارت سے کوئی تعلق نہیں۔ میلسٹین ہٹلر کے احکامات پر جرمن فوج کے چند جرنیلوں کی طرف سے کئے جانے والے قتل عام کے متعلق بات کر رہا تھا۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں اس نے اپنے فیوھرر کے دیگر تمام احکامات کی تعمیل کی، کسی بھی صورت میں، میں کمانڈر نہیں تھا۔ میں، ایم جی سی اے، ایک سٹاف آفیسر تھا، مزید براں، اس سلسلہ میں میری اپنی رائے ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ بحث مباحثہ کے دوران، ایک افسر کو دلیری سے اور واضح طور پر اپنے خیالات اور رائے کا اظہار کرنا چاہئے۔ لیکن، ایک مرتبہ، جب ایک حکم دے دیا جاتا ہے تو ہر افسر اور ہر سپاہی کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی تعمیل کرے، یہ نہیں ہوتا کہ کیوں؟ ورنہ افواج میں بد نظمی پیدا ہو جائے گی اور سچے معترضین کی ایک فوج امڈ آئے گی۔ مجھے پورا یقین ہے، بریگیڈیر صدیقی نے بذات خود بھی اس وقت اپنے کمانڈر انچیف کے احکامات کی تعمیل کی ہو گی جب وہ آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔

بریگیڈیر صدیقی نے ہندوستان کی جس رائے کو شائع کیا اور اس کا ذکر کیا ہے، وہ ایک افسانوی بیان ہے۔ دشمن، دشمن ہی ہوتا ہے۔ وہ آپ کی فوج اور اس کے جرنیلوں کو رسوا کرنے کی خاطر ہر چیز کرے گا۔ پاکستان کی فوج، ہندوستانیوں کا سب سے بڑا نشانہ ہے کیونکہ یہ ان کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوتی ہے اور اسے پاکستان کو تباہ کرنے کا موقع حاصل کرنے سے روکتی ہے۔ جہاں تک افسانوی بیان کی

تصدیق کا تعلق ہے تو کیا بریگیڈیئر صدیقی، سلمان رشدی کے جھوٹے بیان کی تائید کرتے ہیں، وہ اپنوں کے مقابلہ میں، ہندوستانی مصنفین پر زیادہ اعتماد کیوں کرتے ہیں؟ میں ان سے کہوں گا کہ میرے کردار کا اندازہ لگانے کی خاطر، وہ براہ مہربانی صدیق سالک کی تصنیف "Witness to Surrender" کا مطالعہ کریں۔

ہو سکتا ہے، میں نے متعدد غلطیاں کی ہوں۔ مگر بریگیڈیئر صدیقی نے اس طرح الزام لگایا ہے جیسے حالات کی ساری ذمہ داری مجھ پر تھی۔ کیا اپنے دائرہ کار کی مکمل کمان اور کنٹرول کا ہونا ایک جرم ہے؟ میں نے اپنے ملک کی خدمت کرنے اور اسے ٹوٹنے سے بچانے کی خاطر روزانہ اٹھارہ گھنٹے تک کام کیا۔ بریگیڈیئر نے کئی مرتبہ مجھ سے ملاقات کی۔ کیا انہوں نے کسی وقت بھی مجھے متکبر اور بد اخلاق پایا یا مجھ میں عاجزی اور شائستگی کا فقدان دیکھا؟ میری دیانت دارانہ خدمت کے باعث، کمیشن نے نتیجہ اخذ کیا کہ "میجر جنرل فرمان علی نے ایک ذہین، سرگرم اور مخلص سٹاف آفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔"

بریگیڈیئر صدیقی کے سوالات ۱۹۶۹ء سے شروع ہوتے ہیں۔ اصل میں اگر انہیں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہات تلاش کرنا ہیں تو انہیں قرارداد لاہور سے یہ کام شروع کرنا ہوگا۔ تفصیلات میں جائے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب یحییٰ نے اقتدار سنبھالا، تب بنگالی قوم پرستی مکمل طور پر پھل پھول چکی تھی۔ ان کے سیاسی حقوق اور آرزوؤں کی نفی کے نتیجہ میں احساس محرومی نے بڑھ کر صوبائی خود مختاری اور آخر کار چھ نکات کی صورت اختیار کر لی۔ بنگالی مکمل طور پر الگ ہو چکے تھے، لہذا موقع پر میرے پہنچنے سے قبل ہی علیحدگی پسندانہ سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور صرف ایک سٹاف آفیسر کی حیثیت سے میرے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔ میں کور کمانڈر نہ تھا، چنانچہ مختلف سوالات کے لئے میرا سیدھا سادا جواب یہ ہوگا کہ مجھے جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا، میں نے وہی کام کیا، تاہم چند معاملات کے سلسلہ میں میری اپنی رائے تھی جس

کا اظہار میں نے بحث مباحثوں کے دوران کیا۔ پاکستان جن کے باعث ٹوٹا، وہ حالات پیدا کرنے کے سلسلہ میں، تمام کارروائیوں کی ذمہ داری، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور ملک کے سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے، تاہم میں نے تفصیل کے ساتھ مندرجہ ذیل بیانات دیئے ہیں، جو ان کے زیادہ تر سوالات کا احاطہ کرتے ہیں:

(الف) میں ایک فوجی کمانڈر نہیں تھا۔ متحدہ پاکستان کے آخری دو برسوں کے دوران میں مرکز میں نہیں بلکہ صوبائی سطح پر کام کر رہا تھا۔ میں نے خیالات کا اظہار کرنے کے سلسلہ میں کبھی بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا، لیکن چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہیڈ کوارٹرز میں، میں ایک پالیسی ساز نہیں تھا۔ میں گورنر ہاؤس میں ایک سٹاف آفیسر تھا اور سینئرز کے احکامات کی تعمیل کرتا تھا۔

(ب) مجھے مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا سیاسی تصفیہ کرنا تھا، جو لازماً ایک آئینی نوعیت کا حامل تھا۔

(ج) مجھے، مجیب کو اقتدار سونپنا تھا کیونکہ اس نے ایوان میں اکثریت حاصل کر لی تھی۔

(د) میں، قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء کے خلاف تھا جو ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو منعقد ہونا تھا۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کا التواء، قطعی طور پر عوامی لیگ کی بغاوت کے نتیجہ میں تھا، جس نے فوجی کارروائی پر زور دیا، اس نے اپنی باری پر، ہندوستانی مداخلت کو دعوت دی جس کے نتیجہ میں فوج کو شکست ہوئی۔

نوٹ: صاحبزادہ یعقوب خاں اور ایڈمرل احسن میرے خیالات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ خوش قسمتی سے صاحبزادہ یعقوب بقید حیات ہیں، لہذا میرے مذکورہ بالا بیانات کی تصدیق ان سے کی جا سکتی ہے۔

(ہ) مجھے، ۱۹۶۹ء کے دوران یا ۱۹۷۰ء کے آغاز میں انتخابات منعقد کروانا تھے۔

ایک سالہ انتخابی مہم ملک کے اتحاد کے لئے انتہائی نقصان دہ تھی۔

(و) میں، مشہور کئے جانے والے چھ نکات کے خلاف تھا۔ (گواہ: جنرل رحیم) آپ بجا طور پر یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ اگر میں فوجی کارروائی کے خلاف تھا، تو میں نے استعفیٰ کیوں نہ دیا۔ میں نے بھی وہی کیا جو یعقوب صاحب نے کیا، (گواہ جنرل خادم حسین راجہ) لیکن جنرل یعقوب کے مشورہ سے استعفیٰ واپس لے لیا۔

حمود الرحمٰن کمیشن نے مجھے مکمل طور پر اور غیر مبہم الفاظ میں بری قرار دے دیا۔ "دی نیشن" اور "نوائے وقت" میرے کردار سے متعلق اقتباسات شائع کر چکے ہیں۔ مزید تصدیق کے لئے میں ایک خط سے ایک قول پیش کرتا ہوں جو مجھے صدر پاکستان جناب فضل الٰہی چوہدری کے توسط سے ڈاکٹر عبد المالک کی طرف سے ویانا سے موصول ہوا۔ آپ اس کی تصدیق جنرل صغیر حسین سے کروا سکتے ہیں، جو اس وقت صدر کے ملٹری سیکرٹری (ایم ایس) تھے:

"مجھے یہ جان کر بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ حمود الرحمٰن کمیشن نے آپ کو ان تمام جرائم سے بری قرار دیا ہے، جن کا ارتکاب دوسروں نے کیا تھا۔ اور آپ کو فوجی فاؤنڈیشن کا انچارج مقرر کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے۔ وہ ہمیشہ مکمل انصاف کرتا ہے۔ کل یعنی ۱۴ اگست کو اس نے ایک اور انصاف کیا ہے، جب پاکستان معرض وجود میں آیا۔"

اس کے بعد اقوام متحدہ کو بھیجے گئے سگنل کا معاملہ ہے، غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کیونکہ یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ میں نے بغیر کسی اختیار کے سگنل بھیجا تھا۔ اسلام آباد میں حکومت نے یہ کہتے ہوئے ایک بیان جاری کیا کہ جنرل فرمان کے پاس، اقوام متحدہ کو سگنل بھیجنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں اس بات سے متفق ہوں کہ میرے پاس کوئی اختیار نہیں تھا مگر صدر نے گورنر کو باقاعدہ طور پر با اختیار بنایا تھا۔ گورنر کے اس سگنل

کے نتیجہ میں، جس میں مشرقی پاکستان کی صورت حال کے مسئلہ کے حل کی خاطر ایک سیاسی حل کو تسلیم کرنے کی کوشش کے لئے صدر سے درخواست کی گئی تھی، گورنر کو مندرجہ ذیل سگنل موصول ہوا:

"ٹاپ سیکرٹ، جی ۱۰۰۰۱۔ صدر کی جانب سے گورنر کے نام، دوبارہ مشرقی کمان کو سنایا جائے۔ آپ کا ۹ دسمبر کو ارسال کردہ فوری پیغام، اے ۶۶۰۴ موصول ہوا اور اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے۔ میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ مجھے پیش کی جانے والی تجاویز کے متعلق فیصلہ کریں۔ میں نے بین الاقوامی طور پر، تمام اقدامات کے بارے میں بات چیت کی ہے اور کر رہا ہوں لیکن مشرقی پاکستان کے متعلق ایک دوسرے کے فیصلہ سے مکمل طور پر ہماری علیحدگی کے پیش نظر میں سب کچھ آپ کے نیک جذبہ اور فیصلہ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے، میں اسے منظور کر لوں گا اور میں نے بیک وقت جنرل نیازی کو بھی ہدایت دی ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ کو تسلیم کر کے اسی کے مطابق انتظامات کریں۔ آپ کی مرضی پر موقوف ہے کہ سول نافرمانی قسم کی غیر محسوس تباہی سے بچنے کے لئے کیا کوششیں کرتے ہیں۔ آپ نے خاص طور پر ہماری مسلح افواج کی سلامتی کا تذکرہ کیا ہے، لہٰذا ہمارے دشمن کے ساتھ تمام سیاسی ذرائع اختیار کر کے، مسلح افواج کی سلامتی کو یقینی بنانے کی خاطر آپ کو آگے آنا چاہئے۔"

اس پیغام نے مسلح افواج کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے، تمام سیاسی ذرائع اختیار کرنے کی خاطر، گورنر کو واضح طور پر اختیار دے دیا تھا۔ (مسلح افواج، جب اپنا دفاع کر رہی ہوں یا ہتھیار پھینک دیں تو دونوں صورتوں میں محفوظ ہوتی ہیں) یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ "مشرقی پاکستان میں" کی جائے لفظ "کے متعلق" استعمال کیا گیا۔

چیف آف آرمی سٹاف نے بیک وقت جنرل نیازی کو بھی مندرجہ ذیل پیغام

بھیجا:

"سی او اے ایس آرمی کی طرف سے کمانڈر کے نام صدر کا سگنل پیغام، گورنر کے نام، آپ کو اس کی نقل بھیجی گئی ہے۔ آپ سے مشورہ کرنے کے بعد صدر نے فیصلہ گورنر پر چھوڑ دیا ہے۔ چونکہ کوئی سگنل صورت حال کی نزاکت کے بارے میں درست طور پر اندازہ بہم نہیں پہنچا سکتا، لہذا موقع پر درست فیصلہ کرنے کی خاطر میں اسے آپ پر ہی چھوڑ سکتا ہوں۔ تاہم یہ اس دشمن کے سامنے اب صرف وقت کا سوال ہے جو اپنی جسامت، بہت بڑی تعداد اور سازوسامان کی فراوانی اور باغیوں کے سرگرم تعاون کے ساتھ مکمل طور پر مشرقی پاکستان پر غلبہ پالے گا۔

دریں اثناء شہری آبادی کو زبردست نقصان پہنچایا جارہا ہے اور فوج کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑرہا ہے۔ اگر آپ کو کر سکتے ہیں تو آپ کو اس پر مبنی جنگ کی ویلیو کا تخمینہ لگانا ہوگا، آپ کو چاہئے کہ گورنر کو اپنا دوستانہ مشورہ دیں جو صدر کی جانب سے تفویض کردہ اختیار کے مطابق اپنا آخری فیصلہ دیں گے۔ جب آپ محسوس کریں کہ ایسا کرنا ضروری ہے تو آپ کو زیادہ سے زیادہ فوجی سازوسامان تباہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، تاکہ یہ دشمن کے ہاتھ نہ لگے۔ مجھے مطلع رکھئے۔ اللہ تعالی آپ پر اپنا فضل وکرم کرے۔"

یہ سگنل صدر کی طرف سے ارسال کردہ دوسرے سگنل کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہے کیونکہ اصل میں لفظ "گورنر کو تفویض کیا گیا" استعمال کیا گیا ہے۔ یہ پیغام موصول ہونے پر گورنر اور چیف سیکرٹری جناب مظفر نے مندرجہ ذیل پیغام تیار کیا:

بنام صدر پاکستان حوالہ آپ کے ارسال کردہ دسمبر ۰۹۲۳۰۰ کا جی۔ ۱۰۰۰ چونکہ آخری اور فیصلہ کن فیصلہ کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے،

لہذا آپ کی منظوری کے بعد میں مندرجہ ذیل نوٹ اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل مسٹر پال مارک ہنری کے حوالہ کر رہا ہوں۔ نوٹ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی سرزمین پر چھڑنے والی جنگ میں ملوث ہونے کا پاکستان کی مسلح افواج کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تاہم ایسی صورت حال پیدا ہوگئی جس نے مسلح افواج کو دفاعی کارروائی کرنے پر مجبور کر دیا۔ حکومت پاکستان کا ہمیشہ یہ ارادہ رہا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ایک سیاسی حل کے ذریعے مسائل کے بارے میں فیصلہ کیا جائے اس کے لئے گفت وشنید کی جاتی رہی ہے۔ مسلح افواج، دشمن کی بھاری تعداد کے خلاف انتہائی جوانمردی سے لڑی ہیں اور اس عمل کو جاری رکھ سکتی ہیں لیکن مزید خون خرابہ اور بے گناہ جانوں کے ضیاع سے بچنے کی خاطر میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کر رہا ہوں۔ چونکہ کشمکش سیاسی وجوہات کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، اس لئے اس کا خاتمہ بھی سیاسی حل کے ذریعہ ہونا چاہئے چنانچہ بذریعہ ہذا صدر پاکستان نے مجھے یہ اختیار تفویض کیا ہے کہ ڈھاکہ میں ایک پرامن حکومت کی تشکیل کے لئے انتظامات کرنے کی خاطر، میں مشرقی پاکستان کے منتخب نمائندگان کو بلواؤں۔ یہ پیشکش کرتے ہوئے میں یہ کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان کے عوام فوری طور پر اپنے علاقہ کو ہندوستانی افواج سے خالی کرانے کا مطالبہ کریں گے۔ چنانچہ میں نے اقتدار کی پرامن منتقلی کے لئے اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا ہے اور درخواست کی ہے کہ

۱۔ فوری جنگ بندی کی جائے

۲۔ پاکستان کی مسلح افواج کی عزت وآبرو کے ساتھ، مغربی پاکستان کے تمام عملہ کی واپسی

۳۔ مشرقی پاکستان میں ۱۹۴۷ء سے آباد تمام افراد کی سلامتی اور

۵۔ مشرقی پاکستان میں کسی فرد کے خلاف انتقامی کارروائی نہ کرنے کی یقین دہانی کا انتظام کیا جائے۔

یہ پیشکش کرتے ہوئے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ پر امن انتقال اقتدار کے لئے یہ ایک قطعی تجویز ہے۔ مسلح افواج کے ہتھیار پھینکنے کے متعلق غور نہیں ہوگا اور اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس تجویز کو تسلیم نہ کیا گیا تو مسلح افواج آخری آدمی تک لڑائی جاری رکھیں گے۔ نوٹ ختم ہوتا ہے۔ جنرل نیازی سے مشورہ کیا گیا ہے اور انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے خود کو پیش کیا ہے۔

اسے جنرل نیازی کے پاس منظوری کے لئے لے جانے کی خاطر تیار کردہ پیغام گورنر نے مجھے دیا۔ میں اور مظفر کور ہیڈ کوارٹر گئے اور مطلوبہ منظوری حاصل کی۔ گورنر ہاؤس لوٹنے کے بعد گورنر نے اس کی نقل اقوام متحدہ کے نمائندہ کے حوالہ کرنے کا کہا، لہذا میں نے ایسا ہی کیا۔ کمیشن نے مسٹر ظفر، جنرل نیازی، جنرل جمشید اور ایڈمرل شریف سے میرے بیان کی تصدیق کرنے کے بعد مندرجہ ذیل رائے پیش کی:

> "جیسا کہ ہم نے مشرقی پاکستان میں ہتھیار پھینکنے کی تفصیلات سے متعلق باب میں دیکھا ہے کہ ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اقوام متحدہ کو ارسال کئے جانے والے جس پیغام کی تصدیق، میجر جنرل فرمان علی نے کی، اس کی منظوری گورنر مشرقی پاکستان نے دی تھی۔ انہوں نے مشرقی پاکستان میں ایک تصفیہ اور جنگ بندی کی خاطر، تجاویز تشکیل دینے کے لئے صدر پاکستان یعنی یحییٰ خاں سے پیشگی اجازت حاصل کی تھی چنانچہ ان حالات میں اس کے اختیار اور روانگی کی ذمہ داری اس افسر پر عائد نہیں کی جاسکتی۔ درحقیقت اس نے اس وقت اپنا معاملہ صاف کرنے کے لئے کورٹ مارشل

کے ذریعے باز پرس کرنے کا مطالبہ کیا تھا لہذا کمیشن کے سامنے عیاں ہونے والے حقائق کے پیش نظر اب اس قسم کی کسی پوچھ گچھ یا انکوائری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ریٹائرڈ میجر جنرل فرمان علی کی مزید وضاحت

بھارت میں جنگی قیدی کی حیثیت سے دو سال چار ماہ گزارنے کے بعد میں قیدیوں کے آخری جتھے کے ساتھ ۲۱۔اپریل ۱۹۷۴ء کو پاکستان واپس آیا۔ ہمارا گرمجوشی سے استقبال ہوا مگر محتاط رویہ اور رازداری کی فضا تھی۔ سوالات کرنے والے اخباری نمائندے نہ تھے جو غیر معمولی صورتحال تھی۔ ۱۹۷۱ء کے واقعات کے فوراً بعد ملک میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ مسٹر بھٹو "نئے پاکستان" کے صدر بن چکے تھے اور ہمیں الگ تھلگ رکھ کر ہماری حفاظت مقصود تھی۔ ہم صرف سرکاری سطح پر کام کرنے والے اداروں کو اپنی کہانی سنا سکتے تھے۔ انہی نے ہم پر جرح کرنا تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ میرے آنے سے پہلے مشرقی پاکستان سے سارے فوجی واپس آ چکے تھے اور ان سے باقاعدہ پوچھ گچھ ہو چکی تھی۔ اس لئے پوچھ گچھ کرنے والوں نے جو تصویر بنا رکھی تھی، وہ اس سے مختلف تھی جو ہمارے ذہنوں میں فرو دافرو داخل ہوئی تھی۔ ہمیں ایک سوالنامہ دیا گیا جسے پر کر کے ہم نے واپس کیا۔ ہر شخص کی انفرادی رپورٹ تیار کر کے جی ایچ کیو میں بھیجی گئی جہاں لیفٹیننٹ جنرل آفتاب احمد خان کی قیادت ایک

خصوصی کمیٹی مقرر تھی۔ میجر جنرل یا اس عہدہ کے برابر، بحریہ، بری اور فضائی فوج کے تین سینئر افسر اس کمیٹی کے رکن تھے۔ میں کمیٹی کے سامنے پیش ہوا۔ اسی طرح دوسرے سینئر افسر بھی پیش ہوئے۔ میں یہاں واضح کرنا چاہوں گا کہ افراد کو اپنا دفاع کرنا ہوتا ہے مگر جب کمیٹی یا کمیشن مقرر ہوتا ہے تو اس کے سامنے دوسروں کے بیانات بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ جائزہ لے کر نتیجہ پر پہنچنے کی غرض سے درست حقائق کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس طرح جو رائے قائم ہوتی ہے وہ غیر جانبداری پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی روشنی میں متعلقہ افسر کو ریٹائر کرنے، ضابطہ کی کارروائی یا برقرار رکھنے کی سفارش کرنا ہوتی ہے۔ مجھے باعزت طریقہ سے الزامات سے بری کر دیا گیا۔ اس کے فوراً بعد ہمیں حمود الرحمٰن کمیشن کے روبرو پیش ہونا تھا جو اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا کہ ان حالات کی جانچ پڑتال کی جا سکتی جو مشرقی پاکستان میں فوری شکست پر منتج ہوئے۔ یہ ایک عدالتی ادارہ تھا جس کے سربراہ چیف جسٹس پاکستان مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن تھے۔ دوسرے ارکان یہ تھے :

مسٹر جسٹس طفیل علی اے رحمٰن، چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ، مسٹر جسٹس انوار الحق، چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ، لیفٹیننٹ جنرل الطاف قادر ملٹری ایڈوائزر، مسٹر حسین لیگل ایڈوائزر۔

جنگی قیدیوں کی حیثیت سے ہمارے تبادلہ سے بہت پہلے یہ کمیشن قائم ہوا تھا اور اس نے اپنی ابتدائی سفارشات اس ریمارکس کے ساتھ مکمل کر لی تھیں۔ "جب میجر جنرل فرمان علی، لیفٹیننٹ جنرل نیازی اور چند دوسرے افسر جو اب جنگی قیدی ہیں، واپس آئیں گے تو مناسب انکوائری کی جائے گی تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ جنرل فرمان علی نے مسٹر پال مارک کے ذریعے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو کن حالات میں پیغام پہنچایا اور انہیں اس کا کس نے اختیار دیا تھا بھارت سے فرمان کی واپسی پر اس سے اس سگنل کے متعلق دریافت کیا جائے۔"

اس بات کو مسخ کر کے اس کا چرچا کیا گیا ہے جیسے کمیشن نے مجھے مجرم قرار دیا تھا۔ یہ رائے کس طرح قائم کی جا سکتی ہے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ ہم اپنی واپسی کے بعد کمیشن کے سامنے پیش ہوئے تھے۔ ہماری واپسی کے بعد کمیشن کو دوبارہ فعال بنایا گیا تھا اس نے ہمارے بیانات کی سماعت کے بعد اپنی حتمی رپورٹ تیار کر کے حکومت کو پیش کی۔ حتمی رپورٹ کو خفیہ رکھا گیا ہے۔

حتمی رپورٹ کی بات کوئی نہیں کرتا کیونکہ کمیشن نے اپنے مقررہ چارٹر سے تجاوز کیا تھا۔ کمیشن کو اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ "ان اسباب کا جائزہ لے جو فوجی شکست پر منتج ہوئے" کمیشن نے اس المیہ میں سیاستدانوں کے کئے دھرے پر بھی اظہار خیال کیا۔

ذاتی طور پر کمیشن کے روبرو پیش ہونے سے قبل، ہم میں سے ہر ایک نے تحریری بیان دیا تھا جس کی بنیاد پر ارکان نے ہم سے دریافت کئے جانے والے سوال تیار کئے، ملزم کی حیثیت سے پیش ہونے کا یہ میرا پہلا موقعہ تھا۔ کمیشن کے سامنے میں تین دنوں میں پھیلے ہوئے قریباً تیرہ گھنٹے موجود رہا۔ پہلے روز جو ابتدائی آغاز کا روز تھا، میرے تحریری بیان میں مسٹر فضل الحق اور مسٹر سہروردی اور ان کے تصور پاکستان پر میری رائے سے کچھ مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ حمود الرحمٰن بنگالی تھے۔ انہیں میری رائے پسند نہ آئی اور اپنے ابتدائی کلمات میں انہوں نے برافروختگی کا اظہار کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ کمیشن ایک مخالف عدالت ہے مگر میں نے اپنے الفاظ واپس لئے اور نہ ہی چیف جسٹس سے بحث کی۔ جیسے جیسے جرح کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا فضا میرے حق میں بدلتی گئی۔ دوسرے روز مجھے معزز جج صاحبان کے ساتھ چائے نوش کرنے کی دعوت دی گئی اور بات چیت کے دوران مجھے پتہ چلا کہ سیاستدانوں نے المناک حالات پیدا کرنے میں جو کردار ادا کیا تھا وہ ان سے بخوبی آگاہ تھے۔ تیسرا روز میرے لئے انتہائی اطمینان بخش تھا، اس روز تقریباً تین گھنٹے جرح کے بعد میں واقعی مسٹر جسٹس حمود

الرحمٰن کو یہ کہتے سن کر حیران ہوا۔

"جنرل فرمان! ہم نے آپ کو اپنے روبرو پیش ہونے والے افسروں میں سب سے ذہین اور راست رو پایا ہے ہم آپ کو آج وہ ملٹری پلان دیں گے جس کی ہم سفارش کر رہے ہیں اور جو مشرقی پاکستان کے دفاع کے لیے اختیار کیا جانا چاہیے تھا۔ ہم آپ کی رائے معلوم کرنا چاہیں گے۔"

لیفٹیننٹ جنرل الطاف قادر نے پلان پیش کیا۔ ملزم جج بن گیا، میں نے اپنی رائے دی جو قبول کر لی گئی۔

☆☆☆

میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم رحیم خان

جب سے سقوط ڈھاکہ ہوا ہے بعض کتب اور پریس میں حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ منتخب خامہ فرسائیوں اور ترغیبانہ تبصروں کا موضوع بنی ہوئی ہے اقتباسات اور تبصرے فوج والوں کے کردار اور ان کے خلاف الزامات کو منفرد طور پر اجاگر کر رہے ہیں۔ متعدد سینئر فوجی افسر پریس میں لعن طعن کا نشانہ بن رہے ہیں اور ان کی کردار کشی کی جا رہی ہے۔ وہ کسی سول یا فوجی عدالت میں مجرم ثابت کئے بغیر فوج کے کردار کے بارے میں روایتی معاندانہ رویئے کے حامل پریس کے مخصوص حصے میں نفرت آمیز پروپیگنڈے کا نشانہ بنائے گئے۔ اس کے بارے میں جتنا بھی کہیں، کم ہے۔ یہ ایک گھناؤنا عمل ہے اور کسی مہذب معاشرے میں شاذ و نادر ہی دکھائی دیتا ہے اور اسلامی تعلیمات کے قطعی منافی ہے جس کے ہم دعویدار ہیں۔

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے بارے میں ایک عام غلط تصور یہ ہے کہ کمیشن کا مقصد ملک ٹوٹنے کے اسباب کا تجزیہ اور اس المیہ کے ذمہ دار کا تعین تھا۔ اس کمیشن کا یہ مقصد قطعی نہیں تھا۔ مجاز اتھارٹی مثلاً صدر بھٹو کا اصل مقصد تھا کہ۔

(ا) نہایت سینئر ججوں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی باڈی کا اس طرح قیام کہ ملک توڑنے کا پورا الزام صرف اور صرف فوج کے کاندھوں پر منڈھا جا سکے اور

(ب) بھٹو کا اپنا کردار اور سازش جو اس قومی المیہ کا خاص ذمہ دار تھا' اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عدالتی تحقیقات کی مہر ثبت کر کے تحفظ دیا جا سکے۔

کمیشن کے عنوان پر یک نظر سے یعنی جنگ ۱۹۷۱ء کی تحقیقات کا کمیشن اور اس کی حوالہ جاتی شرائط سے مذکورہ بالا باتوں کی تصدیق ہو گی۔

"ان حالات کی تحقیقات کرنا جن میں مشرقی کمان کے کمانڈر نے شکست تسلیم کی اور اس کی کمان میں پاکستان میں مسلح افواج کے ارکان نے اپنے ہتھیار ڈالے اور بھارت اور مغربی پاکستان کی سرحدوں اور ریاست جموں و کشمیر کی جنگ بندی لائن پر جنگ بندی کا حکم دیا گیا۔"

کمیشن کے عنوان اور اس کی حوالہ جاتی شرائط سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تحقیقات خاص طور پر فوج کے خلاف اور عمداً کی گئی اور ملک کو دو ٹکڑے کرنے والے حقیقی ذمہ دار عوامل خصوصاً دو بڑے سیاستدانوں کو چھوا تک نہیں گیا۔

بھٹو کس خوبی سے حمود الرحمٰن کمیشن کے مہیا کردہ اس عظیم عدالتی تحفظ میں کامیاب رہا جو سال بعد شائع ہونے والی کہانیوں سے ظاہر ہے جن سے عوام کی توجہ فوج کی ناکامیوں پر مبذول رکھی گئی اور خود اپنے اور دوسرے سیاسی رہنماؤں کے ادا کردہ کردار سے دور رکھی گئی یہ قوم کے ساتھ ایک بڑے فراڈ سے کم نہیں۔

یہ عجیب بات تھی کہ مسٹر بھٹو نے عسکری حکمت عملی' مہارت اور عسکری روایات سے متعلق واقعات کی چھان بین کے لئے فوجی ماہرین کی بجائے سویلین ججوں کا کمیشن مقرر کیا جو معصومانہ حد تک اس بات سے لاعلم تھے کہ آپریشنز کی کس طرح منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور ان پر کس طرح عملدرآمد ہوتا ہے اور فوجی حکمت عملی پر سیاسی مقاصد کے اثرات کیسے ہوتے ہیں۔ جو سوالات انہوں نے پوچھے اور جو تبصرے انہوں نے سماعتوں کے دوران کئے' وہ اکثر معصومانہ اور قابل تمسخر تھے۔ اس کے علاوہ مسٹر بھٹو نے حیثیت ایک مشیر انہیں جنرل الطاف قادر دیا جو ایک شرابی ریٹائرڈ افسر

تھا۔ اس کی خدمات فوجی افسروں کے خلاف حاصل کی گئیں لیکن وہ ایک کتابی افسر تھا جس کو مشرقی پاکستان کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ ذاتی طور پر یحیٰی کے خلاف عناد رکھتا تھا۔ اسے ایک مرحلے پر کمانڈر انچیف بننے کی امید تھی لیکن وہ شراب نوشی کے غلط رویہ کے سبب ریٹائرڈ کر دیا گیا۔ اس وقت کے کمانڈر انچیف نے مشیر کی حیثیت سے اس کے تقرر پر احتجاج کیا لیکن بھٹو نے اس کو تبدیل کرنے سے انکار کر دیا اگرچہ کمیشن کو مشورہ دینے کے لئے انتہائی ناموزوں شخص تھا کمیشن کے سامنے میری پیشی کے دوران اور عدالت سے باہر بھی میں نے اس سے فوجی مہارت اور آپریشنز کے بارے میں جرح کی جس کا اس نے برا منایا۔ میرے پاس اس یقین کی دلیل ہے کہ اس کے فوج میں بعض دوستوں نے جنہوں نے میری سی جی ایس کی حیثیت سے تقرری پر برا منایا تھا' افواہیں گھڑنے کے لئے شیطانی سازش کی اور گمنام خطوط لکھے اور اس نے ان پر اعتبار کیا۔

کمیشن نے الیکٹرانک میڈیا اور حکومت کے زیر انتظام پریس کے فوج اور اس کے جرنیلوں کے خلاف پیدا کردہ بھاری الزامات اور معاندانہ ماحول میں اپنی سماعتیں منعقد کیں۔ کمیشن کے اعلیٰ اراکین میں سے ایک اپنی رہائش گاہ پر شاموں کو اپنی غیر سرکاری نشستوں میں ایسی کہانیاں بیان کرتا تھا جو دن کے اجلاسوں کے خلاف ہوتی تھیں اور ہر شخص ان کہانیوں کے نتیجہ میں ذلت آمیز تمسخر اڑاتا تھا۔ اس کمیشن کا چیئرمین بدقسمتی سے ایک بنگالی تھا۔ اس عرصہ کے دوران جب بنگالیوں کے خلاف احساسات پھیلے ہوئے تھے' وہ صحیح آدمی نہیں تھا۔ وہ جانبدار اور بلیک میل ہونے کے قابل تھا تاکہ اس کی کرسی برقرار رہے۔ اس نے یحیٰی کے تحت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے وفاداری سے خدمات انجام دیں لیکن جب بھٹو کے ماتحت آیا تو فوراً اسے (یحیٰی کو) غاصب قرار دے دیا۔ کمیشن کے سامنے پیش ہونے والے زیادہ افسروں نے اتفاق کے لئے اس کی اہلیت اور مقصدیت پر اعتماد نہیں کیا۔

شاہدوں کو جرح کرنے کی اجازت نہیں دی گئی نتیجتاً کمیشن کی چھتری تلے

بعض افسروں کے خلاف من گھڑت اور نفرت انگیز الزامات عائد کئے گئے اور جنہیں کمیشن نے شہادت کے طور پر تسلیم کر لیا۔ یہ انصاف' فوجی روایات کی واضح بگڑی ہوئی صورت تھی۔ یہ کمیشن کا اخلاقی فرض تھا کہ کسی بھی گواہ پر جس نے الزامات لگائے' مختصر جرح کی اجازت دیتا تاکہ تہمتوں اور غلط بیانیوں سے سچ کی چھان بین ہو سکتی۔ میرے کیس میں کمیشن نے کبھی ایک مرتبہ بھی یہ اشارہ نہیں دیا کہ میرے خلاف غلط طرز عمل کا کوئی الزام لگایا گیا ہے۔ بعض واپس آنے والے جنگی قیدیوں کو کمیشن کے سامنے جھوٹی گواہی دینے کے لیے دھمکیاں دی گئیں اور بلیک میل کیا گیا اور میرے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر سے عملہ کے کسی بھی زندہ رکن کو جو میرے آپریشنز کے عینی شاہد تھے۔ گواہی کے لئے نہیں بلایا گیا۔ اب میں جانتا ہوں کہ کیوں؟

یہ یقین کیا جاتا ہے کہ جنرل گل حسن ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جو مورد الزام قرار دیئے گئے کیونکہ وہ نئے کمانڈر انچیف تھے لیکن جونہی وہ اس عہدے سے ہٹائے گئے ان کا نام بھی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔ اسی طرح جنرل ٹکا خان جن کا نام بڑے ملزموں میں شامل تھا اور جنہیں بنگال کا قصائی قرار دیا گیا تھا' جب انہیں گل حسن کی جگہ چیف آف دی آرمی سٹاف بنایا گیا تو ان کا نام فہرست سے نکال دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم بعض ایسے ناموں کی حمود الرحمٰن کمیشن کی فہرست میں ایکشن کے لئے سفارش کی گئی تھی جو چیف ایگزیکٹو کے خصوصی ہدف تھے اور ان میں ایک میں تھا۔

کئی افسر جن کے خلاف مجرمانہ طرز عمل کے سنگین مقدمات تصفیہ طلب تھے' چھوڑ دیئے گئے جبکہ ان کے جرائم میں' ۱۹۷۱ء کے فوجی ایکشن کے دوران بنکوں اور سرکاری خزانے کی لوٹ مار اور زنا شامل تھے۔ ان افسروں میں سے ایک بریگیڈیئر کو بھٹو نے کمیشن کی رپورٹ پیش ہونے کے بعد لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی دی۔

بطور چیف آف دی جنرل سٹاف تقرر

میں واحد سینئر افسر تھا جو بھارتی قید سے بچ سکا۔ زخمی ہونے کے سبب مجھے مشرقی کمان کے کمانڈر جنرل نیازی کے براہ راست احکامات کے تحت ۱۵ اور ۱۶ دسمبر کے درمیان ڈھاکہ سے ایک چھوٹے ہیلی کاپٹر میں برما منتقل کیا گیا۔ یہ ہیلی کاپٹر صرف چار افراد یعنی دو ہوا باز' ایک ٹیکنیشن اور یک مجھے لے جاسکتا تھا۔ میں ایک ماہ سے زائد عرصہ ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ بنکاک کے راستے راولپنڈی واپس پہنچنے پر میرا فوری طور پر چیف آف دی جنرل سٹاف کی حیثیت سے تقرر کر دیا گیا۔ یہ عہدہ جنرل گل حسن کے سی این سی مقرر ہونے پر خالی ہوا تھا۔ مجھے اپنی پوسٹنگ کا کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔ یہ اعتراض کہ جنرل گل حسن کی تحقیقات کے بغیر میرا سی جی ایس کی حیثیت سے تقرر بعض خاص مقاصد کے لئے تھا سراسر رسوا کن ہے۔ سی این سی کو مغرب پاکستان کے ایک درجن میجر جنرلوں میں کوئی موزوں سی جی ایس کیوں نہیں مل سکا اس کا جواب صرف وہ دے سکتے ہیں۔ لیکن میری تقرری سے قابل غور رقابت تازہ ہو گئی اور اینٹی ایسٹرن لابی نے تمام ان جنرلوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی جنہوں نے مشرقی پاکستان میں خدمات انجام دیں۔ جب میں نے مسٹر بھٹو سے ۲۳ جنوری ۱۹۷۲ء کو ملاقات کی انہوں نے معانقہ کیا اور میری تعریف کی اور قابل نفرت دشمن سے فرار حاصل کرنے والے واحد جنرل کی حیثیت سے مجھے ہیرو قرار دیا لیکن جب میں نے چیف آف دی جنرل سٹاف کی حیثیت سے پنجاب اور فرنٹیر میں پولیس کی بغاوت کو کچلنے اور حکومت کے خلاف عوام کے مظاہروں کو دبانے کے لئے فوج کے استعمال سے انکار کیا اور خصوصاً جب میں نے اندرون سندھ بھٹو کے اختیار کے بغیر پی پی پی کے پیدا کردہ لسانی ہنگاموں کے پیش نظر فوج بھیجی تو میں نشانہ بن گیا۔ انہوں نے تحریری دھمکی دی کہ وہ جی ایچ کیو کے ان لوگوں کو "فکس" کر دیں گے جو ان کی خواہشات کی راہ میں مزاحم ہوں گے۔ میں خاص نشانہ تھا اور ان کی راہ سے مجھے ہٹانا تھا۔ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو یہ کام کرنے کے لئے فورم منتخب کیا گیا۔ من گھڑت کہانیاں فراہم کی

گئیں اور میدان جنگ اور فوج کو چھوڑنے اور نرسوں کے لیے مختص ہیلی کاپٹر کے ذریعے برما فرار ہونے کے بارے میں سکھائی پڑھائی گواہیوں کے ذریعے لعن طعن کی گئی۔

آفتاب کمیٹی رپورٹ

عام لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حکومت نے لیفٹیننٹ جنرل آفتاب احمد خان کے تحت تینوں مسلح افواج کے پانچ مغربی پاکستان سینئر افسروں پر مشتمل ایک الگ کمیٹی تشکیل دی تھی تاکہ حمود الرحمٰن کمیشن کی محدود فوجی استطاعت اور اس کی مبینہ جانبداری کی وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی تنقید کے سبب کرنل اور اس سے اوپر کے تمام عہدوں کے سینئر افسروں کے معاملات کی چھان بین کرے۔ اس نے تمام پیشہ ورانہ اور انٹیلی جنس رپورٹوں کا جائزہ لیا اور تمام متعلقہ افسروں کی جانچ پڑتال کی اور ایک تفصیلی رپورٹ اپنی سفارشات کے ساتھ پیش کی۔ مجھے اس پیشہ ورانہ باڈی نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے عائد کردہ تمام الزامات سے بری الذمہ قرار دیا تاہم مسٹر بھٹو کو تو مجھے "فکس" کرنا تھا' لہٰذا مجھے باعزت ریٹائر کر دیا گیا صرف مکمل آفتاب کمیٹی رپورٹ کی اشاعت ہی مختلف افسروں کے کردار اور سقوط ڈھاکہ کے فوجی اسباب پر حقیقی روشنی ڈالے گی۔

جہاں تک فوج چھوڑنے کے گھڑے گئے الزامات کا تعلق ہے' حقائق درج ذیل ہیں۔

۲۰ نومبر ۱۹۷۱ء کو مجھے اپنے دفتر مارشل لاء ہیڈ کوارٹرز ڈھاکہ سے اچانک ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان طلب کیا گیا اور مطلع کیا گیا کہ مشرقی پاکستان پر بھارتی حملہ دوسرے دن ۲۱ نومبر کو متوقع ہے اور مجھے مشرقی سیکٹر میں ہیڈ کوارٹرز ۱۴ ڈویژن سے کومیلا تا چٹاگانگ تمام ٹروپس کی کمان کرنی ہے۔ یہ ٹروپس ۷ ملی جلی بٹالین پر مشتمل تھیں اور تقریباً دو سو میل کی سرحد کے ساتھ چھوٹے سیکشن اور پلاٹون میں پھیلی ہوئی

تھیں۔ ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان اس تشویشناک صورتحال سے مکمل طور پر حیران رہ
گیا کیونکہ حفظ ماتقدم کے طور پر ٹروپس کی تعیناتی اور کمان کی ترتیب جنگ لڑنے کے
لئے قطعی ناموزوں تھی۔ میں نے بلا پس و پیش یہ ہنگامی ذمہ داری قبول کر لی اور فوراً
بذریعہ ہیلی کاپٹر فینی پرواز کر گیا جہاں میں ۵۳ بریگیڈ کے ہیڈ کوارٹرز کے قیام تک ان
کے مواصلات استعمال کر سکوں۔ ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان نے یہ ایڈہاک ہیڈ کوارٹر ۳۹
ڈویژن کے طور پر دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے قائم کیا تھا۔ جنگ میں ٹروپس کو کمان
کرنے کے لئے ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز کو قائم کرنے کے لئے تربیت یافتہ عملہ کے ساتھ
مہینوں لگتے ہیں۔

آئندہ دو ہفتوں کے دوران اگلے مورچوں کے روزانہ دورے کر کے میں
نے ٹروپس کو جہاں کہیں ممکن تھا مناسب بٹالین کنٹرول کے تحت کمپنی پوزیشن میں
مجتمع کیا لیکن حکومت کی پالیسی کے تحت مشرقی کمان نے سرحدوں سے واپس ہو کر
پوری طرح تیار بریگیڈ پوزیشن میں قلعہ بندی کی اجازت نہیں دی اور وہاں حتیٰ کہ ایک
کمپنی بھی ریزرو میں نہیں تھی۔ بلاشبہ ۳۰ نومبر تک جنرل عبدالحمید (سی او ایس جی ایچ
کیو) برابر اصرار کرتے رہے کہ ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان کو ریل لنک کو میلا۔ فینی۔
چٹاگانگ کی سرحدوں کے ساتھ حفاظت کرنا چاہئے اس سے پوری سرحد کے ساتھ
اگلے مورچوں پر خطرناک انتشار ہو گیا۔

دو منتشر بٹالین میاں ازار اور چاٹگام میں تھیں اور چاند پور مظفر گنج کو تحفظ
دے رہی تھیں ۴ دسمبر کو دشمن نے ایک ڈویژن کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ دشمن کو
ٹینکوں اور فضائیہ کا تحفظ حاصل تھا جب کہ ۵۳ بریگیڈ فینی سے ابھی تک پیچھے ہٹ رہا
تھا تاکہ پیچھے مظفر گنج میں تیار شدہ دفاعی پوزیشن سنبھال سکے۔ دونوں بٹالین کا دفاع
غیر متوقع طور پر چند گھنٹوں میں تباہ ہو گیا اور دشمن ۵۳ بریگیڈ کے قبضہ کرنے سے
پہلے ہی مظفر گنج پہنچ گیا اس طرح وہاں چاند پور جہاں ڈویژنل ہیڈ کوارٹر، فیلڈ ہسپتال،

سپلائز اور گولہ بارود کے ذخائر تھے اور دشمن کے آگے بڑھتے ہوئے بریگیڈ کے درمیان
کچھ نہیں تھا۔

اس طرح ای ایم ای ورکشاپ کے عملے پر مشتمل خود ساختہ ڈویژن ہیڈ کوارٹرز
کے افراد کے ملے جلے اجتماع کے علاوہ کمانڈوز کے ایک دستے اور مختلف یونٹوں کی ایک
ملی جلی کمپنی مظفر گنج کے عقب میں تعینات کی گئی تاکہ عقبی حفاظتی ایکشن کا مقابلہ
کر سکے۔ تقریباً چار دن انہوں نے دشمن کے بریگیڈ کو چاند پور کی طرف بڑھنے سے
روکے رکھا۔ جب ۶ نومبر کو یہ واضح ہو گیا کہ ۵۳ بٹالین لکشام میں جسے ڈویژن ہیڈ
کوارٹرز چاند پور سے مل کر اس کے دفاع کا حکم دیا گیا تھا دشمن کے گھیرے میں آ گئی ہے
اور گم ہو گئی ہے تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ دشمن کے قبضے سے بچنے کے لئے چاند پور سے
ڈویژن ہیڈ کوارٹرز اور ہسپتال خالی کر دیا جائے منصوبہ یہ تھا کہ ہیڈ کوارٹرز داؤد کنڈی
اڈیمر اعلاقہ میں دوارہ قائم کیا جائے تاکہ داؤد کنڈی' کو میلا سنگم پر بریگیڈ پر دوبارہ
کنٹرول ہو جائے۔ اس پیشگی حفاظتی حکمت عملی سے ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان پوری
طرح آگاہ تھا اور میرے تمام بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز نظروں میں تھے اس کے بعد میں نے
چاند پور سے واپسی کے احکامات جاری کئے جس کے لئے مجھے ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان
اور بحریہ کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ مشرقی پاکستان کی مکمل تصدیق اور تعاون حاصل تھا۔
جنہوں نے منصوبہ بندی کی اور دریائی نقل و حرکت کا انتظام کیا۔ نارائن گنج میں سے
ایک گن بوٹ بھیجی تاکہ چاند پور سے ڈویژن ہیڈ کوارٹرز خالی کر سکیں اور دوسری
چیزیں ہٹا سکیں لہٰذا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حتیٰ کہ واپسی کا امکان بھی پیشگی توثیق
اور ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان اور فلیگ آفیسر کمانڈنگ مشرقی پاکستان کی مکمل مدد کے بغیر
ممکن نہیں۔ اگر ہم چاند پور سے واپسی اختیار نہ کرتے تو عسکری طور پر یہ ایک سنگین
کوتاہی ہوتی کیونکہ میں اور ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان اس صورت میں واقعی دانستہ طور پر
ڈویژن ہیڈ کوارٹرز، ہسپتال اور دیگر انتظامی عناصر کے زیاں اور دشمن کو قبضہ دینے اور

متبادل جگہ پر واپس ہٹنے کا میسر اور ٹھوس راستہ اختیار نہ کرنے کے قصوروار ہوتے۔ دشمن کی فضائی برتری کی وجہ سے اس منصوبے میں مضمر خطرات کو اچھی طرح سوچتے سمجھتے ہوئے قبول کیا گیا۔

حالانکہ دوسرے عناصر نارائن گنج حفاظت پہنچائے اور وہاں پوزیشن سنبھالی لیکن گن ہٹ میں ڈویژن ہیڈ کوارٹرز تباہ ہو گیا اور میں واپسی کے موقع پر دشمن کے فضائی حملہ کی وجہ سے زخمی ہو گیا۔ یہ بہر حال اس فیصلے کا جواز کسی طرح بھی کم نہیں کرتے۔

ایڈہاک ڈویژن ہیڈ کوارٹرز کی تباہی کے بعد ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان نے اس سیکٹر میں تمام بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کا کنٹرول براہ راست سنبھال لیا۔ یہ ہیڈ کوارٹرز کو بچانے کے لئے مکمل طور پر ٹھوس حربی حکمت عملی کے تحت واپسی کا فیصلہ تھا جب کہ پوری منظری اور حمایت ہیڈ کوارٹرز مشرقی کمان سے لی گئی تھی۔ اس کو یہ کہنا کہ جنگ کا علاقہ چھوڑ دینا جیسے کہ میں نے اپنے طور پر یہ علاقہ چھوڑا ہو' ایک شر انگیز الزام ہے۔ اس آپریشن میں پندرہ سو سے زائد افراد بشمول بارہ سو وفادار شہریوں نے حفاظت چاند پور خالی کیا۔ یہ آپریشن تین دن سے زائد جاری رہا اور آخری شخص میں تھا۔

دوسرا معاملہ جس پر عام طور پر پریس میں احتجاج کیا جاتا رہا ہے' یہ ہے کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ میں ملزم قرار دیئے گئے تمام افراد کا کورٹ مارشل ہونا چاہئے۔ تعجب ہے کہ حمود الرحمٰن کمیشن نے خود یہ طے کر لیا کہ نہ صرف اپنے اخذ کردہ نتائج پیش کرے بلکہ کورٹ مارشل وغیرہ کے لئے سفارشات بھی کرے۔

کمیشن کی حوالہ جاتی شرائط کے مطابق یہ اس کا کام نہیں تھا۔ جب جی ایچ کیو میں جج ایڈووکیٹ جنرل سے ان مقدمات کے 'کورٹ مارشل میں ممکنہ ٹرائل کے لئے مطالعہ کا کہا گیا تو انہوں نے اس ایکشن کے خلاف مشورہ دیا۔ الزامات ثابت نہیں ہو سکے دراصل حکومت یا جی ایچ کیو کا کوئی ارادہ انہیں تھا کہ کوئی ٹرائل ہو کیونکہ

کارروائی سے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کی مضحکہ خیزی آشکار ہو جاتی اور اصل مجرم بھی ظاہر ہو جاتے۔

حمود الرحمٰن کمیشن اور اس کی رپورٹ کی حقانیت کے تعین کی فوری ضرورت ہے لہٰذا پوری سچائی جاننے کے لئے انڈین ہینڈرسن اسمتھ کمیشن جیسی ایک اور اعلیٰ سطحی پیشہ ورانہ باڈی حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ پر نظر ثانی کے لئے تشکیل دی جائے اور المیہ ۱۹۷۱ء میں سیاستدانوں کے کردار کی جانچ پڑتال کے لئے دوسرا کمیشن مقرر کیا جائے تب ہی پوری سچائی سامنے آئے گی۔

پریس کا کردار

آخر میں حالیہ اور ۱۹۷۱ء میں ہمارے رنٹ میڈیا کے کردار کے بارے میں چند الفاظ' ۱۹۷۱ء کے ہمارے اخبارات کے اداریوں اور خبروں کی سرخیوں پر ایک نظر یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ مغربی پاکستانی سیاستدانوں اور پریس نے ایک عجیب مہم چلائی اور عوامی لیگ کے مطالبات سے ہر مفاہمت کی مخالفت کر کے ایسی صورت حال پیدا کی جس میں فوجی ایکشن ہی واحد حل تھا اور جس کو ان سب نے سراہا لیکن اس نے ناگزیر طور پر ملک دولخت کر دیا۔ پریس کا یہی سیکشن اب پھر حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے تنازعہ کو ہوا دینے میں پیش پیش ہے۔

☆☆☆

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ارشاد احمد خان

۱۹۷۱ء میں مغربی محاذ پر فرسٹ کور کی کمان کرنے والے لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ ارشاد احمد خان نے سانحہ مشرقی پاکستان کے انیس برس بعد آرمی ایکٹ کے تحت کورٹ آف انکوائری کی تشکیل کا مطالبہ کیا۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے اقتباسات کی بعض اخبارات میں اشاعت کا نوٹس لیتے ہوئے انہوں نے جو بیان جاری کیا اس میں کہا گیا تھا۔

"اگرچہ سیاسی اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے سلسلہ میں چھ جرنیلوں کے مناسب مقدمے کا انتظام کرنا قابل عمل نہیں ہوگا کیونکہ ان میں سے دو فوت ہو چکے ہیں' چنانچہ چند اہم سیاسی رہنما اہم گواہ ہو سکتے ہیں لہٰذا اس کے ذریعہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران کی جانے والی فوجی کارروائی میں استعمال کیے گئے طریقوں کا جائزہ لینا ممکن ہے۔ فرسٹ کور کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے جنرل ارشاد نے اس بات پر زور دیا کہ تفتیشی عدالت کے ذریعے وہ یہ ثابت کریں گے کہ ان کے خلاف کمیشن کے انکشافات درست نہیں تھے۔ ان کے مطابق فرسٹ کور نے ۱۹۷۱ء میں مغربی محاذ پر کامیابی سے سب سے بڑی اور زبردست جنگیں لڑیں۔ جی ایچ کیو نے جنگ میں اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے فرسٹ کور کو ایک دفاعی کام سونپا تھا اور اسے متعدد اہم کام سپرد کئے تھے۔ لہٰذا سارے کاموں کو کامیابی سے مکمل کر لیا گیا۔ "ہمیں حکم دیا گیا کہ

ہم نے ہر صورت میں اپنے قدم جمائے رکھنے ہیں اور واپسی کا تصور تک نہیں کرنا' لہٰذا فرسٹ کور نے تین پیادہ ڈویژنوں اور تین بکتر بند بریگیڈوں پر مشتمل دشمن کی حملہ آور فوج کو مذکرہ سرحد پر میلوں تک روکے رکھا۔ دشمن ہمیں اپنے اہم دفاعی مورچوں سے بے دخل کرنے میں ناکام ہو گیا' لہٰذا کسی بھی بٹالین نے پوری جنگ کے دوران دشمن کو اپنے دفاعی علاقہ میں پیر تک نہیں رکھنے دیا۔ وہ صرف ہمارے ہر اول مورچوں کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو سکا اور دو بٹالینوں کے درمیان خلاء میں محض ایک چھوٹی سی چوٹ لگا سکا' جہاں جاسوس عناصر کی صف بندی کی گئی تھی۔ میں یہاں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کور کی کارروائی کے اصل منصوبہ میں چند تبدیلیاں کیں' جن کی ابتدائی طور پر جی ایچ کیو اور ۸۔ ڈویژن نے مخالفت کی اور جس نے بالآخر دشمن کو اہم قصبہ 'شکر گڑھ پر اس کے مسلسل حملوں کے باوجود قبضہ کرنے سے روکے رکھا۔"

"اسی طرح مرالہ ہیڈ ورکس پر دشمن کو قبضہ کرنے سے روکنے کے لئے خصوصی اقدامات کئے گئے۔ واقعتاً کمیشن نے ان اقدامات پر تنقید کی حالانکہ بیر لج کے دفاع کو یقینی بنانے کے لئے یہ ضروری تھے۔ اگر دشمن ہیڈ ورکس پر قبضہ کر لیتا تو اس کے نتیجہ میں بی آر بی سمیت وہاں سے پانی حاصل کرنے والی تمام نہریں خشک ہو جاتیں اور دیپال پور تک مشرق کی جانب' پانی کی رکاوٹ پر مبنی ہمارے تمام دفاعی مورچے ناکارہ ہو جاتے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر دشمن ایک طویل عرصے تک ہیڈ ورکس پر قبضہ رکھتا تو اس کے نتیجہ میں وہ تمام زمین بنجر ہو جاتی جس کی آبپاشی ان نہروں کے ذریعہ کی جاتی تھی۔

فرسٹ کور کی کارکردگی پر روشنی ڈالنے کے لئے انہوں نے اپنی تصانیف میں درج ہندوستانی جرنیلوں یعنی میجر جنرل سکھ ونت سنگھ (جو ۱۹۷۱ء میں ہندوستانی فوج کی فوجی کارروائیوں کے ڈپٹی ڈائریکٹر تھے) اور جنگ میں جی او سی۔ ان۔ سی انڈین

ویسٹرن کمان' لیفٹیننٹ جنرل کے پی کنڈیتھ کے بیانات کا حوالہ دیا۔ اول الذکر نے لکھا ہے (صفحہ ۱۰۷) ہندوستانی کارکردگی' ۱۹۶۵ء کی کارکردگی سے قدرے بہتر تھی۔ اس لڑائی میں فرسٹ کور نے (ہندوستانی) ۱۹۷۱ء کی چودہ روز کی جنگ میں آٹھ کے مقابلہ میں ۱۲روز میں سات میل کا سفر طے کیا۔ یہ کامیابی پاکستانی افواج کی اہم مخالفت کے خلاف حاصل کی گئی اور یہ کامیابی استعمال کئے گئے ذرائع کے مطابق نہیں تھی۔ میجر جنرل بی آر بھو (۳ انڈین ڈویژن) نے جنگ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور ایک کے بعد دوسرے نقصان کا مایوس تماشائی بن کر رہ گیا۔ حتی کہ کے سنگھ (انڈین فرسٹ کور کمانڈر) نے اسے ایک ست سیکٹر پر منتقل کرنا مناسب سمجھا' وہاں بھی اس نے جنگ کے لئے کچھ نہیں کیا۔

میجر جنرل پی ایس آہلووالیہ (۳۶ انڈین ڈویژن) چند ست میلوں کا فاصلہ طے کر کے جنگ کی پروا کئے بغیر شکر گڑھ پر یکے بعد دیگرے حملوں میں اپنی فوج کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ اس کے نتیجہ میں اسے بار بار ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مؤخر الذکر اگرچہ اتنا بولا نہیں' مگر اس نے نرمی سے اسے تسلیم کیا ہے۔ (صفحہ ۱۶۶) سیالکوٹ سیکٹر میں ہم نے قدرے آہستگی سے پیش قدمی کی۔"

جنرل ارشاد نے زور دیا کہ فرسٹ کور نے راوی کے مغرب میں دشمن کے تقریباً ۴۰ مربع میل علاقہ دھرم پر بھی قبضہ کر لیا جسے جسڑ سے دریا عبور کرنے سے روکنے کی خاطر قبضہ میں لیا گیا تھا۔

☆☆☆

جنرل ارشاد کی مزید وضاحت

حمود الرحمٰن کمیشن کی سفارشات کا انکشاف سب سے پہلے ایک صحافی نے ۱۶ دسمبر ۱۹۹۰ء کو ایک انگریزی کے روزنامے میں کیا۔ انہیں یک اور کالم نگار نے ۳ جنوری ۱۹۹۱ء کو ایک انگریزی ہفت روزہ میں نمایاں کیا اس کے مطابق ایک سفارش میں کمیشن نے تجویز کیا ہے کہ اپنے فرض کے سلسلہ میں مجرمانہ اور سرکشانہ غفلت برتنے کے باعث مجھ پر مقدمہ چلایا جائے کیونکہ میں نے اپنے فوجی دستوں کی کارروائیوں کا اہتمام اس انداز میں کیا کہ مغربی پاکستان میں ضلع سیالکوٹ کی تحصیل شکر گڑھ کے تقریباً ۵۰۰ دیہات بغیر کسی لڑائی کے دشمن کے سپرد کر دیئے گئے اور اس کے نتیجہ میں جنوب میں حملہ آور فوج کو جان جوکھوں میں ڈالنا پڑی۔ میں نے اس کے بعد جلد ہی اپنے دو اخباری بیانات میں اس الزام کی تردید کی ان میں میں نے برملا طور پر یہ مطالبہ بھی کیا کہ میرے خلاف عدالتی چھان بین کی جائے' تاکہ میں اپنی پوزیشن کو واضح کر سکوں۔

تقریباً یک سال تک کسی بھی سرکاری ادارے نے کمیشن کی چھپی ہوئی سفارشات کی تصدیق یا تردید نہ کی۔ چنانچہ اپنے خلاف کمیشن کی تجویز کردہ عدالتی چھان بین شروع کروانے کی خاطر میں دسمبر ۱۹۹۱ء میں آرمی ریگولیشنز کے تحت چیف آف آرمی سٹاف کو ایک درخواست ارسال کر کے تحریری طور پر اس کیس کو جی ایچ کیو میں

لے گیا۔ جبکہ فیصلہ کے لئے اعلیٰ حکام کو درخواست بھیجنے کے لئے چیف آف آرمی
سٹاف کو کہتے ہوئے میں نے آخر میں کہا "یہ درخواست کی جاتی ہے کہ قومی اخبارات
میں اچھالے گئے الزام کی چھان بین کرنے کے لئے ایک مناسب فوجی عدالتی تفتیش کا
اہتمام کیا جائے تاکہ میرا جواب سننے کے بعد مجاز حکام آخری فیصلہ دے سکیں۔ اگر
میرے خلاف عائد کیا گیا الزام ریکارڈ شدہ شہادت کے مطابق درست ثابت نہیں
ہوتا' تو عوام اور ان فوجی دستوں (جن کی میں نے کمان کی) کے موجودہ تاثر کو درست
کرنے کی خاطر اس کا اعلان اخبارات میں کیا جائے اور اگر تفتیشی عدالت جنگ میں
حیثیت کور کمانڈر مجھے فرض میں مجرمانہ اور سرکشانہ غفلت کا مجرم پاتی ہے تو جرم کے
لئے سزا ضرور ہونی چاہئے۔"

حال ہی میں مجھے جی ایچ کیو سے ایک جواب موصول ہوا ہے۔ چیف آف
آرمی سٹاف نے مہربانی کے ساتھ خود اس پر دستخط کئے ہیں۔ خط کا لب لباب یہ ہے۔

"اب تک حکومت نے کسی انداز میں بھی حمود الرحمٰن کمیشن کی سفارشات
سرکاری طور پر نہ تو اخبارات کو جاری کی ہیں اور نہ ہی عوام کو اس سے باخبر
رکھا ہے۔ اخبارات میں شائع ہونے والی غیر مصدقہ سفارشات کی کوئی
قانونی حیثیت نہیں لہٰذا اس مرحلہ پر حکومت کو یہ کیس پیش کرنا مناسب
نہیں ہوگا۔"

بہر حال میں اپنے خلاف کمیشن کی سفارشات شائع کرنے کے سلسلہ میں کالم
نگاروں کا شکر گزار ہوں کیونکہ میں ابھی زندہ ہوں اور اس الزام کا جواب دے سکتا
ہوں۔ لیکن چونکہ اس کی اشاعت کسی سرکاری ادارے نے نہیں کی' لہٰذا اس کیس میں
آخری فیصلے کو روکنے کے لئے معلوم ہوتا ہے حکومت نے شتر مرغ کا رویہ اپنا لیا ہے۔
انصاف کا تقاضہ پورا کرنے اور عوام الناس کو مطمئن کرنے کے لئے اگر مکمل رپورٹ
نہیں یہ تو کم از کم اخبارات کو سرکاری طور پر حمود الرحمٰن کمیشن کی مصدقہ سفارشات

ہی جاری کر دی جائیں جن میں متعلقہ اشخاص کی جانب سے ۱۹۷۱ء کے بحران سے
سیاسی طور پر نبٹنے کے لئے تفصیلات پر مبنی سفارشات بھی شامل ہوں۔ اس سے یہ بھی
واضح ہو جائے گا کہ آیا کمیشن نے مشرقی پاکستان میں افواج کے ہتھیار ڈالنے کے سیاسی
اسباب کا جائزہ لینے کی جرأت کی ہے اور کمیشن نے مستقبل میں سیاسی میدان میں اس
جیسے بگاڑ سے نبٹنے کی خاطر کیا تدارک تجویز کیا ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اپنے دائرہ کار کے مطابق کمیشن صرف عسکری پہلو سے اس
شکست کا جائزہ لینے کا اختیار رکھتا تھا۔ کمیشن کسی طرح سے بھی یہ کام کرنے کا مجاز نہیں
تھا۔ پاکستان کمیشنز آف انکوائری ایکٹ ۱۹۵۶ء کی دفعہ ۵ (۲) کے تحت مقرر کردہ
کمیشن سے تقاضہ کیا گیا کہ وہ ان حالات کی چھان بین کرے جن میں کمانڈر ایسٹرن کمان
نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلح افواج پاکستان کے ارکان نے اس کے حکم سے اپنے ہتھیار
بھی ڈالے اور مغربی پاکستان و ہندوستان کی سرحدوں اور ریاست جموں و کشمیر کی جنگ
بندی لائن کے ساتھ ساتھ جنگ بندی کا حکم دے دیا گیا۔

ہماری شکست اور اس کے نتیجہ میں ہتھیار پھینکنے کی ایک بڑی وجہ پاکستان کی
مسلح افواج سے تقریباً جملہ مشرقی پاکستانی' شہری و فوجی اشخاص کی مسلسل دشمنی اور
ایک دشوار دریائی علاقہ میں کارروائیوں کا انتظام کرنے کے لئے ہندوستانی افواج کے
لئے ان کی بھرپور حمایت تھی۔ یہ دشمنی ابتدائی طور پر سالہا سال تک ہماری سول اور
فوجی انتظامیہ کی طرف سے مشرقی پاکستان کے قابل رحم انتظام کے نتیجہ میں تھی اور
خصوصاً ۱۹۷۱ء کے سیاسی بحران کے دوران قانون کے تحت کمیشن کو یہ اختیار حاصل
تھا کہ وہ کسی شخص کو بھی بلوا سکتا' اس پر حاضری کا ضابطہ لاگو کر سکتا اور بذریعہ حلف اس
پر جرح کر سکتا۔ اگر کمیشن ان سیاسی حالات کا تجزیہ کرنے کی خاطر انہوں نے بعد میں
فوجی عوامل سے قطع نظر ابتر حالات پیدا کئے' جس کے باعث ہماری افواج نے ہتھیار
پھینک دیئے تھے تمام متعلقہ سول گواہوں کو بلانے میں ناکام رہا اور ہماری تاریخ

میں انتہائی خطرناک سیاسی بگاڑ پیدا کرنے کے سلسلہ میں ججوں نے سیاسی رہنماؤں کے چہروں سے پردہ نہ ہٹایا تو اس کے لئے کمیشن جوابدہ ہے۔

بین الاقوامی اخبارات میں مستقل طور پر شائع ہونے والے بے بنیاد الزامات کہ ایک جرنیل نے لڑائی کے دوران اپنی افواج کو تنہا چھوڑ دیا اور دوسرے نے بغیر کسی لڑائی کے ۵۰۰ دیہات حوالے کر دیئے بغیر کسی جواز کے دنیا میں ہماری لڑاکا افواج کے تصور کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مکمل چھان بین کے بعد ان وحشیانہ الزامات کا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ حکومت کو یہ یقین دہانی کرانی چاہیے کہ ملک کی مسلح افواج پر لگائے گئے ایسے بلاجواز بہتان ختم کر دیئے گئے ہیں اور ریکارڈ کو درست کر لیا گیا ہے۔

☆☆☆

میجر جنرل ریٹائرڈ غلام عمر

۱۶ دسمبر کو انگریزی روزنامہ "دی نیشن" میں اطلاع دی گئی کہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) غلام عمر نے ۱۹۷۱ء کے ڈرامہ یعنی سقوط ڈھاکہ میں اپنے مبینہ طور پر ملوث ہونے اور بعد میں حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے سلسلہ میں کھلی تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ سابقہ مشرقی پاکستان کے سانحہ میں ان کا شمار اس کے کھلاڑیوں میں ہوتا ہے۔

جنرل عمر نے کہا کہ کمیشن کا مقصد جان بوجھ کر دونوں نقاط تک محدود ہو کر رہنا تھا یعنی

مشرقی پاکستان میں ہتھیار پھینکنے اور مغربی پاکستان میں جنگ بندی کے معاملہ تک۔ جب "نیشن" نے دریافت کیا کہ جان بوجھ کر ایسا محدود مقصد کیوں رکھا گیا، تو انہوں نے کہا:

"حکومت پر دباؤ ہو سکتا ہے یا حکومت کا کمیشن پر دباؤ ہو سکتا ہے" انہوں نے کہا۔ مشرقی پاکستان کے معاملہ میں انہوں نے جو کچھ بھی کیا، وہ ان کے ضمیر کی آواز کے عین مطابق تھا، لہٰذا یہ کہنے میں کوئی حیل و حجت نہیں کہ کھلے طور پر تحقیقات کرائی جائیں تاکہ ریکارڈ درست کرنے کی خاطر، واقعات کو مکمل طور پر پرکھا جا سکے۔

کمیشن کی رپورٹ میں درج سفارشات میں یہ کہا گیا کہ مجرمانہ سازش میں ایک فریق بننے کے باعث چھ جرنیلوں بشمول جنرل عمر پر سر عام مقدمہ چلایا جائے۔ انہوں نے کہا' یہ سمجھ سے بالاتر ہے کہ متعدد حکومتوں (بشمول بھٹو' ضیاء' جونیجو اور بینظیر کی) کے دور میں تقریباً ۲۰ برس تک اس رپورٹ کو پوشیدہ کیوں رکھا گیا۔ انہوں نے کہا' ان نکات کا انکشاف قومی سلامتی اور بین الاقوامی تعلقات کے لئے خطرے کا باعث نہیں تھا۔ انہوں نے مذکورہ اخبار میں شائع ہونے والی کہانی میں موجود نکات پر اپنے شک کا اظہار کیا انہوں نے اس ضمن میں باقی ماندہ رپورٹ کی اشاعت کے بارے میں بھی دریافت کیا۔

☆☆☆

میجر جنرل (ریٹائرڈ) عابد زاہد

سقوط ڈھاکہ کے وقت پاک فوج کے پندرھویں ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل ریٹائرڈ عابد زاہد نے کہا کہ پاک فوج کے افسران حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے منظر عام پر آنے کا خیر مقدم کریں گے کیونکہ سقوط مشرقی پاکستان میں سیاستدان فوج کے افسران سے زیادہ ذمہ دار ہیں اور یہی وجہ تھی کہ بھٹو دور میں یہ رپورٹ شائع نہیں کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ سیاستدان جب گند مچاتے ہیں تو مارشل لاء آتا ہے اور سیاست دان مارشل لاء کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ اور سقوط ڈھاکہ کے وقت پاک فوج کے پندرھویں ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل عابد زاہد نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ان کے خلاف اس طرز کی تحقیقات کی جائیں کہ انہوں نے جنگ کے دوران اپنے فرائض کی انجام دہی اور اپنے آپریشنز کی جاآوری میں کیا طریقہ اختیار کیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہمارے خیال میں ان کی محض ریٹائرمنٹ کافی نہیں اگر یہ افسر اپنے فرائض میں مجرمانہ غفلت اور بزدلانہ اقدامات میں ملوث پایا جائے تو ان کے خلاف مناسب کارروائی کی جائے۔ نوائے وقت میں شائع حمود الرحمٰن کی رپورٹ میں اپنے بارے میں ان ریمارکس پر تبصرہ کرتے ہوئے میجر جنرل (ریٹائرڈ) عابد زاہد نے کہا کہ جہاں تک حمود الرحمٰن کمیشن کی

تحقیقات کا تعلق ہے یہ انکوائری خفیہ طور پر ہوئی تھی جس کی کارروائی دیکھنے کی اجازت نہیں تھی اور اس میں ہم نے اپنے بیانات دیئے۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی کہ سقوط ڈھاکہ اور ۱۹۷۱ء کی جنگ کی مکمل تحقیقات باضابطہ سرکاری طور پر کی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے بیانات کے دوران قسم کھائی تھی کہ کسی کو اس سلسلہ میں نہیں بتائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ہر انکوائری کا خیر مقدم کریں گے۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ مکمل اور سرکاری طور پر شائع کروائی جائے کیونکہ اس معاملہ کے بارے میں اخبارات میں چھپنے والی خبروں پر زیادہ بھروسہ اور انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ اسے سرکاری دستاویز کے طور پر عوام کے سامنے لایا جائے تاکہ عوام کو پتہ چلے کہ حقائق کیا ہیں کیونکہ اس کمیشن اور اس کی رپورٹ کی آڑ میں ہر کوئی اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرنا چاہتا ہے اور اگر اس سلسلہ میں کوئی صداقت ہے تو حکومت کو اس سلسلہ میں قدم اٹھانا چاہئے۔

میجر جنرل ریٹائرڈ عابد زاہد نے کہا کہ انہیں یقین ہے کہ پاک فوج کے تمام افسران اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے کا خیر مقدم کریں گے کیونکہ اس سانحہ میں صرف آرمی قصوروار نہیں بلکہ اس میں دیگر فریق بھی ہیں۔ ان پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ پاکستان کی روایت ہے کہ یہاں انکوائریوں کے لئے کمیشن اور کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں لیکن ان کی رپورٹیں منظر عام پر نہیں لائی جاتیں اور یوں مختلف واقعات سرد خانوں میں چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے صدر ضیاء الحق سے بھی یہ کہا تھا کہ صرف انکوائریاں ہی نہ ہوں بلکہ اس کی رپورٹیں بھی شائع کرائی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سانحہ کی زیادہ تر ذمہ داری سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ سیاستدان گند مچاتے ہیں تو مارشل لاء آتا ہے اور پھر یہی سیاست دان اس مارشل لاء کا خیر مقدم بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ولی خان نے ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کا خیر مقدم کیا لیکن بعد میں کہا کہ وہ اس وقت حیدر آباد جیل میں تھے اس طرح اصغر خان بھی خط لکھتے رہے لیکن جب کچھ نہ ملا تو انہوں نے مارشل لاء کی مخالفت شروع کی۔ انہوں

نے کہا کہ سیاستدان اگر زیادہ نہیں تو برابر کے ذمہ دار ضرور ہیں کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن کون تھا اور انہیں مقدمہ سے چھڑانے والے کون تھے۔ یہ دونوں فریق سیاستدان تھے۔ میجر جنرل ریٹائرڈ عابد زاہد نے کہا کہ صدر ایوب خان کی گول میز کانفرس میں شیخ مجیب الرحمٰن کو کس کے اصرار پر چھوڑا گیا۔ انہوں نے کہا کہ فوجی افسران کا تو کورٹ مارشل لاء بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ بول نہیں سکتے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سیاستدانوں کا بھی احتساب ہوگا کیونکہ وہ اپنی ہر کوتاہی کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالتے ہیں اور اگر انتخابات میں ہار جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دھاندلی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھٹو دور میں بھی یہ رپورٹ منظر عام پر نہیں لائی گئی کیونکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ ان پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ میجر جنرل ریٹائرڈ عابد زاہد نے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ کون سی رپورٹ ہے کیونکہ اس سے قبل ایک رپورٹ بھارت میں بھی شائع ہوئی اور اس بات کی بھی تحقیق کی جائے کہ جو رپورٹ پاکستان کے عوام کو معلوم نہیں، وہ بھارت کس طرح جا پہنچی اور اب جو رپورٹ اخبارات میں شائع کی گئی، کیا وہ آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی خلاف ورزی نہیں؟

☆☆☆

میجر جنرل تجمل حسین

ذوالفقار علی بھٹو بھارت سے ۱۹۷۱ء کی شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے لیکن اس جنگ کی صورت میں پہلے افغان حکومت کو غیر جانبدار بنانا چاہتے تھے۔ سقوط ڈھاکہ کی ذمہ داری نااہل، بددیانت فوجی اور سیاسی قیادت پر عائد ہوتی ہے۔ جب بھی فوجی افسروں کو مارشل لاء کی ذمہ داریاں سونپی گئیں، وہ سول افسروں سے زیادہ خراب ثابت ہوئے۔ درحقیقت بہت سے سینئر جنرل بھی پاکستان توڑنے کے اتنے ہی ذمہ دار تھے جتنا کہ یحییٰ خان تھا۔ ذیڈاے بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی اکثر کو ریٹائر کر دیا حالانکہ ان پر غداری کا مقدمہ چلنا چاہئے تھا۔ مشرقی پاکستان میں جنگ کے حالات سے پہلے پائی جانے والی خانہ جنگی میں جب فوجیوں کے مرنے کی خبریں مغربی پاکستان پہنچنا شروع ہوئیں تو ہماری فوج کے بیشتر سینئر آفیسرز وہاں جانے سے ڈرنے لگے۔ مقامی باغی بنگالیوں کو قتل کرنے کے صلہ میں جنرل نیازی، میجر جنرل رحیم، میجر جنرل انصاری، ایڈمرل شریف اور میجر جنرل جمشید کو ہلال جرات دیئے گئے۔ مشرقی پاکستان میں فوج کے پاس اسلحہ اور خوراک کا راشن اتنی مقدار میں موجود تھا جو دو ماہ کے لئے کافی تھا۔ بھارتی فوجیوں کی فتح بہتر صلاحیت کی بنیاد پر نہیں ہوئی بلکہ اس وجہ سے ہوئی کہ ہماری

یونٹوں نے بغیر لڑائی لڑے پوزیشنیں چھوڑنا شروع کر دیں۔ بھارت کی قید سے واپسی پر یہ بات ثابت ہوئی کہ بعض یونٹوں کی افرادی قوت معمولی جانی نقصان کے ساتھ تقریباً پوری تھی۔ جنرل نیازی نے میجر جنرل راؤ فرمان علی، ایڈمرل شریف کے مشورہ سے ڈھاکہ کا دفاع کرنے والے میجر جنرل جمشید کو بھارتی جرنیل ناگرا کے استقبال کے لئے بھیجا۔ جمشید نے دستوں کو سیز فائر کی پابندی کرنے اور جنرل ناگرا کو پرامن طور پر گزرنے کے لئے راستہ دینے کے لئے کہا۔ بھارتی جنرل ناگرا تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ بڑے فخر کے ساتھ ڈھاکہ میں داخل ہوا۔ یہ تھا اصل میں سقوط ڈھاکہ جو کسی دل کے مریض کی طرح گر گیا اور سنگاپور، پیرس اور برلن جیسے شہروں کے زوال پذیر ہونے کی کہانیاں کہ جس تاثر کی اس قدر تشہیر کی گئی ہے اسے برقرار رکھا جائے اور لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔ یہ حرکت پیپلز پارٹی کے خلاف سازش ہے۔ راؤ رشید نے اس رائے کا اظہار بھی کیا کہ اگر بہاولپور کے فضائی حادثے میں پیپلز پارٹی ملوث ہوتی تو عبوری حکومت اسے آسانی کے ساتھ شائع کر دیتی کیونکہ اس وقت ضیاء الحق مرحوم کے ورثے کے نگران اور ان کے روحانی فرزند نواز شریف برسراقتدار تھے۔ راؤ رشید نے موجودہ حکومت پر زور دیا کہ اگر اس کے پاس ہمارے خلاف کوئی ثبوت ہے تو ظاہر کر دے اور لوگوں کو اصل داستان بتا دے۔ آخر حکومت کو حقائق ظاہر کرنے سے کون روک رہا ہے۔ راؤ رشید نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے مخصوص حصے شائع کئے گئے ہیں اور اس طرح پوری حقیقت سامنے نہیں آئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ رپورٹ کا مکمل متن شائع کیا جائے تاکہ لوگ خود فیصلہ کر سکیں کہ اسے پہلے کیوں شائع نہیں کیا گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ۱۹۷۶ء میں مرحوم وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس رپوٹ پر میری رائے طلب کی تھی اور میری ہی تجویز پر جنرل ٹکا خان کی قیادت میں ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ راؤ عبدالرشید نے بتایا کہ اس رپورٹ کی کل پانچ کاپیاں تھیں۔ مرحوم بھٹو نے

چار کاپیاں چاروں صوبائی گورنروں کو بھیجی تھیں تاکہ وہ یہ رائے دے سکیں کہ اسے شائع کرنا چاہئے یا روک لینا چاہئے، گورنروں سے خاص طور پر کہا گیا تھا کہ وہ اپنی رائے کے ساتھ رپورٹ کی کاپیاں حکومت کو واپس بھیج دیں لیکن اس وقت کے گورنر پنجاب ملک غلام مصطفیٰ نے اس رپورٹ کی کاپی واپس نہیں بھیجی تھی۔ راؤ رشید نے توقع ظاہر کی کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر اس رپورٹ کا مکمل متن اخبارات کو جاری کر دیں تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اس رپورٹ کی اشاعت سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔ راؤ عبدالرشید نے یہ بھی کہا کہ موجودہ صدر غلام اسحاق خان اس مسئلے پر تبصرہ کرنے کے سلسلے میں سب سے زیادہ موزوں شخص ہیں کیونکہ اس سارے دور میں وہ اہم اور سینئر عہدوں پر تھے۔ بیان میں دعویٰ کیا گیا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جنرل ٹکا خان

سابق چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل ٹکا خان نے ۲ جنوری ۱۹۹۱ء کو کہا کہ ۱۹۷۲ء میں فوج نے آپریشنل منصوبوں کی حساس نوعیت کے باعث حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ شائع کرنے کی اجازت نہیں دی تھی مگر بعد میں جب اسے یکجا کر کے آرمی، نیوی اور ائیر فورس ڈائریکٹریٹس میں بھیجا گیا تو اسے کابینہ ڈویژن میں اس منظوری کے ساتھ واپس بھیجا گیا کہ رپورٹ کو شائع کر دیا جائے۔

اسلام آباد کے انگریزی اخبار کی نمائندہ سے بات چیت کے دوران انہوں نے کہا کہ ہم نے کبھی بھی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو جو اس وقت صدر تھے، یہ نہیں کہا کہ فوج اس رپورٹ کی اشاعت کو پسند نہیں کرے گی۔ اخبارات میں اب اس سلسلہ میں جو کچھ شائع ہو رہا ہے، وہ ابتدائی تحقیقات اور سفارشات ہیں۔ ہمیں ان کی صداقت کے بارے میں جانچ پڑتال کرنی ہو گی۔ اخبارات میں جو کچھ شائع ہوا ہے اس سے تاثر ملتا ہے کہ ریٹائرڈ میجر جنرل رحیم خان پر مقدمہ چلانے کی سفارش کی گئی تھی جو مبینہ طور پر زخمی ہونے کے بعد محاذ سے فرار ہو گئے تھے، ہم نے اس معاملہ کی دوبارہ جانچ پڑتال کی تھی جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک ایوی ایشن ہیلی کاپٹر کے ذریعے برما جانے کی اجازت لی تھی یہ اجازت تیسرے کور کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی نے دی۔ اس لئے ہم نے انہیں ایک انفنٹری ڈویژن کی کمان دی اور بعد میں وہ پاکستان آرمی کے جنرل ہیڈ کوارٹرز میں چیف آف دی جنرل سٹاف بنائے گئے کیونکہ وہ اپنی

فوج کو چھوڑ کر فرار نہیں ہوئے تھے۔

ہمیں لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کے خلاف بھی، جنہوں نے بھارتی کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل جگ جیت سنگھ اروڑہ کے آگے ہتھیار ڈالے کوئی مواد نہیں ملا۔ انہوں نے سابق صدر اور کمانڈر انچیف یحییٰ خان سے ہتھیار ڈالنے کی اجازت لے لی تھی مگر ہم نے انہیں فوج میں واپس نہ لیا اور انتظامی کارروائی کر کے انہیں عام فوائد کے ساتھ ریٹائر کر دیا۔

جنرل ٹکا خان نے ۲۸ فروری ۱۹۷۲ء کو اپنا بیان ریکارڈ کرایا، اگلے روز وہ چیف آف دی آرمی سٹاف بنائے گئے۔

انہوں نے کہا کہ پوری قوم شکست کے صدمہ سے نڈھال تھی اس کے باوجود جنگی کمیشن نے غیر جانبداری سے تحقیقات جاری رکھیں اور کسی طاقتور یا بڑے کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ سارے متنازعہ جرنیل بشمول لیفٹیننٹ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ، میجر جنرل عثمان مٹھا، جنرل حمید خاں جنگی کمیشن کے سامنے پیش ہوئے اور کہا کہ انہوں نے سپریم کمانڈر کے احکامات کے مطابق کام کیا تھا اس لئے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تاہم انہیں فوج سے ریٹائر کر دیا گیا۔ میجر جنرل راؤ فرمان علی جنہوں نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو پیغامات بھیجے تھے انہیں بھی واپس فوج میں ڈائریکٹر جنرل ملٹری ٹریننگ بنا دیا گیا بعد ازاں وہ فوجی فاؤنڈیشن کے چیئرمین مقرر کئے گئے۔ جنرل ٹکا خان نے جو بے نظیر بھٹو حکومت کے دور میں گورنر پنجاب تھے یہ بھی کہا "میں رپورٹ کی اشاعت کا مطالبہ نہیں کرتا مگر سیاستدانوں کو یہ مطالبہ کرنا چاہیے تاکہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ فی الحقیقت ہوا کیا تھا، چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے میں نے رپورٹ شائع کرنے کی اجازت دے دی تھی مگر بعد میں جنرل ضیاء الحق نے فوج کو خوش رکھنے کی پالیسی کے تحت رپورٹ کو سرد خانے میں ڈال دیا۔"

ایئر مارشل نور خان

پاک فضائیہ کے سابق سربراہ اور مغربی پاکستان کے سابق گورنر ایئر مارشل نور خان نے کہا کہ جب تک فوجی جرنیلوں کی تباہ کن غلطیوں کو تسلیم کر کے اصلاح احوال کا اقدام نہ کیا جائے تو پاکستان کی فوج کا درجہ "مرسنریز" جیسا ہی رہے گا۔ ایک انگریزی اخبار کے ساتھ خصوصی انٹرویو میں نور خان نے مطالبہ کیا کہ اعلیٰ فوجی اور سول افسروں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی کمیشن قائم کیا جائے جو قومی سانحوں کے بارے میں رپورٹوں کا جائزہ لے کر ذمہ دار افراد کو خواہ وہ زندہ ہیں یا مردہ کیفر کردار تک پہنچائے اور یہ سارا عمل ایک سال کے اندر اندر مکمل کر لیا جانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا قومی سانحوں میں سقوط ڈھاکہ، اوجڑی کیمپ دھماکہ اور کارگل ایشو شامل ہیں۔ سابق ایئر مارشل نور خان نے 1965ء کی جنگ کو بھی مکمل اور شرمناک شکست (Fiasco) قرار دیا اور ان تمام قومی سانحات کے حقائق کے بارے میں قوم کو آگاہ کرنے پر زور دیا انہوں نے کہا کہ ملک ان سرطانوں (قومی سانحوں) کی جسم میں موجودگی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے سابق ایئر چیف نے کہا کہ فوج کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ ماضی میں غلطیاں ہوئیں اور جسم سے اس زہریلے مواد کو خارج کرنا چاہیئے کیونکہ آپ ایک جھوٹ کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتے آپ اس بات کی تردید کر کے اخلاقی اتھارٹی کو حاصل نہیں کر سکتے کہ کوئی بھی آرمی جنرل کبھی بھی کرپٹ نہ تھا یا کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی آپ کو یہ صفائی کرنا ہی ہوگی صرف اس صورت میں فوج ایک اخلاقی قوت بن سکے گی بصورت دیگر ہم "مرسنریز آرمی" ہی رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ نیا کمیشن ان تمام سانحات کی رپورٹوں کا مطالعہ کرے اور

عوام کو اس سے آگاہ کرے خواہ مجرم زندہ ہے یا مردہ اسے سزا سنائی جائے اور یہ کام ایک سال کے اندر اندر مکمل ہو تاکہ قوم اور مسلح افواج زندگی میں آگے قدم بڑھا سکیں۔ نور خان نے کہا اتنی زیادہ فوجی حکومتوں کے باوجود کوئی ایک جرنیل ایسا نہیں جس نے نیک نامی کمائی ہو۔ حادثہ پر حادثہ ہوتا رہا لیکن فوج نے ہمیشہ یہ ظاہر کیا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں وہ جھوٹ کی حفاظت کر رہے تھے جھوٹ کو تحفظ دے رہے تھے فوجی قیادت دعوٰی کرتی رہی کہ وہ اسلام کیلئے لڑ رہے ہیں لیکن عام لوگ جانتے ہیں کہ قیادت بے ایمان ہے۔ یہ سب مجرمانہ حرکت ہے نور خان نے کہا کہ اب حمودالرحمن کمیٹی رپورٹ باہر آچکی ہے اور اب کوئی ایسا راستہ نہیں کہ آرمی اس قسم کی صورت حال میں اپنا کام جاری رکھ سکے۔ آپ کو لازمی طور پر بعض مجرم افسروں کو قربان کرنا پڑے گا تاکہ دوسروں میں اعتماد بحال ہو سکے۔ اب ہر پاکستانی یہ جانتا ہے کہ کیا ہوا تھا لہذا بے شرم رازداری کی دیوار کے پیچھے چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں انہوں نے کہا کہ قومی مفادات کے پیش نظر اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ بار بار کے مارشل لاؤں نے مسلح افواج کو کرپٹ کر دیا ہے اور وہ یہ ظاہر کرتی رہیں کہ کوئی چیز خراب نہیں اور کوئی غلطی نہیں کی جا رہی۔

بھٹو کا موقف

ذاتی پسند و ناپسند کے تابع رہ کر قومی مفادات کے لئے کام نہیں کیا جا سکتا۔ میں ہمیشہ ارفع ترین قومی مفادات کی تکمیل کے لئے کوشاں رہا۔ میں نے مسلح افواج کی شہرت اور وقار کو سربلند رکھنے کی سعی کی۔ اب بھی اگر میں حمودالرحمن رپورٹ پر سر عام تبصرہ کر دوں تو مسلح افواج کی ساکھ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے لہذا سخت ترین اشتعال انگیزیوں اور غیر انسانی برتاؤ کے باوصف میں ایسے تبصرہ سے اجتناب کروں گا۔ وائٹ پیپر میں حمودالرحمن رپورٹ کے دو قابل ذکر حوالے اس امر کی عکاسی کرتے ہیں کہ نیکی کو بدی کا رنگ دینے کی کیسی کیسی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

وہ تمام سینئر فوجی افسر جنہیں حمودالرحمن رپورٹ تک رسائی حاصل تھی، ا متفقہ رائے پر پہنچے کہ یہ رپورٹ شائع نہیں کی جانی چاہئے۔ اس رپورٹ کی اشاعت کے سوال پر غور کرنے کے لئے میں جب بھی اجلاس بلاتا تھا، مسلح افواج کا ہر سینئر افسر شدومد کے ساتھ اس ارادے کی مخالفت پر اتر آتا تھا۔ ان کی خواہشات اور فوج کا احترام کرتے ہوئے میں نے رپورٹ جاری نہ کی حالانکہ اس سلسلے میں عوام اور سیاسی پارٹیوں کی طرف سے سخت دباؤ ڈالا جاتا رہا۔ میں نے مسلح افواج کی نیک نامی کی خاطر بڑی ظالمانہ اور بے رحم تنقید برداشت کی جس کا مجھے اب یہ اجر دیا جا رہا ہے۔ فوجی حکومت کو

اقتدار میں آئے ایک سال ایک ماہ ہو چکا۔ اس نے میرے خلاف عوامی غم و غصہ
ابھارنے اور مجھ پر کیچڑ اچھالنے کے لئے طرح طرح کی جھوٹی باتیں اور غلاظتیں
پھیلائی ہیں۔ حمود الرحمٰن رپورٹ کی اشاعت سے اگر میری بدنامی اور رسوائی کا گھناؤنا
مقصد پورا ہو سکتا تو یہ حکومت رپورٹ جاری کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کرتی۔
فوجی حکومت نے حمود الرحمٰن رپورٹ جاری نہیں کی کیونکہ وہ مسلح افواج
اور اعلیٰ فوجی افسروں کے خلاف بدترین نوعیت کی فرد جرم کا درجہ رکھتی ہے۔ کوئی چار
ماہ قبل لاہور میں ایک پریس کانفرنس کے دوران چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے
رپورٹ کے مندرجات کو معمولی قرار دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے بتایا کہ رپورٹ
انہوں نے پڑھی ہے اور اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں۔ ان کے پیمانے سے پرکھا
جائے تو صرف وہی باتیں اہم ہیں جن سے میری ذات کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ حمود
الرحمٰن رپورٹ آبروریزی، لوٹ مار اور غارت گری کی داستان ہے۔ ان دنوں اگر
آبروریزی کے جرم پر کوڑے مارنے اور چوری کے جرم پر ہاتھ کاٹنے کی سزائیں مقرر
ہوتیں تو دست بریدہ افراد کی تعداد کا تصور کر کے ہی میں کانپ کانپ اٹھتا ہوں۔
"بنگالیوں کے خون کو طہارت کے عمل سے گزارنا" چونکہ آبروریزی کے زمرے میں
نہیں آتا، اس لئے صدر پاکستان معافی کے اختیارات بروئے کار لے آئے۔
اس رپورٹ نے یحییٰ خان اور اس کے ٹولے کی ہولناک سازش کو بے نقاب
کیا ہے۔ سارے بنگال میں کھل کھیلتے پھرو۔ ایک جرنیل نے کیا رنگین ہدایات جاری کی
تھیں۔ میں نے اس جرنیل کو باعزت طور پر بچایا اور وہی جنرل میرے خلاف قتل کے
جھوٹے مقدمے میں جام صادق علی کو سرکاری گواہ بننے کے لئے قائل کرنے کی غرض
سے لندن جا پہنچا! وائٹ پیپر کے صفحہ ۱۰۶ پر درج اقتباس سے عیاں ہے کہ میں شور و
غوغے کی وجہ سے مطالبہ ماننے پر غور کر رہا تھا مگر مجھ سے درخواست کی گئی کہ اس
رپورٹ کے اجراء کے فیصلے پر مزید سوچ بچار کر لی جائے۔ وائٹ پیپر میں یہ اقتباس یوں

درج ہے: "بحث کے دوران نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اگر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بارے میں اور
حمود الرحمٰن رپورٹ سے ہٹ کر ما قبل کے واقعات کو باضابطہ طور پر افشاء کیا گیا تو نئے
مسائل پیدا ہو جائیں گے اور حمود الرحمٰن رپورٹ کی اشاعت کا مطالبہ زور پکڑ جائے گا۔
یہ بات نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وزیراعظم سے یہ درخواست کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ
وہ معاملے پر دوبارہ غور کریں۔"
وائٹ پیپر کے صفحہ ۱۰۷ پر کہا گیا ہے: "مسٹر بھٹو نے ایک رمزیہ تبصرے
"اسے حذف کیا جا سکتا ہے" کے ساتھ طریقہ کار سے اتفاق کا اظہار کر دیا۔' اس سے
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے مفادات کی اس کشمکش میں، مسلح افواج کی نیک نامی اور
وقار کو بچانے کے لئے اپنے سیاسی مفادات قربان کر دیئے۔ میری نیکی پر بڑے خوب
صورت انداز میں اظہار تشکر کیا جا رہا ہے۔ میرا شکر گزار ہونے کی بجائے، بات کو
میرے خلاف رنگ دینے کی بے رحم کوشش کی جا رہی ہے۔ "ادھر ہم ادھر تم" کا
مطلب یہی ہے۔ ایسی مسخ شدہ شکل میں میں نے یہ اصطلاح استعمال نہیں کی تھی۔
تاہم یہ اب سچ ثابت ہوئی ہے۔ وہاں بنگالیوں پر ظلم و ستم توڑا گیا اور یہاں ہمیں ظلم و
تشدد کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ ادھر بنگالی سیاست دان زمام حکومت سنبھالنے کے اہل نہ تھے
اور ادھر ہمیں حکومت کے لئے نااہل قرار دیا جا رہا ہے۔ جمہوریت بنگال میں قابل عمل
نہ تھی۔ جمہوریت یہاں قابل عمل نہیں۔ ادھر بھی بڑے تاجروں نے عوام کا استحصال
کیا اور ادھر بھی بڑے تاجر عوام کی کھال اتارے رہے ہیں۔ ادھر بنگالیوں کے خلاف
ڈنڈے سے کام لیا گیا ادھر ہمارے خلاف ڈنڈا استعمال ہو رہا ہے۔ "ادھر ہم، ادھر
تم"۔
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر کہا کہ میرے
تجزیئے کی رو سے دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں سیاسی افق پر تین قوتیں

ابھری تھیں۔ میں اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں۔ پاکستان کی سیاست میں فوج کی مسلسل مداخلت کے بارے میں میں نے جو واشگاف انتباہ کیا تھا، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اگر ان انتباہی بیانات کا تذکرہ کرتے تو موجودہ بحران کے حوالے سے زیادہ صائب ہوتا۔ جنرل ضیاء الحق کو اس میں یہ اضافہ کرنا چاہئے تھا کہ مسٹر بھٹو نے یہ بھی کہا:

"بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ عوام کو بہر طور حکومت میں شریک کیا جانا چاہئے۔ مشرقی حصے میں فوجی کارروائیاں جاری ہیں۔ بھارت جنگ کے لئے تیار کھڑا ہے۔ مغربی حصے میں بے چینی انتا کو پہنچ رہی ہے۔ ایسے میں موجودہ فوجی حکومت، فوجی نوکر شاہی، اقتدار جاری نہیں رکھ سکتی اور یہ توقع نہیں کر سکتی کہ وہ بحران پر قابو پالے گی۔ صرف عوام کے اعتماد اور حمایت کی حامل ایک حقیقی نمائندہ حکومت ہی یہ کام کر سکتی ہے۔ بہ ایں سبب، عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے پیپلزپارٹی یہ باور کرتی ہے کہ عوامی نمائندوں کو اقتدار کی جلد از جلد منتقلی کا مطالبہ نہ صرف اس کا حق بنتا ہے بلکہ یہ مطالبہ اس کے فرائض کے زمرے میں بھی آتا ہے۔ فوج نے اقتدار کی منتقلی میں تاخیر کی تو چند ماہ کے اندر اندر ملک ایسے حالات سے دوچار ہو جائے گا، جن سے گلو خلاصی ناممکن ہو گی۔" (عظیم المیہ)

جنرل کو یہ بھی بتانا چاہئے تھا کہ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۱ء کو مسٹر بھٹو نے کہا تھا:

"ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ اگر اس سال کے آخر تک جمہوریت بحال نہ ہوئی تو پاکستان کو مشکلات سے نکالنے اور بچانے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ میں واشگاف الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ موجودہ حکومت ان چوپٹ حالات سے نہیں نمٹ سکتی۔ میرے ہم وطنو! یہ طویل شب جبر و بے یقینی اب انجام کو پہنچنی چاہئے۔ جرنیل راج لازماً ختم ہونا چاہئے اور پاکستان کے عوام کو اپنا مقدر خود بنانا چاہئے۔"

جنرل کو اس کے بعد بتانا چاہئے تھا کہ مسٹر بھٹو نے یہ بھی کہا تھا:

"ہمیں ناقابل معافی غلطیوں کے خوفناک نتائج ورثے میں ملے ہیں۔ گناہ دوسروں نے کئے اور جواب دہی ہمیں کرنا پڑ رہی ہے۔ اتھلی سوچوں کے مالک افراد نے، جو مبادیات سیاسیات سے بھی عاری تھے، جنہیں تاریخ کا کچھ علم نہ تھا، بنیادی نوعیت کے ایسے سیاسی فیصلے کئے کہ پاکستان خطرناک حد تک تباہی کے دہانے پر جا پہنچا۔" (عظیم المیہ)

یہ ۱۹۷۱ء۔ ۱۹۷۰ء کی ناخوشگوار حقیقتیں تھیں جن کی میں نے دوربین نگاہوں سے توضیح کی۔ ایک منتخب رہنما ہونے کے ناتے میرا فرض تھا کہ عوام کو متوقع انجام دے خبردار کروں۔ میں نے یحییٰ خان کی جنتا کو تواتر کے ساتھ خبردار کیا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور انجام سامنے آگیا۔

("اگر مجھے قتل کر دیا گیا" سے اقتباس)

عظیم المیہ

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت میں یحییٰ خاں سے باقی ماندہ پاکستان کا اقتدار حاصل کر کے پہلے صدر مملکت اور بعد ازاں وزیر اعظم مقرر ہونے والے ذوالفقار علی بھٹو نے مشرقی پاکستان کے حالات پر عظیم المیہ کے نام سے جو کتاب تحریر کی اس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ۲۴ مارچ کی رات کو جب غلام مصطفیٰ کھر نے شیخ مجیب سے ملاقات کی تو شیخ مجیب خاصے پریشان تھے، انہوں نے مسٹر کھر کو بتایا کہ آج چٹاگانگ میں بڑا ہنگامہ ہوا ہے اور بعض فوجی افسر قابو سے باہر ہو گئے ہیں۔ اب چونکہ معاملہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بات چیت آگے نہیں بڑھ سکتی، مسٹر بھٹو سے کہیں کہ وہ مغربی پاکستان کے وزیر اعظم بن جائیں اور مشرقی پاکستان کو مجھ پر اور عوام پر چھوڑ دیں۔ شیخ مجیب نے کھر سے کہا بھٹو سے کہیں وہ ہزری تجاوز مان لیں جس پر کھر نے شیخ مجیب سے کہا انہیں شک ہے کہ مسٹر بھٹو پاکستان کی تقسیم پر رضامند ہو جائیں گے تاہم یہ پیغام پہنچا دیا جائے گا۔ مسٹر کھر کی روانگی سے پہلے مجیب نے کہا رابطہ رکھئے۔ میں ۲۵ کی رات کو ایک شخص کو بھیجوں گا کہ وہ ملاقات کرا دے۔

مسٹر بھٹو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قرارداد لاہور کے مطابق ۲۳ مارچ

۱۹۴۰ء کو قائد اعظم کی قیادت میں برصغیر میں ایک الگ اسلامی ملک کا مطالبہ کیا تھا۔ قرارداد لاہور پر دوبارہ تلخ بحث ۱۹۶۶ء میں شروع ہوئی جب پہلے شیخ مجیب اور بعد ازاں مولانا بھاشانی نے کہا کہ قرارداد لاہور کے مطابق تو دو مسلمان مملکتیں ہیں، ایک مغربی پاکستان میں اور دوسری مشرقی پاکستان میں۔

مسٹر بھٹو نے لکھا کہ قرارداد پاکستان کی یہ دیانت دارانہ تاویل نہیں ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر ۱۹۶۶ء تک ایسی قرارداد کو کسی نے یہ مفہوم نہیں دیا۔ اگر قرارداد لاہور پر عمل ہوتا تو اس میں سارا پنجاب سارا بنگال اور سارا آسام شامل ہونا چاہئے تھا۔ بھٹو نے لکھا کہ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد جو مسلم لیگی لیڈر سامنے آئے، ان میں جرات کا فقدان تھا اور نہ ہی ان میں پاکستان کو فعال اور ترقی پسند ملک بنانے کا جذبہ تھا۔ مایوسی کے آثار آزادی سے پانچ سال بعد شروع ہو گئے اور عوام خود کو تنہا اور حقیقت میں فریب خوردہ سمجھنے لگے تھے۔ ان سیاست دانوں نے پاکستان کو ذاتی جاگیر سمجھا اور کرسیوں سے چمٹے رہے۔ چاہے اس کے لئے انہیں دستور سازی کے کام اور عام انتخابات تک کو ملتوی کرنا پڑا۔ یہ لوگ مشرقی اور مغربی بازوؤں کے درمیان ۱۹۵۴ء میں دستوری مسئلہ پر کوئی معقول سمجھوتہ کر سکتے تھے لیکن دوسروں پر تسلط کی خواہش اور ہوس زر نے انہیں نہ کرنے دیا۔

عظیم المیہ میں بھٹو نے لکھا ہے کہ چھ نکات کی تصنیف کے سلسلہ میں اب تک بڑا تجسس رہا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ ایوب خان کے ایک قریبی بیوروکریٹ نے تاشقند کے ڈرامے سے توجہ ہٹانے اور ایوب خان کو بچانے کے لئے مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام میں تفریق پیدا کرنے کی غرض سے چھ نکات کا فارمولا بنایا۔ یہ افواہ بھی چلی کہ چھ نکات کا مسودہ تیار کرنے میں غیر ملکی طاقت کا ہاتھ تھا۔ ایوب حکومت نے ابتدا میں چھ نکات کے بارے میں شیخ مجیب کے بیانات کو بہت زیادہ ہوا دی۔ اپریل ۱۹۶۶ء میں اس خوف سے کہ ایک سیاسی دیو ابھر رہا ہے اور یہ سوچتے

ہوئے کہ تاشقند کا بحران ختم ہو گیا ہے۔ صدر ایوب عوامی لیگ پر برس پڑے اور مجیب کو جیل میں ڈال دیا۔ بعد ازاں عوامی لیگ کے لیڈر پر اگرتلہ سازش کا مقدمہ چلایا گیا۔

بھٹو نے لکھا کہ جب یحییٰ خاں برسر اقتدار آئے تو پاکستان ایک ایسے مریض کی طرح تھا جو تپ دق کے آخری مراحل میں ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں طوفان کے بعد مجیب نے ڈھاکہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مغربی پاکستان اور مرکزی حکومت پر زبردست حملے کئے۔ جب ایک غیر ملکی صحافی نے ان سے دریافت کیا کہ آیا پاکستان سے علیحدگی چاہتے ہیں تو ان کا جواب تھا "ابھی نہیں" اس کے بعد شیخ مجیب اور ان کی جماعت کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ انتخابات میں فتح مند ہونے کے بعد شیخ مجیب نے یہ موقف اختیار کیا کہ چھ نکاتی فارمولا بنگلہ دیش کے عوام کی ملکیت ہے اور اس پر سمجھوتہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عوامی لیگ کا یہ انداز ناقابل برداشت حد تک سخت ہوتا گیا اور ان کے مطالبے بڑھتے چلے گئے۔ اب وہ کھل کر بنگلہ دیش کی "نجات" کی باتیں کرنے لگے تھے۔ بھٹو نے تحریر کیا کہ مشرقی پاکستان کے عوام نے واقعی عوامی لیگ کو حیران کن حد تک انتخابی کامیابی عطا کی تھی لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا ووٹروں نے عوامی لیگ کو اس لئے ووٹ دیئے تھے کہ وہ مشرقی پاکستان کو علیحدہ ملک بنا دیں یا اس لئے ووٹ دیئے تھے کہ وہ مشرقی پاکستان کے اندر ہی استحصال اور پریشانی کا خاتمہ کرے۔ عوامی لیگ نے اعلان کیا کہ اکثریتی پارٹی ہونے کے باعث صرف وہی دستور بنانے اور حکمرانی کی اہل ہے۔

۳ جنوری ۱۹۷۱ء کی مشہور تقریر کے کچھ عرصہ بعد شیخ مجیب سے ملنے کے لئے صدر یحییٰ اور ان کے مشیر ڈھاکہ گئے۔ ڈھاکہ سے واپسی پر ۱۷ جنوری کو صدر یحییٰ اور کچھ مشیر میرے آبائی شہر لاڑکانہ آئے۔ صدر نے ڈھاکہ میں اپنی بات چیت کے سلسلہ میں کہا کہ انہوں نے مجیب کو بتایا کہ عوامی لیگ کے سامنے تین راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ اکیلے چلے، دوسرے پیپلز پارٹی سے تعاون کرے، تیسرے مغربی

پاکستان کی چھوٹی اور شکست خوردہ جماعتوں سے تعاون کرے اور یہ بہتر ہوگا کہ دونوں اکثریتی جماعتیں کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں۔ ہم نے اپنے طور پر صدر سے چھ نکات کی پیچیدگیوں پر بات کی۔ اپنے شدید اختلافات بیان کئے تاہم انہیں یقین دلایا کہ ہم کسی قابل عمل سمجھوتے کے لئے ہر کوشش کرنے کو تیار ہیں اور بتایا کہ ہم ڈھاکہ میں عوامی لیگی لیڈروں سے ملاقات کے لئے جا رہے ہیں۔ ہم نے پہلے غلام مصطفیٰ کھر کو ڈھاکہ بھیجا۔

۲۷ جنوری کو پیپلز پارٹی کے لیڈر ڈھاکہ روانہ ہوئے۔ شیخ مجیب سے گفتگو کے دوران ہمیں محسوس ہوا کہ وہ چھ نکات کے لیے بے قابو ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ عوام نے چھ نکات کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے --- جب ہم ڈھاکہ سے روانہ ہوئے تو ہمارے ذہن میں مایوسی تھی --- صدر کے ساتھ بھی ہماری چند ملاقاتیں ہوئیں ہم نے انہیں بتایا کہ ہمارے لیڈر چھ نکات میں ردوبدل کئے بغیر جوں کا توں قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں ---- ہم راولپنڈی سے یہ تاثر پا کر روانہ ہوئے کہ صدر کو ہماری مشکلات کا اندازہ ہو گیا ہے اور یہ کہ وہ فروری کے اواخر سے قبل قومی اسمبلی کا اجلاس نہیں بلائیں گے --- جب ہم پشاور میں اپنی پارٹی کے اور دوسرے لیڈروں سے مشورہ کر رہے تھے تو ۱۳ فروری کو صدر یحییٰ نے اعلان کیا کہ ۳ مارچ کو ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوگا --- ہم نے فوری طور پر صدر کے پرنسپل سٹاف افسر سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اور انہیں اطلاع کہ ہم ۳ مارچ کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ دو روز پہلے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہ کرنے کی وجوہ صدر سے بیان کر دی گئی تھیں۔

بھٹو نے لکھا کہ پیپلز پارٹی کے سامنے مشکلات تھیں۔ ایک راستہ تو یہ تھا کہ چھ نکات تسلیم کر کے شیخ مجیب کے آگے ہتھیار ڈال دیتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ چند ماہ کے اندر اندر علیحدگی کو آئینی تحفظ مل جاتا یا پھر اس مطالبے کے خلاف مزاحمت

کرنی تھی جس سے جمہوریت کی بحالی اور عوامی حکومت خطرہ میں پڑ جاتی اور ہنگامہ آرائی کے لئے راستے کھل جاتے۔ اس لئے ضروری تھا کہ چھ نکات پر سیاسی سمجھوتے کی راہیں تلاش کی جاتیں تاکہ جمہوریت بحال ہوتی اور پاکستان ٹکڑے ہونے سے بچ جاتا۔۔۔۔یکم مارچ کو صدر یحیٰ نے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا تاکہ سیاسی رہنما کسی سیاسی تصفیہ تک پہنچ سکیں۔ اس پر شیخ مجیب برافروختہ ہوئے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ وہ اب آئینی حدود میں رہ کر علیحدگی حاصل نہ کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی صدر نے اجلاس ملتوی کیا وہ برس پڑے۔ ۲ مارچ کو مجیب نے ڈھاکہ میں عام ہڑتال کا فرمان جاری کیا۔ اس کے بعد پورے مشرقی پاکستان میں اس کے جواب میں مشرقی پاکستان کے عوام گلیوں میں نکل آئے اور انتظامیہ مفلوج ہو گئی۔ غیر بنگالیوں کو قتل کیا گیا۔ عوامی لیگ کے اخبارات بنگلہ دیش کی جانب سے ہر بات دینا شروع کر دیں سول ملازمین کو حکم دیا گیا کہ وہ مرکزی حکومت سے تعاون نہ کریں بنکوں سے کہا گیا کہ وہ عوامی لیگ کے حکم پر کاروبار چلائیں۔ پولیس کو عوامی لیگ سے ہدایات ملنا شروع ہو گئیں۔ ہائی کورٹ کے ججوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں رہیں۔ شیخ مجیب ایک نوزائیدہ مملکت کے آمر مطلق کی طرح حکمرانی کر رہے تھے۔

بھٹو نے تحریر کیا کہ ۴ مارچ کو صدر یحیٰ خاں نے انہیں راولپنڈی طلب کیا۔ ۵ مارچ کو ان سے ہماری بات چیت ہوئی۔ ٦ مارچ کو انہوں نے قوم سے خطاب کیا۔ ۷ مارچ کو مجیب نے دعا کی اور عوامی جلسہ سے خطاب کے دوران اپنی تقریر میں مسلح افواج کے کردار پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا:

"میں اس وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھوں گا جب تک عوام آزاد قوم کے آزاد شہری نہیں بن جاتے۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے مارشل لاء کے خاتمہ، عوامی نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی، مشرقی پاکستان میں فوج کی فائرنگ کی تحقیقات اور فوج کو بیرکوں میں واپس لینے کے چار مطالبات پیش کر دیئے، انہوں نے کہا کہ اگر یہ

مطالبات تسلیم کر لئے گئے تو وہ ۲۵ مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے مسئلہ پر غور کریں گے۔

اس سنگین سکوت کو توڑنے کے لئے میں نے دس مارچ کو ایک ٹیلی گرام شیخ مجیب کو روانہ کیا۔

"ملک میں رونما ہونے والے حالیہ واقعات سے مجھے گہرا صدمہ ہوا ہے۔ اس کشمکش کے دوران ہمارے ملک کے جن لوگوں کی جانیں تلف ہوئیں، اس پر مجھے دلی رنج ہے۔ میرا دل پسماندگان کے ساتھ ہے۔ ہمیں پاکستان کے لئے ایک نیا طریقہ تلاش کرنا چاہیئے ایک ایسا طریقہ جس میں انسان کے ہاتھوں انسان اور ایک علاقہ کے ہاتھوں دوسرے علاقہ کے استحصال کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ ہمیں مل کر ایک نئے نظام کو تلاش کرنا ہو گا جو دستور کے علاوہ عوام کے دلوں کی دھڑکن بھی بن جائے۔"

دو دنوں کے بعد عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری تاج الدین نے عوامی سطح پر میری تجویز ٹھکرا دی اور یہ تک کہہ دیا کہ عوامی لیگ میرے ٹیلی گرام پر غور تک کرنے کو تیار نہیں۔

میرے ساتھیوں کی بھی وہی رائے ہے جو میری ہے۔ ۲۲ مارچ کو اگلے روز میں مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ایوان صدر پہنچ گیا۔ مجیب ٹھیک گیارہ بجے پہنچے۔ شیخ نے صدر سے پوچھا۔

"کیا آپ نے عوامی لیگ کی سفارشات کو منظور کر لیا ہے۔"؟ صدر نے کہا کہ اس کے لئے بھٹو کی رضامندی ہونا ضروری ہے۔ مجیب نے کہا کہ یہ کام آپ کا تھا کہ رضامندی حاصل کرتے۔ مجیب کا کہنا تھا کہ وہ ایوان صدر سے نکلنے کے بعد اخبار نویسوں کو بتا دیں گے کہ ان کی صدر یحیٰ سے ملاقات ہوئی ہے جہاں بھٹو بھی موجود تھے۔ صدر یحیٰ نے کہا اس سے کام نہیں چلے گا۔

لیکن مجیب اپنی ضد پر اڑے رہے۔ بات چیت کے دوران ان کا رویہ نرم مگر

کشیدہ تھا۔ صدر نے کشیدگی دور کرنے کی غرض سے کافی اور ریفرشمنٹ لانے کو کہا۔ کافی پیتے ہی مجیب نے کہا کہ انہیں جلدی ہے کیونکہ صبح کو ان کا ایک ساتھی انتقال کر گیا ہے۔

میں انہیں کار تک چھوڑنے گیا۔ ہم باہر نکلتے ہوئے ملٹری سیکرٹری کے کمرے میں پہنچے تو مجیب وہاں بیٹھ گئے اور صدر کے ملٹری سیکرٹری جنرل عمر اور نیول اے ڈی سی جنرل اسحاق سے کہا کہ وہ باہر چلے جائیں کیونکہ انہوں نے مجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔

میں ان کی اس تبدیلی پر سٹپٹا گیا۔ مجیب نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ مجیب نے کہا کہ حالات بہت ابتر ہو چکے ہیں اور ان سے نبٹنے کے لئے انہیں میری مدد درکار ہے۔ ہم دونوں وہاں سے اٹھے اور برآمدے سے ہوتے ہوئے ایک جگہ جا کر بیٹھ گئے جو صدر کے سیلون کے عقب میں تھی۔

اسی دن شام کو ساڑھے سات بجے میں ایوان صدر میں صدر یحیٰی سے ملا جنہوں نے مجھے ۱۶ سے ۲۰ مارچ کے درمیان شیخ مجیب کے ساتھ ہونے والی بات چیت سے آگاہ کیا۔ ۱۸ مارچ کو شیخ مجیب نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ بات چیت آگے بڑھ رہی ہے جس کے نتیجے میں عوامی لیگ کے آئینی ماہرین اور صدر کے درمیان متوقع آئینی مسائل پر بات چیت ہوئی۔ صدر نے مجھے عوامی لیگ کے لیڈروں کی پیش کردہ تجاویز سے آگاہ کیا جس کی خاص باتیں یہ تھیں کہ مارشل لاء فوری طور پر ہٹا لیا جائے گا، مرکز میں اقتدار کی منتقلی کو عمل میں لائے بغیر پانچوں صوبوں میں اقتدار منتقل کر دیا جائے گا، مرکز میں صدر انتظامات سنبھالیں گے۔ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ قومی اسمبلی کو دو کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک کمیٹی مغربی پاکستان کے لئے ہوگی جس میں مغربی پاکستان کے نمائندہ شامل ہوں گے۔ دوسری کمیٹی مشرقی پاکستان کے لئے ہوگی جس میں مشرقی پاکستان کے نمائندے ہوں گے۔ مغربی پاکستان کی کمیٹی اسلام

آباد اور مشرقی پاکستان کی ڈھاکہ اپنے اجلاس کرے گی۔ عارضی انتظامات کے تحت ۱۹۶۲ء کے آئین میں ترمیم کی تجویز بھی پیش ہوئی۔ اس طرح پورا منصوبہ صدر کے اعلان کی شکل میں ظاہر کر دیا گیا۔

میں نے صدر سے کہا کہ میں سوچ بچار کے بعد اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ ہوٹل پہنچنے پر میں نے اپنے ساتھیوں سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اسے قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس کا مقصد پاکستان بنانا ہے۔ مجھے سکون ہوا کہ مغربی پاکستان کے کئی سیاسی لیڈروں نے مطالبہ کیا کہ قومی و صوبائی سطح پر اقتدار شیخ مجیب الرحمٰن کو حوالہ کیا جائے۔ اسے مشرقی و مغربی پاکستان میں رابطے کی آخری کڑی قرار دیا گیا۔ یہ لیڈر بھی شیخ مجیب کے ساتھ حالات کو بگاڑنے میں برابر کے شریک ہیں۔ ۱۲ مارچ کو صدر یحیٰی ڈھاکہ جانے کے لئے کراچی پہنچے ۱۴ مارچ کو میں نے ان سے ملاقات کی اور اپنی پارٹی کی پوزیشن بتائی۔ اسی دن دوپہر کو میں نے ایک عوامی جلسہ سے خطاب کیا۔ میں نے کہا کہ پاکستان کو داؤ پر لگا کر ہم کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ ہمارے مخالفین اور اخبارات نے میری تقریر کو اس طرح توڑ مروڑ کر شائع کیا جس کا مطلب یہ نکالا گیا کہ میں دو پاکستان چاہتا ہوں۔

۱۵ مارچ کو صدر یحیٰی ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔ ۱۶ مارچ کو صدر یحیٰی نے مجھے ٹیلی گرام بھیجا جس میں مجھ سے کہا گیا کہ میں ۱۹ مارچ کو ڈھاکہ پہنچ جاؤں۔ دوسرے روز میں نے اس کا جواب بھیج دیا اور کہا کہ میں ۱۹ مارچ کو ڈھاکہ پہنچ رہا ہوں۔ ۱۷ مارچ کو صدر کے پرنسپل سٹاف افسر کا تار ملا جس میں کہا گیا تھا کہ ہمارا دورہ ڈھاکہ صدر کے ساتھ بات چیت کے لئے ہوگا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ شیخ مجیب سے بات چیت نہیں ہوگی تو میں نے ڈھاکہ جانے سے انکار کر دیا ادھر شیخ مجیب نے صدر یحیٰی سے کئی ملاقاتیں کیں۔ جب صدر کے قانونی مشیر ڈھاکہ روانہ ہوئے تو اندازہ ہوتا تھا کہ ایک عارضی آئین تیار ہو چکا ہے۔ ۱۸ مارچ کو میں نے صدر کو پیغام بھیجا کہ اگر پیپلز پارٹی کو الگ

رکھا گیا تو ہم مزاحمت کریں گے اور ایسے کسی بھی سمجھوتے کی پاسداری نہیں کریں گے۔ ۱۹ مارچ کو صدر کا ٹیلی گرام ملا۔ مجھے اور میرے مشیروں کو ڈھاکہ بلایا گیا تھا۔ تار میں کہا گیا تھا کہ شیخ مجیب صدر یحییٰ کے ساتھ ہم سے بات چیت کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

ہم ساڑھے چار بجے ڈھاکہ پہنچ گئے۔ فوجی افسران نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ راستے میں ایک مخالفانہ مظاہرے کا سامنا کرنا پڑا جو یقیناً سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھا۔ ہوٹل کی لابی میں عوامی لیگ کے کارکنوں نے غنڈہ گردی کی اور ہمیں گالیاں دیں۔

شیخ مجیب نے وہی بات دہرائی جو انہوں نے صدر کے ملٹری سیکرٹری کے کمرے میں کہی تھی۔ وہ یہاں تک کہہ گئے کہ تم مغربی پاکستان میں جو کچھ کرو گے، میں اس کی حمایت کروں گا۔ اس طرح انہوں نے مجھے مغربی پاکستان کا وزیر اعظم بننے کی ترغیب دی۔ میں نے جواب دیا کہ میں تاریخ کے مقابلہ میں ملٹری کے ہاتھوں تباہ ہونا پسند کروں گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں خفیہ طور پر ان کے ساتھ ایک ملاقات کروں۔ میں نے شیخ سے وضاحت کہ میں نے اسمبلی کے التوا کا مطالبہ نیک نیتی سے کیا ہے جس پر وہ غیر ضروری طور پر برہم ہوئے۔

انہوں نے اسمبلی کے مختصر ترین اجلاس تک کی تجویز کو مسترد کر دیا وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ قومی اسمبلی کے بغیر اپنی بات کو منوائیں گے۔ عوامی لیگی رہنما سے یہ میری آخری ملاقات تھی۔

ایوان صدر سے نکلنے کے بعد شیخ مجیب الرحمان نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ انہوں نے صدر سے ملاقات کی ہے جہاں بھٹو بھی موجود تھا۔ میں جب ہوٹل میں پہنچا تو اخبار نویسوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میری اور مجیب کی ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ مجیب نے ایوان صدر سے نکلنے کے بعد جو تاثر دیا ہے، میں اس کی تردید

نہیں کرنا چاہتا۔

شیخ مجیب سے ملاقات کے بعد میں صدر یحییٰ کے سیلون کی طرف پلٹا جو اپنے سیلون سے ہماری ملاقات کا منظر دیکھ چکے تھے۔ صدر نے حیرت سے کہا:

"تم دونوں نے ہنی مون منایا؟" میں نے کہا "یہ سیاست کا حصہ ہے"

۲۲ مارچ کو صدر یحییٰ نے مغربی پاکستان کے دوسرے لیڈروں سے ملاقات کی۔ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ بلوچستان کے ایک لیڈر نے کہا تھا:

"جب دو کمیٹیاں بن سکتی ہیں تو پانچ کیوں نہیں"

۲۳ اور ۲۴ مارچ کو عوامی لیگ اور صدر کے مشیروں میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ عوامی لیگ والے اب دو کمیٹیوں کی جائے دو آئینی کنونشوں پر آگئے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ آئینی کنونشن دو آئین تیار کریں۔ اس کا مقصد ایک کنفیڈریشن آف پاکستان کا قیام تھا۔ یہ تجویز عوامی لیگ کی طرف سے پہلی بار آئی تھی۔ اس کے مطابق ہنگامی حالات کے دوران بھی مرکز کا صوبوں پر کوئی کنٹرول نہ ہوتا۔ ۲۴ مارچ کو تاج الدین نے اخبارات میں بیان دیا کہ انہوں نے صدر کو اپنی حتمی تجویز دے دی ہے اور اب وہ مزید بات چیت نہیں کریں گے۔ دراصل وہ الگ ملک مانگ رہے تھے۔

۲۳ مارچ کو یوم پاکستان تھا۔ پہلی بار قومی پرچم کے جائے ہر مقام حتیٰ کہ سرکاری عمارتوں پر بھی بنگلہ دیش کا پرچم لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ ملیشیا اور بنگالی نوجوانوں کی پریڈ پاکستان کی نہیں، بنگلہ دیش کی طاقت کی مظہر تھی۔ جنہوں نے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔ شیخ مجیب نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر پر بنگلہ دیش کا پرچم لہرا لیا۔

۲۴ مارچ کی رات مصطفیٰ کھر نے شیخ مجیب سے ملاقات کی۔ شیخ مجیب سخت پریشان تھے۔ انہوں نے کھر کو بتایا کہ آج چٹاگانگ میں خاصا ہنگامہ ہوا ہے جہاں بعض فوجی افسر قابو سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اب بات چیت آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بھٹو سے کہیں وہ مغربی پاکستان کے وزیر اعظم بن جائیں، مشرقی پاکستان کی مجھ پر اور

عوام پر چھوڑ دیں۔

مجیب نے ۲۷ مارچ کو صوبہ بھر میں عام ہڑتال کی کال دے دی تھی۔ ۲۵ مارچ کی رات ہم اپنے اپنے کمرے میں گئے تو ایک گھنٹے کے بعد توپوں کی گھن گرج سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ میرے ساتھی میرے کمرے میں گئے۔ ہم نے دیکھا کہ فوج نے کارروائی شروع کر دی ہے۔ تین گھنٹے تک ہم نے ہوٹل کے کمرے سے ملٹری آپریشن دیکھا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے انگریزی اخبار "دی پیپل" کی عمارت زمین بوس ہوئی۔

۲۶ مارچ کی صبح آٹھ بجے کرنل سعید ہمیں ایئر پورٹ پہنچانے کے لئے آئے۔ راستے میں کرنل نے بتایا کہ شیخ مجیب کو رات ڈیڑھ بجے گرفتار کر لیا گیا تھا اور اب وہ چھاؤنی کے ایک سکول میں زیر حراست ہیں۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر ساڑھے چھ بجے شام ایک بڑے ہجوم نے ہمارا استقبال کیا اور اصرار کیا کہ میں تقریر کروں۔ میں نے صرف اس قدر کہا:

"خدا کے فضل و کرم سے پاکستان کو بچا لیا گیا ہے۔"

۲۶ مارچ کی شام صدر یحیٰی نے قوم سے خطاب کیا۔ ۲۶ مارچ سے سیاسی سرگرمیاں محدود کر دی گئیں۔ سخت سنسر شپ لگا دیا گیا۔

(تلخیص)

(بحوالہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ از احمد سلیم)

سول۔ فوجی تعلقات پر بھٹو کا موقف

اب میں سول۔ فوجی تعلقات جیسے انتہائی اہم مسئلہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں آزادی کے وقت سے ان تعلقات کی تاریخ کھنگالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور نہ ہی مجھے وہ سب کچھ دہرانا ہے جس کا اظہار سپریم کورٹ میں مارشل لاء کو چیلنج کرنے سے متعلق اپنی آئینی درخواست میں کر چکا ہوں۔ میں وہ سب کچھ بھی از سر نو نہیں کہنا چاہتا جو مارشل لاء آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت اپنی نظر بندی سے متعلق لاہور ہائی کورٹ میں داخل شدہ حلفیہ بیان میں کہہ چکا ہوں اور وہ بیان ہنوز سنسر کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ میں بعد ازاں رونما ہونے والے واقعات کا تذکرہ بھی نہیں کروں گا جنہوں نے میرے خدشات کو صحیح ثابت کیا۔

تینوں مارشل لاء آئینے کی مانند عوام کے سامنے ہیں۔ پہلا مارشل لاء چونکہ بڑے تام جھام اور گہرے میک اپ کے ساتھ پیش کیا گیا تھا' لہٰذا عوام اس کا اصل چہرہ صحیح طور پر نہ دیکھ پائے۔ دوسرے مارشل لاء کا "الزبتھ آرڈن میک اپ دریائے برہم پترا کے پانیوں میں بہہ گیا تھا۔ موجودہ مارشل لاء کی وگ اور نقلی دانت اتر چکے ہیں۔ اور اب عوام اس کا عریاں روپ دیکھ رہے ہیں۔ ہم ایک عمودی چوٹی پر کھڑے ہیں۔ لہٰذا بحث و تکرار کا وقت باقی نہیں رہا۔ حالات و واقعات کا دھارا بڑی تیزی سے گزر رہا

ہے۔ وقت اب بیت نہیں چکا تو بہر حال بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اس وقت بھی اگر کوئی شخص اخلاقی اور روحانی تفرقات کی شدت کا اندازہ نہیں لگا رہا تو وہ در حقیقت احمقوں کی جنت کا باسی ہے۔ میں افراط و تفریط' سیکولر ازم اور مذہب' جمہوریت اور آمریت پر دلائل کو اختصار کے دائرے میں رکھوں گا۔

پہلے نکتے کے طور پر میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ان ریمارکس سے ابتدا کروں گا جو انہوں نے ۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو کوئٹہ ائرپورٹ پر دیئے۔ جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ مسٹر بھٹو کے حصول ملک میں تین قوتیں تھیں: عوامی لیگ' پی پی پی اور فوج' اور مسٹر بھٹو نے دو قوتوں کو ختم کر کے صرف ایک ہی قوت کے ساتھ آگے بڑھنے کی حتی الامکان سعی کی۔ میں ان ریمارکس کے پہلے حصے سے اتفاق کرتا ہوں اور آج بھی اس موقف پر قائم ہوں ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں یہی معروضی حقیقت ابھری تھی۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پی پی پی پاکستان کی دو غالب سیاسی قوتیں بن کر ابھریں۔ تیسری قوت فوج تھی۔ فوج نے ۱۹۵۴ء سے سیاسی قوت کے روپ میں آنے کا آغاز کیا۔ تب سے اس کے کردار میں پھیلاؤ ہی دیکھنے میں آیا' کمی کبھی دکھائی نہ دی۔ ۱۹۶۹ء میں فوج نے مارشل لاء کے چولے میں حکومت پاکستان کی شکل اختیار کی۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات ایسے لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت منعقد ہوئے جو فوج نے مہیا کیا تھا۔ فوج سراپا سیاست میں غرق ہو چکی تھی۔ یہ ایک ناخوشگوار اور ناپسندیدہ حقیقت تھی۔ ناخوشگوار یا خوشگوار' بہر حال تھی حقیقت۔

سیاسی قوتیں تین تھیں: عوامی لیگ' پی پی پی اور فوج۔ عوامی لیگ اور پی پی پی کو پورا پورا حق پہنچتا تھا کہ وہ سیاست میں رہیں۔ فوج زبردستی گھس آنے والوں اور بے جا مداخلت کاروں کی مانند سیاسی میدان کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ جنرل کے ریمارک کا دوسرا حصہ مہمل اور اپنی تردید خود کرتا ہے۔ ویسے بھی اب ہم ان کے عقل و دانش پر مبنی جواہر پارے سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔ میں نے دو کو ختم کر کے ایک قوت کے

ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کیسے کی؟ کیا وہ فوج کو عوامی لیگ کے ساتھ ملا رہے ہیں؟ نتیجہ اگر یہی ہے تو پھر عوامی لیگ کے چھ نکات قبول کرنے میں کوئی فوج کے آڑے نہیں آسکتا۔ میں نے ساڑھے پانچ سال تک فوج کی لائق ستائش خدمات انجام دیں جن کے بدلے میں چیف آف آرمی اسٹاف کہتے ہیں کہ میں نے فوج کو ختم کرنے کی حتی الامکان سعی کی تو میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بے فیض شخص کسی کا نہیں ہوتا۔

کیا میں نے نوے ہزار جنگی قیدی باعزت طور پر واپس لا کر فوج کو تباہ کرنے کی بھرپور کوشش کی؟ امریکہ نے اسلحہ کی فراہمی پر دس سال سے جو پابندی لگا رکھی تھی' کیا وہ پابندی جنرل ضیاء الحق نے اٹھوائی؟ چین سے اسلحہ کیا انہوں نے حاصل کیا؟ دفاعی پیداوار کے لئے ڈیڑھ ارب ڈالر کا سرمایہ کیا وہ لے کر آئے؟ بحریہ کو انہوں نے جدید خطوط پر استوار کیا؟ فضائیہ کو لڑاکا طیارے اور تینوں مسلح افواج کو میزائل کیا انہوں نے لا کر دیئے؟ کیا دفاعی سروسوں کی تنظیم نو انہوں نے کی اور وزارت دفاعی پیداوار کیا انہوں نے قائم کی؟ اسلامی ممالک کے ساتھ دفاعی اشتراک عمل کا آغاز کیا انہوں نے کیا؟ نیوکلیری پروسیسنگ پلانٹ کا سمجھوتہ کیا انہوں نے کیا؟ حالانکہ واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے سے ایک انٹرویو کے دوران انہوں نے اسے اپنا پلانٹ کہا۔ اگر میں فوج کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا تو انہوں نے ساڑھے پانچ سال تک میری ماتحتی میں کام کیوں کیا اور چیف آف اسٹاف کا عہدہ کیوں قبول کیا؟

جنرل ضیاء کا کہنا ہے کہ ان پر میری دھاندلی کا انکشاف اس وقت ہوا' جب انہوں نے اقتدار غصب کر لیا۔ مطلب یہ کہ اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کے بغیر وہ اس دھاندلی کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔ دھاندلی اگر اسی پیمانے پر اور ہمہ گیر انداز میں ہوئی جس کا دعویٰ وائٹ پیپر میں کیا گیا ہے تو انہیں غاصبانہ قبضے سے پہلے ہی اس کا علم ہو جانا چاہئے تھا۔ تاہم ان کے اعتراض کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس پہلو کی زیادہ تفصیل میں نہیں جاتے۔ انتخابات ایک سیاسی عمل ہوتے ہیں اور جنرل کو ان کی عملی بے مائیگی پر

معاف ہی کیا جاسکتا ہے لیکن اگر میں یحییٰ خان کے وقت سے ہی فوج کو تباہ کرنے کی بھرپور کوششوں میں لگا ہوا تھا تو اسے ایک سپاہی کی نااہلی ہی قرار دیا جاسکتا ہے کہ حقیقت حال جاننے میں اس نے اتنا وقت لے لیا۔ پھر جنرل ضیاء الحق نے مجھے پاکستان کا نجات دہندہ، معمار مسلح افواج پاکستان جیسے بلیغ الفاظ میں خراج تحسین کیوں پیش کیا؟ اپریل ۱۹۷۶ء میں کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج کوئٹہ نے میرے اعزاز میں عشائیہ دیا تو اس میں جنرل ضیاء نے جو کچھ کہا، وہ میں انہی کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں :

ہم میں سے جو لوگ حقائق اور اعداد و شمار سے واقف ہیں، پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان آرمی نے ۱۹۷۱ء سے آج تک جو توجہ پائی اس کی مثال ۱۹۷۱ء سے قبل پاکستان آرمی کی تاریخ میں نہیں ملتی :

"سر اس توجہ کے عوض عملاً کچھ پیش کرنے کے معاملے میں ذاتی طور پر اور فوج کی جانب سے بھی میں کہوں گا کہ ہم اپنے آپ کو تہی دامن محسوس کرتے ہیں۔ میں اگر کچھ کہہ سکتا ہوں تو بس یہی کہ ایک نہ ایک دن جب آپ ہنوز موجود ہوں گے، اللہ کے فضل سے پاکستان آرمی ثابت کر دے گی کہ جو توجہ اور شفقت اس نے آپ سے پائی، وہ رائیگاں نہیں گئی۔"

یہ قصیدہ انہوں نے مدحیہ الفاظ میں ختم کیا :

"آپ نے خاص طور پر ہمارے لئے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر رہے ہیں، اس پر میں تہ دل سے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

انہوں نے چیف آف دی آرمی اسٹاف بننے سے پہلے اور بعد میں متعدد بار اسی طرح خوبصورت الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں مارشل لاء کے نفاذ کے فوراً بعد بھی انہوں نے میری شان میں زمین آسمان کے قلابے ملادئے تھے۔

انہوں نے ہی یہ تجویز پیش کی تھی کہ میں آرمڈ کورز کا کرنل انچیف بن

جاؤں۔ کھاریاں میں منعقدہ عطائے سند کی تقریب میں انہوں نے جو تقریر کی، وہ مرقع ستائش تھی۔ اگر میں واقعی فوج کا دشمن اور اسے تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا تو ایک مجاہد اسلام اتنے عرصے تک میرے گھناؤنے عزائم سے کیونکر بے خبر رہا؟ ایک مومن اگر یہ جانتا تھا کہ میں فوج کو تباہ کر رہا ہوں تو مجھ پر بحیثیت ایک ممتاز سپریم کمانڈر بار بار تعریف و ستائش کے ڈونگرے نہ برساتا۔

("اگر مجھے قتل کر دیا گیا" سے اقتباس)

حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ

12 اگست 2000ء کو بھارتی اخبار انڈیا ٹوڈے نے حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ شائع کی جس سے اگرچہ اس رپورٹ کے فی الحال ایک ضمنی حصے کی اشاعت ممکن ہوئی ہے۔ لیکن اس سے پاکستان کے عوامی سیاسی اور حکومتی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے یاد رہے کہ اس سے پہلے رپورٹ کے چند اقتباسات یکم اکتوبر 1988ء کو بھارتی انگریزی اخبار'' ٹائمز آف انڈیا'' میں شائع ہوئے تھے۔

ٹائمز آف انڈیا نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ کی وہ نقل ہے جو بھٹو کی گرفتاری کے وقت ان کے بستر کے نیچے سے ملی تھی۔ اخبار کے مطابق اس رپورٹ کی پانچ نقول تھیں اور ذوالفقار علی بھٹو نے جب یہ رپورٹ پڑھی تو انہیں گہرا صدمہ ہوا اور خدشہ تھا کہ اگر پاکستانی عوام کو علم ہو گیا کہ یہ جنرل کیا کرتے رہے ہیں تو بغاوت ہو جائے گی۔ اس لئے انہوں نے کمیشن کی رپورٹ کی ایک نقل اپنے پاس محفوظ کر لی اور باقی نقول جلا کر راکھ کر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ بھٹو کے بستر کے نیچے سے ملنے والی نقل پاکستان سے سمگل کر کے واشنگٹن میں مقیم اس کے نمائندے کو مہیا کی گئی تھی۔

اخبار کا یہ دعویٰ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مسٹر بھٹو کی گرفتاری اچانک نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک روز پہلے انہیں فون کر کے پوچھا گیا تھا کہ وہ کہاں جانا پسند کریں گے۔ لہذا اس رات مسٹر بھٹو اس اہم دستاویز کو کسی بھی محفوظ مقام پر پہنچا سکتے تھے اخبار کے رپورٹر کو شاید یہ یاد نہیں رہا کہ

مسٹر بھٹو تمام تر پابندیوں کے باوجود جیل سے اپنی کتاب
If I am Assassinated
کا مسودہ بھارت بھجوانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بھٹو کی گرفتاری کے وقت گھر کی تلاشی نہیں لی گئی تھی ایسے بھی ایسی دستاویز کو چھپانے کیلئے اور بھی بہت سی محفوظ جگہیں ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ 1988ء میں شائع ہونے والی رپورٹ کی صحت کے بارے میں شکوک وشبہات پائے جاتے تھے۔

2000ء میں شائع ہونے والی رپورٹ کی صحت کے بارے میں بھی شکوک کا اظہار کیا گیا۔ حکومت نے اس کی بھارت میں اشاعت کے بارے میں تحقیقات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بھارت نے فوج کا امیج خراب کرنے کی غرض سے ایسے وقت میں شائع کی جب ملک میں فوجی حکومت قائم ہے۔

لاہور یکم جون 1974ء کا پریس ریلیز

26 دسمبر 1971ء کو اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے احکامات کے مطابق ایک ''جنگی تحقیقاتی کمیشن'' قائم کیا گیا جس کا بنیادی مقصد ان حالات اور اسباب وجوہ کا تحقیقی جائزہ لے کر حکومت کو ایک حتمی رپورٹ پیش کرنا تھا۔ جن کے باعث افواج پاکستان کی مشرقی کمانڈ نے بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے۔ جس کے بعد مغربی پاکستان اور جموں اور کشمیر کی سرحدوں پر جنگ بندی عمل میں آئی تھی۔

یہ کمیشن چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس حمودالرحمٰن کی سربراہی میں قائم ہوا تھا جس کے دیگر دو اراکین میں مسٹر جسٹس انوارالحق اور مسٹر جسٹس طفیل علی عبدالرحمٰن بھی تھے۔ لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ الطاف قادر) اور مسٹر ایم اے لطیف اسٹنٹ رجسٹرار سپریم کورٹ نے بالترتیب فوجی مشیر اور کمیشن کے سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔

کمیشن نے اپنی کاروائی کا آغاز بند کمرے میں یکم فروری 1972ء کو راولپنڈی سے

کیا۔اس کاروائی کے دوران 213 گواہوں کے بیانات قلم بند کئے گئے 12 جولائی 1972ء کو کمیشن نے اس وقت کے صدر پاکستان کو اپنی رپورٹ پیش کردی۔اپنی اس رپورٹ میں کمیشن نے اس امر کی وضاحت کردی تھی کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے جانے کے اسباب اور وجوہ کے حوالے سے انکی تفتیش حتمی اور آخری نہیں ہے چنانچہ کمیشن نے سفارش کی تھی کہ مشرقی کمان کے کمانڈر اور دیگر سینئر فوجی افسران (جوان دنوں جنگی قیدی کی حیثیت سے بھارت میں تھے) کی پاکستان واپسی کے بعد اس سلسلے میں ہتھیار ڈالنے کے اسباب جاننے کیلئے مزید تحقیقات کی غرض سے کاروائی جاری رکھی جائے۔

اب جبکہ تمام جنگی اور شہری قیدی بھارت سے واپس آ چکے ہیں لہذا حکومت نے کمیشن سے اپنی تحقیقات کا بقیہ حصہ مکمل کرنے کو کہا ہے۔حکومت کی ہدایت کے بموجب کمیشن کا ایک عارضی دفتر لاہور میں سپریم کورٹ کی بلڈنگ میں قائم کیا گیا۔کاروائی کے آغاز سے قبل کمیشن نے فیصلہ کیا کہ پبلک سول سروسز کے اراکین نیز وہ فوجی افسر اور اہلکار جو جنگی قیدی کی حیثیت سے بھارت میں تھے یا مشرقی پاکستان سے تبادلے کے نتیجے میں یہاں آئے ہیں۔ان سب کو یہ موقع چاہیئے کہ وہ کمیشن کے روبرو پیش ہو کر وہ تمام متعلقہ اطلاعات اور معلومات پیش کریں جن کا تعلق مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے اسباب سے ہے۔یہ معلومات مختصراً تحریری شکل میں 30 جون 1974ء تک سپریم کورٹ آف پاکستان لاہور کی معرفت سیکرٹری انکوائری کمیشن کو پیش کردی جائیں۔تحریری اطلاع فراہم کرنے والے کو طلب کی صورت میں کمیشن کے روبرو پیش ہو کر اپنے بیان کی تصدیق بھی کرنا ہوگی۔ایسے تمام افراد کو کمیشن کی جانب سے اس امر کی مکمل ضمانت دی گئی تھی کہ ان کی فراہم کردہ اطلاعات معلومات اور افراد کے نام اور اس سلسلے میں دیگر تمام تفصیلات ''صیغہ راز'' میں رہیں گی۔اس کے علاوہ ایک سرکاری اعلان کے ذریعے ایسے تمام افراد کو یقین دلایا گیا تھا کہ کمیشن کی تمام تر کاروائی بند کمرے میں ہوگی اور انہیں کمیشن کے روبرو پیش ہو کر ہر بات کہنے کی عملی آزادی ہوگی لیکن انہیں غلط بیانی سے بہرحال گریز کرنا ہوگا۔کمیشن پاکستان کے

کسی بھی شہری کو اس سلسلے میں اپنے روبرو پیش ہونے کیلئے طلب کرنے کے تمام تر اختیارات رکھتا ہے۔وہ کسی بھی فرد کی حاضری کو یقینی بنانے کیلئے تمام ضروری اقدامات بروئے کار لا سکتا ہے نیز افواج پاکستان سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد بلا کسی ڈر خوف اور خدشات کے اپنا بیان کمیشن کے روبرو دے سکتا ہے۔

اخلاقی پہلو: تمہید

کمیشن کی رپورٹ کے پانچویں حصے کے پہلے باب میں ہم نے کسی حد تک 1971ء کی جنگ میں اپنی شکست کے اسباب اور اس کے ''اخلاقی پہلوؤں'' کا ایک جائزہ لینے کی بھی کوشش کی ہے۔یہ بے حد ضروری تھا کیونکہ کمیشن کے روبرو پیش ہونے والے معزز گواہان جن کا تعلق معاشرے کے مختلف طبقات سے تھا نیز اعلیٰ اور ذمہ دار افسروں سمیت بیشتر گواہوں کا متفقہ طور پر یہ موقف تھا کہ مارشل لاء ڈیوٹی کی ادائیگی کے دوران پیدا ہونے والی بدعنوانیاں شراب اور عورت کی ہوس زمین اور جائیداد کی لالچ وہ بنیادی اسباب اور وجوہ تھیں جن کی وجہ سے ہمارے سینئر فوجی افسروں کی ایک بڑی تعداد کے حوصلے بالکل پست ہو چکے تھے ان بدعنوانیوں کے سبب یہ فوجی افسران ان پیشہ وارانہ صلاحیتوں سے بھی قطعاً محروم ہو چکے تھے جن کی مدد سے جنگ کے دوران بڑے نازک اور اہم فیصلے کئے جاتے ہیں۔ان گواہوں کی اکثریت کے بیانات کی رو سے ایسے افسران سے جو اس قسم کی رسوائے زمانہ حرکتوں اور عادتوں میں مبتلا ہوں یہ توقع رکھنا عبث تھی کہ وہ پاکستان کو بھارت کے مقابل فتح سے ہمکنار کر سکیں گے۔

کمیشن کے علم میں لائے جانے والی شہادتوں کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد کمیشن اس نتیجے پر پہنچا کہ افواج پاکستان کے سینئر افسروں میں اخلاقی پستی اور زوال کا آغاز 1958ء کے مارشل سے ہوا۔ان رجحانات نے مزید زور اس وقت پکڑا جب مارچ 1969ء میں جنرل یحییٰ خان نے ایک بار پھر ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔حقائق موجود ہیں جو اس امر کی تصدیق کرتے ہیں

کہ ہمارے سینئر فوجی افسروں کی خاصی بڑی تعداد زمین اور جائیداد کے حصول نیز اسی قسم کی کاروباری اور تجارتی سرگرمیوں میں ملوث ہوتی چلی گئی۔ اس کے علاوہ یہ فوجی افسر ایسی غیر اخلاقی اور ناشائستہ حرکتوں میں بھی ملوث ہونے لگے جن کی وجہ سے ان کی پیشہ وارانہ اور قائدانہ صلاحیتیں بری طرح متاثر ہوئیں اس تجزیے کے بعد ہم نے چند اعلیٰ ترین افسران بالخصوص مشرقی کمان کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی کے گردار کے حوالے سے بھی ان گواہان کی رائے طلب کی' تاہم اس باب کے 35ویں پیراگراف میں ہم نے یہ رائے پیش کی ہے کہ

چونکہ ہمیں اس امر کا کوئی موقع نہ مل سکا کہ جنرل نیازی سے ان الزامات کی تصدیق کر سکے چنانچہ اس معاملے میں کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنے کیلئے ضروری ہے کہ بھارت سے ان کی واپسی کا انتظار کیا جائے۔

اب کمیشن نے جنرل نیازی کے علاوہ ان کے کردار اور پاک فوج کی مجموعی کارکردگی کے حوالے سے چند اور گواہوں کے بیانات بھی قلم بند کر لئے ہیں چنانچہ اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ اس سلسلے میں اپنے حتمی نتائج مرتب کر لیں۔

(بھارت جریدے انڈیا ٹوڈے میں شائع ہونے والے حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کے اقتباسات)

پس منظر

اس انکوائری کمیشن کو صدر پاکستان نے دسمبر 1971ء میں مقرر کیا تھا' تاکہ تحقیق کر کے یہ معلوم کیا جا سکے کہ وہ کیا حالات تھے جن کی وجہ سے مشرقی کمانڈ کے کمانڈر نے شکست تسلیم کر لی اور ان کی زیر کمان مسلح افواج نے ہتھیار ڈال دیئے' جس کے نتیجے میں مغربی پاکستان اور بھارت کی سرحد کے درمیان اور جموں و کشمیر کی سرحدوں پر بھی جنگ بندی کر دی گئی۔ 213 گواہوں کے بیانات لینے کے بعد کمیشن نے اپنی رپورٹ جولائی 1972ء میں پیش کر دی۔

یہ رپورٹ پیش کرنے سے پہلے ہم زیادہ تر ان جنگی قیدیوں کے بیانات نہیں لے سکے
۱۔ جن میں اہم شخصیات بھی شامل ہیں جنہوں نے سوائے میجر جنرل رحیم کے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے واقعات میں اہم کردار ادا کیا تھا ہمیں جو کچھ مواد دستیاب تھا اس کی بنیاد پر ہم نے مشرقی پاکستان کی کہانی ترتیب دینے کی اپنی سی کوشش کی تاہم ہمارے نتائج حتمی نہیں ہیں۔ ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ اگر ہم نے اس مسئلے میں ملوث اہم افراد کے خلاف تبصرہ کیا ہے تو یہ ناانصافی ہوگی کہ بغیر ان افراد کو صفائی کا موقع دیئے ہم ان کے بارے میں حتمی فیصلہ صادر کر دیں' اسی وجہ سے ہم نے کہا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے اور دوسرے متعلقہ معاملات کے بارے میں ہمارے مشاہدات اور نتائج کو عبوری سمجھا جائے اور جب مشرقی کمانڈ کے کمانڈر اور اس کے سینئر افسران کی گواہی کے ثبوت مل جائیں اور ان میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔

کمیشن کی دوبارہ تشکیل

۲۔ جب جنگی قیدی اور وہ سویلین جو فوجیوں کے ساتھ بھارت میں نظر بند تھے پاکستان واپس آ گئے تو وفاقی حکومت نے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس میں کمیشن کو ہدایت کی گئی تھی کہ کمیشن جہاں اور جب چاہے ان لوگوں سے انکوائری کرے اور تحقیقات مکمل کر کے صدر کو اپنی رپورٹ پیش کر دے جس میں متذکرہ بالا معاملات کے بارے میں رپورٹ شامل ہو۔ یہ تحقیقات کمیشن کے دوبارہ کام شروع کرنے کے بعد دو ماہ کے اندر مکمل ہونی چاہیئں۔ اس نوٹیفکیشن کی ایک کاپی انیکور A کے طور پر شامل کی گئی ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل الطاف قادر کو جو پہلے بھی کمیشن کے فوجی مشیر تھے اس حیثیت میں دوبارہ مقرر کیا گیا اور ایم اے لطیف کو کمیشن کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ کمیشن کی درخواست پر حکومت نے کرنل ایم اے حسن کو قانونی مشیر بھی مقرر کیا۔

۴۔ کمیشن نے یکم جون 1974ء کو ایک پریس ریلیز جاری کیا جس میں جنگی قیدیوں اور مشرقی پاکستان سے نکالے گئے دوسرے افراد سے کہا گیا کہ وہ ایسی معلومات مہیا کریں جو ان کے

علم میں ہوں جو کمیشن کے مقصد سے متعلق ہو اس پریس ریلیز کی کاپی انیکور B کے طور پر لگائی گئی ہے۔

کاروائی

۵۔ 3 جون 1974ء کو کمیشن نے لاہور میں ایک غیر رسمی اجلاس منعقد کیا جس میں بنیادی نوعیت کے بہت سے معاملات پر غور کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ کمیشن کی کاروائی 16 جولائی 1974 سے ایبٹ آباد میں شروع کی جائے گی اس دوران بہت سے لوگوں کو مختلف سوالنامے جاری کئے گئے جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو مشرقی پاکستان میں اس وقت اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے تھے اور وہ لوگ بھی تھے جو سمجھتے ہوں کہ ان کے پاس متعلقہ معلومات موجود ہے' مسلح افواج' سول سروسز اور پولیس سروس کے عملے کے بیانات بھی ہمیں بھیجے گئے ان بیانات کی چھان بین کرنے کے بعد ہم نے گواہوں کو بلانا شروع کیا۔

ہم نے 72 افراد کے بیانات قلمبند کئے جن میں مشرقی کمان کی کمان کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی' میجر جنرل راؤ فرمان علی' جمشید اور وہ جنرل بھی شامل تھے جو اس زمانے میں ڈویژنوں کے کمانڈر تھے۔ ریئر ایڈمرل شریف جو اس وقت سب سے سینئر نیول آفیسر تھے' ایئر فورس کے سب سے زیادہ سینئر افسر ایئر کموڈور انعام اور سویلین افسران چیف سیکرٹری مظفر حسین' پولیس کے انسپکٹر جنرل محمود علی چوہدری کے بیانات بھی لئے گئے۔ میجر جنرل رحیم کا دوبارہ بیان لیا گیا ان میں صرف ایک استثنیٰ تھا اور وہ گورنر ڈاکٹر مالک تھے جو آخری وقت تک مشرقی پاکستان کے گورنر رہے تھے لیکن ان کے بارے میں بھی تمام اہم واقعات کے بارے میں ہمارے پاس ثبوت موجود تھے اس لئے اب ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس کے اہل ہیں کہ اپنے حتمی نتائج پیش کر سکیں۔

۶۔ ثبوتوں کو جانچنے کے بعد کمیشن نے محسوس کیا کہ مختلف وجوہات کی بناء پر وہ 15 ستمبر

رکھی گئی کہ مغربی پاکستان میں فوجی محاذ کھولنے میں کیا عقلمندی تھی؟

اس حصے کی ضرورت کے مطابق ہم اصل رپورٹ کے چیپٹر I, II, III, IV ,V, VI, VII, VIII اور IX میں دیئے گئے معاملات کے بارے میں تفصیل سے تحریر کریں گے اس کے بعد ہم مشرقی پاکستان میں فوج کے ڈسپلن کے بارے میں تحریر کریں گے جس میں مشرقی پاکستان میں کئے گئے مبینہ مظالم بھی شامل ہیں اس حصے کی ضرورت کے مطابق ہمیں کچھ افراد کے انفرادی اعمال کا جائزہ بھی لینا ہوگا اس کے بعد ہم کچھ شہادتوں پر بحث کریں گے جو ہمارے سامنے پیش کی گئی ہیں اور جن میں کہا گیا ہے کہ بھارت میں قید کے دوران کچھ اعلیٰ افسران کی طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ واقعات کی ایک قابل یقین کہانی چاہے وہ درست نہ ہو پیش کی جائے۔ ہم اس ضمیمے کو اپنی سفارشات کے ساتھ ختم کردیں گے۔

کیبنٹ ڈویژن

راولپنڈی 25 مئی 1974ء

نمبر 107/19/74 جیسا کہ انکوائری کمیشن وزارت صدارتی امور کے نوٹیفکیشن نمبر 632(1)/71 مورخہ 26 دسمبر 1971 کے تحت قائم کیا گیا تھا اس نے اپنی رپورٹ مورخہ 8 جولائی 1972ء میں کہا ہے کہ مشرقی پاکستان کے واقعات کے بارے میں اس کی رپورٹ حتمی نہیں ہے اور سفارش کی ہے کہ جب مشرقی کمان کے کمانڈر اور دوسرے سینئر افسران جو بھارت میں قید میں ہیں دستیاب ہو جائیں تو مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے حالات پر مزید تحقیق کی جائے جیسا کہ تمام جنگی قیدی اور سول قیدی پاکستان واپس آ چکے ہیں ااور وفاقی حکومت کی یہ رائے ہے کہ انکوائری کمیشن کی سفارش کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ اس تحقیقات کو حتمی شکل دی جائے کہ وہ کیا حالات تھے جن کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے گئے تھے مذکورہ بالا جنگی قیدیوں اور سول نظر بندوں میں سے ان کو جن سے شہادت لینا کمیشن ضروری سمجھے جانچ کر فیصلہ کرے۔

تک اپنی رپورٹ پیش نہیں کر سکتا اس لئے اس نے مزید وقت مانگا جو 15 نومبر 1974ء تک بڑھا دیا گیا اور پھر 30 نومبر 1974ء تک اس میں مزید اضافہ کیا گیا۔ 5 ستمبر 1974ء کو آخری بیانات ریکارڈ کرنے کے بعد ہم لوگ وقتی طور پر جدا ہو گئے کیونکہ ہم میں سے دو کو سپریم کورٹ کے خصوصی سیشن منعقدہ 9 ستمبر تا 21 ستمبر 1974ء میں شریک ہونے کیلئے کراچی جانا پڑا اور صدر بھی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شریک ہونے کیلئے جنیوا چلے گئے تھے اس لئے ہم لوگ 23 اکتوبر 1974ء کو ایبٹ آباد میں دوبارہ جمع ہوئے تاکہ اپنی رپورٹ کا ضمیمہ تیار کر سکیں۔

سپلیمنٹری رپورٹ کی اسکیم

7۔ اگرچہ ہم نے کافی تعداد میں تازہ ثبوت جانچے تھے مگر ہم نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اصل رپورٹ میں دیئے گئے اپنے نتائج میں کوئی ترمیم کریں بلکہ مزید شہادتوں کے دستیاب ہونے سے ہمارے ان نتائج کو مزید تقویت ملی اس لئے ہم نے جو کچھ رپورٹ میں لکھا ہے ہم اس کی تکرار سے بچنا چاہتے ہیں سوائے ان نتائج کے جن کا تعلق سپلیمنٹری رپورٹ سے ہے انہیں ضرورت کے مطابق مختصر طور پر تحریر کر دیا جائے کچھ معاملات ایسے بھی ہیں جن کے متعلق اس وقت ہماری معلومات بہت کم تھیں ان کے بارے میں ہم تفصیل بیان کریں گے۔ ہم سپلیمنٹری رپورٹ میں بھی وہی طریقہ اختیار کریں گے جو ہم نے اصل رپورٹ میں کیا تھا اس رپورٹ کے پارٹ II میں ہم نے سیاسی پس منظر کا ذکر کیا تھا اس میں ہم صرف ان واقعات کا اضافہ کرنا چاہتے تھے جو 1971ء میں پیش آئے یا زیادہ بہتر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے جو واقعات 25 مارچ 1971ء کے بعد پیش آئے۔ اصل رپورٹ کے پارٹ III میں' جو بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں ہے' ہم کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتے۔ پارٹ IV میں ہم مغربی پاکستان سے متعلق عسکری پہلو کے حوالے سے کوئی اضافہ کرنا نہیں چاہتے البتہ مشرقی پاکستان میں ہونے والے اثرات کے بارے میں محدود پیمانے پر کچھ اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور اس بحث کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں جو ہمارے سامنے

پاکستان کمیشنز آف انکوائری ایکٹ 1956ء 1956 (VI.of 1956) کی دفعہ 3 کی ذیلی دفعہ 1 کے تحت حاصل شدہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے وفاقی حکومت کمیشن کو ہدایت کرتی ہے کہ کمیشن اپنی طرف سے مقرر کردہ وقت اور مقام پر مکمل تحقیقات شروع کرے اور صدر پاکستان کو اپنی رپورٹ پیش کرے جس میں مندرجہ بالا معاملات کے بارے میں نتائج دیئے جائیں کمیشن کے کاروائی شروع کرنے کے دو ماہ کے اندر یہ رپورٹ داخل کر دی جائے۔

مارشل لاء ڈیوٹی کے نتائج

25 مارچ 1971ء کے فوجی ایکشن کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں سول انتظامیہ عملی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی۔ صوبے کے تمام انتظامی امور اور معاملات کو چلانے کا بوجھ فوجی افسران کے سر آ پڑا' چنانچہ اس مسئلے کو حل کرنے کی غرض سے' مغربی پاکستان سے' چیف سیکرٹری' انسپکٹر جنرل پولیس اور دو ڈویژن کمشنروں سمیت' سینئر سرکاری حکام کی ایک بڑی تعداد کو مشرقی پاکستان روانہ کیا گیا اس کے باوجود' صوبے کے انتظامی معاملات میں' ان فوجی افسران کا عمل دخل کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا۔ انسپکٹر جنرل آف پولیس مسٹر ایم اے کے چوہدری (گواہ نمبر 219) کے بیان کے مطابق:

مارچ اپریل 1971ء کے دوران پھیلنے والی گڑبڑ کے بعد مشرقی پاکستان میں ایک ملٹری گورنر کا تقرر کر دیا گیا' جس کا مشیر ایک میجر جنرل تھا جو تمام سول انتظامی معاملات کا نگران تھا۔ تمام سطحوں پر ایک متوازی مارشل لاء انتظامیہ کام کر رہی تھی۔ انتظامیہ کے وہ تمام محکمہ جات جن کا تعلق امن عامہ کے نظم ونسق سے تھا مارشل لاء اتھارٹیز کے کنٹرول میں تھے۔ مقامی مارشل لاء اتھارٹیز کی طرف سے مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ صوبائی ہیڈ کوارٹرز میں داخل ہو کر انسپکٹر پولیس سے باہم مشورہ کر سکے۔

''ڈھاکہ ڈویژن کے کمشنر سید علمدار رضا (گواہ نمبر 226) کا بیان یہ ہے:

کوششیں تو بہت کی گئیں کہ مشرقی پاکستان کے سول افسران کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلا کر روزمرہ کے ان تمام امور اور معاملات کو نمٹانے کی طرف راغب کیا جا سکے جو فوجی افسران کی نگرانی اور کنٹرول میں تھے تاہم ایسی تمام کوششوں کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ وہ بنگالی افسران جنہیں اپنے عہدوں پر بحال کر دیا گیا تھا' عجیب کشمکش سے دوچار تھے۔ ان میں اعتماد کی کمی تھی اور یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ ان کی وفاداری پر شک کیا جائے گا۔ ایسے افسران کے خلاف نہ صرف سخت ایکشن کی سفارش کی گئی بلکہ ان کے حکام بالا اور حکومت تک کو لاعلم رکھتے ہوئے ان کی گرفتاری کے احکامات صادر کر دیے گئے۔

سویلین گورنر ڈاکٹر اے۔ ایم مالک کی تقرری اور سول کابینہ کی تشکیل کے بعد بھی سول معاملات میں فوج کا عمل دخل ختم نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں میجر جنرل راؤ فرمان علی (گواہ نمبر 284) کا بیان خاص طور پر قابل ذکر ہے جو ان دنوں گورنر سیکرٹریٹ میں سول معاملات کے نگراں تھے وہ کہتے ہیں:

سابق صدر کے خیال کے برعکس' مشرقی میں ایک مکمل سول حکومت کا قیام ناممکن تھا۔ ڈاکٹر مالک ایک عمر رسیدہ سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی کمزور شخصیت کے حامل تھے۔ مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات کے تناظر میں وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل نیازی کو کسی بھی صورت ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ دوسری جانب جنرل نیازی طاقت اور اختیار کے دیوانے تھے لیکن وہ کسی قسم کی بصیرت رکھتے تھے نہ ہی ان میں سیاسی مضمرات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی حتیٰ کہ ان کے دل میں گورنر کا بھی کوئی خاص احترام نہ تھا حقیقت تو یہ ہے کہ سول انتظامیہ پر ابھی تک فوج ہی کا کنٹرول تھا"۔

مغربی پاکستان کے وہ سویلین افسران جو ان دنوں مشرقی پاکستان میں خدمات انجام دے رہے تھے ان کے ذہنی تاثرات کا اندازہ ڈھاکہ کے سابق ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر مسٹر محمد اشرف (گواہ نمبر 275) کے اس بیان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ستمبر 1971ء میں ایک سویلین گورنر کی تقرری کا مقصد دراصل مقامی اور بین الاقوامی رائے عامہ کو گمراہ کرنا تھا۔ بیچارے ڈاکٹر مالک اور ان کی کابینہ کے وزراء کی حیثیت کٹھ پتلیوں سے زیادہ نہیں تھی۔ تمام اہم امور اور معاملات کے فیصلے اب بھی فوج ہی کرتی تھی۔ نئی کابینہ کی پہلی تصویر آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہے جس میں میجر جنرل راؤ فرمان علی' گورنر مالک کی دائیں جانب رکھی کرسی پر بیٹھے بڑے نمایاں نظر آ رہے ہیں' حالانکہ وہ ڈاکٹر مالک کی کابینہ میں شامل نہیں تھے۔ اس تاثر کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ آگے چل کر جنرل یحییٰ خان کے حکم پر منعقد ہونے والے ضمنی انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کا انتخاب بھی میجر جنرل راؤ فرمان علی نے خود کیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنرل نیازی اور ان کے چند ماتحت مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے مختلف سطحوں پر کام کرنے والے سویلین افسران کو آزادانہ فیصلے کرنے کی مکمل آزادی دے رکھی تھی' تاہم اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ فوجی ایکشن کے بعد مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والی مخصوص صورت حال کے حوالے سے فوج کو امن عامہ کے نظم و نسق' مواصلات کی بحالی اور اقتصادی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی غرض سے کافی تشویش تھی' چنانچہ صوبائی مواصلات میں اس کی دخل اندازی ناگزیر تھی۔

بھارت کی قید سے رہا ہو کر واپس آنے والے افسران نے جو شہادتیں پیش کی ہیں ان کی روشنی میں اس حقیقت میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ نہیں رہ جاتا کہ ایک طویل مدت تک پاکستانی افواج کے مارشل لاء ڈیوٹی اور سول انتظامی معاملات میں ملوث ہونے کی وجہ سے اس کا پیشہ وارانہ اور اخلاقی معیار بری طرح متاثر ہوا تھا۔ بریگیڈیر ایم سلیم اللہ نے جو مشرقی پاکستان میں بریگیڈ (A)203 کی کمان کر رہے تھے درج ذیل بیان کمیشن کے روبرو دیا۔

مارشل لاء ڈیوٹی کی طوالت اور امن و امان کی دیکھ بھال کے اس لامتناہی کردار نے فوج کے پیشہ وارانہ معیار کو متاثر کیا تھا۔ ریئر ایڈمرل ایم شریف (گواہ نمبر 283) جو مشرقی پاکستان

میں پاکستان نیوی کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ تھے۔ کے بیان کے مطابق ''اس شکست کی بنیاد تو 1958ء ہی میں رکھ دی گئی تھی جب افواج نے پورے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا تھا فوج کے اس نئے کردار نے اسے سیاست کے تمام گر سیکھنے میں مدد دی۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اس نے رفتہ رفتہ اپنے اولین فرض یعنی ''فن سپہ گری'' کو ترک کر دیا اور مال دولت سمیٹ کر جاہ و منصب کے چکر میں پڑ گئی اسی طرح کے خیالات کمیشن کے روبرو' کموڈور آئی ایچ ملک (گواہ 272) نے بھی ظاہر کئے جو ہتھیار ڈالے جانے تک 'چٹاگانگ پورٹ ٹرسٹ' کے چیئرمین تھے۔ بریگیڈیئر ایس ایس اے قاسم سابق کمانڈر آرٹیلری ایسٹرن کمانڈ کرنل منصور الحق ملک' سابق جی ایس' 1۔ 9ویں ڈویژن مشرقی پاکستان اور کرنل اعجاز احمد (گواہ نمبر 247) سابق کرنل اسٹاف (GS) ایسٹرن کمانڈ نے بھی کم و بیش ان ہی خیالات و تاثرات کا اظہار کیا۔ اس کمیشن کے روبرو پیش کی جانے والی تازہ ترین شہادتیں اور ثبوت ہماری اصل رپورٹ میں مرتب کئے گئے ان نتائج کی مکمل تائید کرتے ہیں کہ مارشل لاء ڈیوٹی اور سول انتظامی معاملات میں پاکستانی افواج کے غیر ضروری عمل دخل نے اس کی مجموعی اکر کردگی پر انتہائی تباہ کن اثرات مرتب کئے جن کے نتیجے میں فوج نہ صرف اپنے پیشہ وارانہ فرائض کی ادائیگی سے غافل ہو گئی بلکہ اس سے فوجی یونٹوں اور فارمیشن کو دی جانے والی ضروری تربیت کا معیار بھی بری طرح متاثر ہوا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس مقصد کے لئے اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا' بلکہ ان میں سے بیشتر تو اس میلان سے محروم ہو چکے تھے۔

زمین سے دوری

25 مارچ 1971ء کے فوجی ایکشن کے نتیجے میں پاکستانی آرمی کے یونٹوں نے پورے صوبے میں عوامی لیگ کی بغاوت کو کچلنے کی غرض سے اپنے بھرپور آپریشن کا آغاز کر دیا۔ اس آپریشن نے مشرقی پاکستان کی پہلے ہی سلگتی ہوئی صورت حال میں جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس فوجی آپریشن کے دوران اس حقیقت کے باقاعدہ شواہد موجود ہیں کہ پاکستانی فوج کے دستوں نے غلہ'

خوراک ادویات اور دیگر سامان رسد حاصل کرنے کی غرض سے بند دکانوں اسٹورز اور گوداموں کے تالے توڑ کر اپنی ضروریات سے بھی کہیں زیادہ اشیاء نکالیں جن کا نہ کوئی حساب کتاب رکھا گیا نہ ہی ایسے سامان کا ان کے مالکوں کو معاوضہ ہی دیا گیا۔ فوجی دستوں کی ان غیر قانونی مراعات پر چونکہ کوئی چیک نہ تھا لہٰذا ایک عام فوجی سے افسر تک سب کو احساس ہونے لگا کہ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس طرح مشرقی پاکستان میں فوجی دستوں کی جانب سے لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کی روایت کا آغاز ہوا۔ شروع میں تو اپنی ضروریات کا سامان حاصل کرنے کے اس طریقے کی سینئر فوجی افسران بشمول جنرل نیازی نے حوصلہ افزائی کی جس نے جنرل ٹکا خان سے مشرقی پاکستان کی کمان لیتے وقت کہا تھا''۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ یہاں راشن کی قلت ہے؟ کیا اس ملک میں بکریاں اور گائیں نہیں ہیں؟ یہ دشمن کا علاقہ ہے لہٰذا جو چاہو یہاں سے لے سکتے ہو! برما میں بھی ہم نے یہی کیا تھا (میجر جنرل راؤ فرمان کے حوالے سے)

کمیشن کے روبرو جب جنرل نیازی سے اس بیان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ انہوں نے ایسا کوئی بیان دیا تھا۔ اس کے برخلاف ان کا کہنا تھا کہ جو کچھ لیا کرتے تھے اس کے لئے ایک پرچی بنا کر سول حکومت کو دیدیا کرتے تھے تاکہ ان اشیاء کا معاوضہ ادا کیا جا سکے۔ تاہم جنرل نیازی کے اس بیان کی تصدیق دیگر افسران نے نہیں کی۔ اس کے برعکس لیفٹیننٹ کرنل بخاری نے کمیشن کے روبرو اپنے بیان میں بتایا کہ ہمیں مشرقی کمان کی جانب سے باقاعدہ تحریری احکامات ملا کرتے تھے کہ فوجی آپریشن کے دوران ''زمین سے دور'' رہا جائے۔ تاہم آگے چل کر مشرقی کمان اور ڈویژنل کمانڈروں نے سخت ہدایات جاری کر دیں تاکہ اس قسم کی لوٹ مار کا سدباب کیا جا سکے۔ کچھ کمانڈروں نے تو لوٹا ہوا مال برآمد کرنے کی غرض سے ان فوجی دستوں کے بیرکوں پر چھاپہ بھی مارا جہاں سے لوٹے گئے ٹیلی ویژن سیٹ ریفریجریٹر ٹائپ رائٹرز' گھڑیاں' سونا ایئر کنڈیشنر اور دیگر قیمتی سامان برآمد ہوا۔ اس کمیشن کو بتایا کہ اس سلسلے میں قانون کے مطابق ضابطے کی کارروائی شروع کر دی گئی تھی تاہم 16 دسمبر 1971ء کو بھارتی

افواج کے سامنے ہتھیار ڈالنے تک ان کا کوئی نتیجہ کسی نہ کسی وجہ سے برآمد ہو سکا۔

اب باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم سینئر آرمی کمانڈروں کے بارے میں غیر اخلاقی باتوں اور بددیانتی کے الزامات کی کوئی انکوائری شروع کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ لیکن عالمی طور پر پائے جانے والے اس یقین کی بناء پر کہ ان افسران کے نارواروّیہ سے 1971ء کی جنگ میں ان کی قوت فیصلہ اور قیادت کی صلاحیت متاثر ہوئی تھی۔ ہمیں ان معاملات کا جائزہ لینا پڑا۔ ہمیں یہ جان کر افسوس ہوا کہ یہ بات درست تھی۔ اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ جہاں حقائق کا تقاضا ہو' حکومت ایسے اقدامات کرے کہ اس قسم کے واقعات رونما ہی نہ ہو سکیں۔ تا کہ ان اعلیٰ اخلاقی معیارات اور روایات کو برقرار رکھا جا سکے جن پر پاکستان کی مسلمان فوج متعدد نسلوں سے فخر کرتی چلی آ رہی ہے۔

پاکستانی فوج کے مبینہ مظالم

جیسا کہ سب جانتے ہیں مارچ 1971ء سے مشرقی پاکستان میں شورش سے نمٹنے کے دوارن پاکستانی فوج کے کردار پر بہت سے حلقوں کی جانب سے خاصی تنقید کی گئی ہے ہم نے اس موضوع کا پانچویں حصے کے باب دوم میں پیراگراف 5 سے 8 میں احاطہ کیا ہے۔ ہم نے نئے قلمبند کئے جانے والے بیانات کی روشنی میں اس سوال کا مزید جائزہ لیا ہے۔

عوامی لیگی عسکریت پسندوں کی غلط کاریاں

ضرورت اس بات کی ہے کہ مشرقی پاکستان میں رونما ہونیوالے واقعات کے اس دردناک باب کا اس کے صحیح تناظر میں جائزہ لیا جائے۔

اس بات کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیئے کہ تشدد اور مظالم کا سلسلہ مارچ 1971ء میں عوامی لیگی انتہا پسندوں نے شروع کیا۔ انہوں نے یہ سلسلہ جنرل یحییٰ خان کے یکم مارچ کے اس اعلان کے بعد شروع کیا تھا جس کے تحت 3 مارچ 1971ء کو منعقد ہونے والا قومی اسمبلی کا اجلاس

ملتوی کیا گیا۔ عوامی لیگ نے یکم مارچ سے 3 مارچ 1971ء تک مشرقی پاکستان کا پورا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور وفاقی حکومت کی اتھارٹی کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ اس بات کے معتبر شواہد موجود ہیں کہ مذکورہ عرصے کے دوران شرپسندوں نے ڈھاکہ' نرائن گنج' چٹاگانگ' چندرا گونا' رنگامتی' کھلنا' دیناجپور' ڈھاکہ گوا' کشتیا' جیسور' باریسال میمن سنگھ راجشاہی سینہ' سراج گنج' کومیلا' برہمن بازیا ہو گرا ونوا گاؤں سنتا پور کے شہروں اور بیشمار چھوٹے علاقوں میں پاکستان کے حامی عناصر کا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا اور آبروریزی کے واقعات میں ملوث ہے۔

پاکستان فوج کے مبینہ مظالم

مشرقی پاکستان سے کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر مغربی پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہونے والے افراد نے ان مظالم کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستانیں سنائیں۔ مارچ 1971ء کے دوران دہشت زدہ غیر بنگالی لوگوں کا ایک اژدہا آرمی کے زیر کنٹرول ڈھاکہ ایئرپورٹ پر مغربی پاکستان جانے کیلئے اپنی اپنی باریوں کا انتظار کر رہا تھا۔ مغربی پاکستان کے افسران اور ان کے افراد خاندان کو نہ صرف غیر انسانی سلوک کا نشانہ بننا پڑا بلکہ متعدد مغربی پاکستانی افسران کو ان کے سابق بنگالی ساتھیوں ہی نے قتل بھی کر ڈالا۔

اس وقت حکومت پاکستان کی جانب سے ان فوجی مظالم کی خبروں کو مکمل طور پر بلیک آؤٹ کیا گیا کیونکہ مغربی پاکستان میں مقیم بنگالیوں کی جانوں کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اگست 1971ء میں وفاقی حکومت نے اس حوالے سے ایک وہائٹ پیپر بھی شائع کیا تاہم اس کا اتنا زیادہ اثر نہ ہو سکا کیونکہ اس کی اشاعت میں کافی تاخیر ہونے کے علاوہ مقامی اور بین الاقوامی طور پر اس کی مناسب تشہیر بھی نہیں کی گئی تھی۔

تاہم حال ہی میں ایک ممتاز صحافی جناب قطب الدین عزیز نے "خون اور آنسو" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں انہوں نے مشرقی پاکستان میں مقیم بے یار و مددگار

بہاریوں مغربی پاکستانیوں اور محب وطن بنگالیوں پر ہونے والے وحشیانہ مظالم کے شواہد فراہم کئے
ہیں۔ ان کے پیش کردہ اعداد شمار کی رو سے اس زمانے میں' عوامی لیگ کی مکتی باہنی کے ہاتھوں
ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے لیکر پانچ لاکھ افراد تک ہے۔

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں قطب الدین عزیز نے ان مستند اور ذاتی معلومات کی بنیاد پر یہ
تعداد لکھی ہے جو انہیں تبادلے میں آنے والے ان مغربی پاکستانیوں کی زبانی حاصل ہوئیں جن
کے افراد خاندان کو مکتی باہنی کے ہاتھوں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا تھا اس ضمن میں انہوں نے مشرقی
پاکستان میں مقیم غیر ملکی نامہ نگاروں کی رپورٹس کا بھی بارہا حوالہ دیا ہے۔ بنگلہ دیش میں اب تک
مقیم ان غیر بنگالیوں کی حالت زار اور بنگلہ دیشی حکومت کی جانب سے ان کی واپسی پر مسلسل اصرار
اس حقیقت کی تصدیق کرنے کیلئے کافی ہے کہ عوامی لیگ کے خلاف عائد کئے گئے یہ الزامات
بالکل صحیح تھے۔

فوج کا اشتعال

7۔ ہم نے یہ حقائق مشرقی پاکستان میں آپریشن کے دوران فوج کی جانب سے
ان مظالم اور دیگر جرائم کے ارتکاب کے لئے جواز کے طور پر نہیں پیش کئے جن کا مبینہ
طور پر ارتکاب کیا گیا بلکہ محض ریکارڈ کو درست رکھنے اور الزامات کو صحیح تناظر میں
پرکھنے کے لئے پیش کیا ہے۔ جو جرائم عوامی لیگ کے شر پسندوں نے کئے ان سے
فوجیوں کے ذہنوں میں نفرت اور غصہ پیدا ہوا، خصوصا ان دنوں میں جب فوجی
کارروائی شروع ہونے کے بعد وہ بیرکوں تک محدود نہیں تھے انہیں سخت توہین کا نشانہ
بھی بنایا گیا انہوں نے اپنے کمانڈروں کی بے عزتی ہوتے انہیں خوراک اور راشن سے
محرومی اور حتی کہ کسی سبب یا جواز کے بغیر ہلاک ہوتے دیکھا۔ مغربی پاکستان کے
افسروں اور متعدد یونٹوں کے خاص کے اجتماعی قتل کی کہانیاں بھی ان تک پہنچیں جو

صرف انسان تھے جس کے باعث انہوں نے مرکزی حکومت کی اتھارٹی حال کرنے
کے لئے پر تشدد رد عمل ظاہر کیا۔

الزامات کی نوعیت

8۔ عام طور پر لگائے جانے والے الزامات کے مطابق پاکستان کی فوج نے جن
زیادتیوں کا ارتکاب کیا وہ درج ذیل زمرے میں آتی ہیں۔

(الف) 25 اور 26 مارچ 1971ء کی رات فوجی آپریشن شروع ہونے پر طاقت کا زیادہ
استعمال اور رات کے وقت ڈھاکا میں فائر کرنے کے اختیارات۔

(ب) فوجی کارروائی کے بعد آپریشن تیز کرنے کے عمل کے دوران اندھا دھند اور
بلا امتیاز آتشزنی اور قتل۔

(ج) دانشوروں اور ڈاکٹروں انجینئروں جیسے پیشہ ور افراد کو نہ صرف فوجی کارروائی کے
ابتدائی دور میں بلکہ دسمبر کی جنگ کے نازک دنوں میں قتل کرنا اور اجتماعی قبروں میں
دفن کرنا۔

(د) ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفل اور ایسٹ پاکستان پولیس فورس
کے یونٹوں میں بنگالی افسروں اور جوانوں غیر مسلح کئے جانے کے عمل میں یا بغاوت کی
آڑ میں ان کا قتل۔

(ر) مشرقی پاکستان کے سولین افسروں کاروباری افراد اور صنعت کاروں کا مارشل
لاڈیوٹی میں کام کرنے والے افسروں کی جانب سے یا ان کے ایما پر ان کے گھروں سے
پراسرار اغواء۔

(س) بڑی تعداد میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انتقام اور تشدد کی غرض سے
پاکستان آرمی کے افسر اور جوانوں کی طرف سے مشرقی پاکستانی خواتین کی آبروریزی۔

(ش) جان بوجھ کر اقلیتی ہندو برادری کے افراد کا قتل۔

شواہد کی حقیقت

9۔ الزامات کی سنگینی ان کے اثرات اور اخلاقی اور ذہنی نظم کے نقطہ نظر سے ان کی اہمیت کے پیش نظر ذمہ دار فوجی اور سول افسروں کی طرف سے ہمارے سامنے دیئے جانے والے بعض اشارتی بیانات جو نتائج تک پہنچنے میں مددگار ہوں گے۔

10۔ لیفٹیننٹ جنرل اے اے نیازی نے اپنے پیشرو جنرل ٹکا پر الزام تھوپنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ فوجی اقدام کی بنیاد شروع ہی سے طاقت کے استعمال پر رکھی گئی اور متعدد مقامات پر طاقت کے اندھادھند استعمال نے عوام کو فوج کے خلاف کر دیا۔

مشرقی پاکستان میں متعین افسران میں اخلاقی پستی کی مثالیں

1۔ لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی

14۔ اصل رپورٹ میں ہم جنرل یحییٰ خان، جنرل عبدالحمید خان، میجر جنرل (ریٹائرڈ) خداداد خان (مرحوم) لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی، میجر جنرل جہانزیب اور بریگیڈیئر ہدایت اللہ کے ذاتی چال چلن کے بارے میں الزامات اور ان کے متعلق شواہد کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس میں ہم جنرل نیازی کے بارے میں دی گئی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

15۔ اصل رپورٹ کے حصے V کے پہلے چیپٹر کے پیراگراف 30 سے 34 تک کے مطالعے سے جنرل نیازی کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کی سنگینی کا پتا چلتا ہے جب وہ سیالکوٹ کے جی او سی اور بعد میں لاہور کے جی او سی اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر متعین تھے تو وہ مارشل لا کے کیسز طے کرنے میں رقم بٹورتے تھے۔ گلبرگ لاہور کی ایک خاتون مسز سعیدہ بخاری سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ یہ خاتون ایک قحبہ خانہ چلاتی تھی جس کا نام سنوریٹا ہوم تھا وہ جنرل کی ٹاؤٹ کے طور پر کام کرتی تھی۔ اس کی

طرف سے رشوت وصول کرتی اور کام کراتی تھی۔ جنرل کے سیالکوٹ کی ایک خاتون شمیم فردوس سے بھی قریبی تعلقات تھے وہ بھی سعیدہ بخاری کی طرح کا کردار ادا کرتی تھی۔ بد قماش خواتین کے ساتھ تعلقات رکھنے اور رات میں ایسے مقامات پر جنرل کے ماتحت جونیئر افسر بھی جاتے تھے، مشرقی پاکستان کے قیام کے دوران اس کی بہت بدنامی ہوئی۔ وہ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان میں پان اسمگل کرنے میں بھی ملوث تھا۔ کمیشن کے سامنے یہ الزامات مندرجہ ذیل افراد نے لگائے تھے۔ عبدالقیوم عارف (گواہ نمبر 6) سیالکوٹ کے منور حسین ایڈووکیٹ (گواہ نمبر 3)، عبدالحفیظ کاردار (گواہ نمبر 25) میجر سجاد الحق (گواہ نمبر 164) اسکواڈرن لیڈر سی اے واحد (گواہ نمبر 57) اور لیفٹیننٹ کرنل حافظ احمد (گواہ نمبر 147) ہماری موجودہ تحقیقات کے دوران جنرل نیازی کے جنسی معاملات کے بارے میں اور ان کے پان کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کی وجہ سے ان کی بدنامی کے بارے میں کافی شواہد ریکارڈ پر آئے ہیں۔ اس سلسلے میں لیفٹیننٹ کرنل منصور الحق (گواہ نمبر 260) سابق جی سی او آئی نویں ڈویژن لیفٹیننٹ کمانڈر اے اے خان (گواہ نمبر 262) پاکستان نیوی کے بریگیڈیئر آئی آر شریف (گواہ نمبر 269) ڈھاکہ کے سابق کمانڈ انجینئر محمد اشرف (گواہ نمبر 275) ڈھاکہ کے سابق ایڈیشنل ڈی سی او لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خاں (گواہ نمبر 276) کے بیانات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ آخری گواہ کا بیان بہت اہم ہے کہ "فوجی یہ کہا کرتے تھے کہ جب کمانڈر (لیفٹیننٹ جنرل نیازی) خود زانی ہو تو انہیں کیسے روکا جاسکتا ہے۔ سیالکوٹ اور لاہور میں بھی جنرل نیازی کی اسی طرح کی شہرت تھی۔ 17 میجر جنرل قاضی عبدالماجد خان (گواہ نمبر 254) اور میجر جنرل فرمان علی (گواہ نمبر 284) نے بھی جنرل نیازی کے پان کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کے بارے میں بتایا۔ میجر جنرل عبدالماجد کے مطابق 53 بریگیڈیئر کے کمانڈر بریگیڈیئر اسلم نیازی اور ڈلجان (Dlljan) کے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس جو فلیگ اسٹاف ہاؤس میں جنرل نیازی کے ساتھ رہتے تھے، پان کی برآمد میں

جنرل نیازی کی مدد کرتے تھے۔ میجر جنرل فرمان علی نے تو یہاں تک بیان کیا کہ "جنرل نیازی مجھ سے اس لئے ناراض ہو گئے کہ میں نے پان کی تجارت میں ان کی مدد نہیں کی۔" پی آئی اے کے بریگیڈیئر حمید الدین نے مجھ سے شکایت کی کہ کور ہیڈ کوارٹر مغربی پاکستان کو پان بھیجنے میں وزن پر پابندی لگا کر مداخلت کر رہا ہے۔ میں نے جنرل نیازی کے اے ڈی سی سے جو مجھ سے ملنے میرے دفتر آئے تھے کہا کہ یہ ایک تجارتی مسئلہ ہے اسے پی آئی اے اور پان کے بر آمد کنندگان کے درمیان ہونے والے انتظام پر چھوڑ دیا جائے۔" ہمارے خیال میں الزام یہ ہے کہ جنرل نیازی کا بیٹا مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کے لئے پان کی بر آمد میں مشغول تھا۔ میجر ایس ایس حیدر (گواہ نمبر 259) اور بریگیڈیئر عطا محمد (گواہ نمبر 257) کے مطابق مشرقی کمانڈ کے چیف آف اسٹاف بریگیڈیئر باقر صدیقی بھی پان کی بر آمد میں جنرل نیازی کے پارٹنر تھے۔

18۔ مندرجہ بالا پیراگرافوں میں مذکورہ الزامات اس وقت لیفٹیننٹ جنرل نیازی کو بتائے گئے جب وہ ہمارے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے ان سے انکار کر دیا۔ جب خواتین کے بارے میں ان کی کمزوری کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "نو میں مارشل لاء کی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا میں نے کبھی بھی کسی کو اپنے پاس آنے سے نہیں روکا مشرقی پاکستان کے مشکل دنوں میں میں بہت مذہبی بن گیا تھا، ایسا میں پہلے نہیں تھا، ان چیزوں سے زیادہ مجھے موت کا خیال رہتا تھا۔"

19۔ جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ وہ پان کی بر آمد میں ملوث تھے انہوں نے بتایا کہ ایک شخص بھمن کی شکایت پر انہوں نے انکوائری کا حکم دے دیا تھا کیونکہ اسے شکایت تھی کہ پان کے بر آمد کنندگان نے اپنی اجارہ داری قائم کر لی تھی۔ انہوں نے الزام لگایا کہ بریگیڈیئر حمید الدین اور پی آئی اے کا اسٹاف خود پان کی اسمگلنگ میں ملوث تھا۔

20۔ کمیشن کے سامنے سول اور فوجی گواہوں نے جو ثبوت پیش کئے ان کی روشنی

میں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ جنرل نیازی جنسی معاملات کی وجہ سے بہت بدنام تھے اور بدنامی ان کے سیالکوٹ، لاہور اور مشرقی پاکستان میں قیام کے دوران یکساں رہی۔ جہاں تک ان کے پان کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے اور مشرقی کمان کے کمانڈر اور زونل مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت کے ناجائز استعمال کے الزامات کا تعلق ہے تو یہ صحیح ثابت ہوئے اگرچہ ہمارا یہ کام نہیں تھا کہ ان معاملات میں تفصیل سے تحقیقات کی جائے۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ اس افسر کے خلاف ہونے والی کسی انکوائری میں ان معاملات کی تحقیقات کی جائے یا نہیں۔

2۔ میجر جنرل محمد جمشید

21۔ کرنل بشیر احمد خان (گواہ نمبر 263) نے جو مشرقی کمان کے ڈی ڈی ایم ایک متعین تھے کمیشن کے روبرو پیش ہو کر بتایا کہ میجر جنرل جمشید خان کی بیوی جب 16 دسمبر 1971ء کی صبح کو ڈھاکہ سے آئیں تو وہ اپنے ساتھ کچھ کرنسی بھی لائی تھیں۔ انہوں نے مزید الزام لگایا کہ لیفٹیننٹ کرنل راشد، مشرقی پاکستان کی سول آرمڈ فورسز کا کرنل اسٹاف جس کی جمشید خان کمان کر رہے تھے، کرنسی کی خورد برد میں ملوث تھا۔ یہ بات بھی ہمارے علم میں آئی کہ جو لوگ مشرقی پاکستان سے 15 اور 16 دسمبر کی صبح کو ہیلی کاپٹرز کے ذریعے روانہ ہوئے تھے جنرل نے انہیں بھی کرنسی تقسیم کی تھی۔

22۔ میجر جنرل جمشید خان سے انکوائری کی گئی اور ان کا جواب مندرجہ ذیل تھا۔

"اس معاملے میں مذکورہ کل رقم 50000 تھی جو میں نے اس کرنسی میں سے لینے کا حکم دیا تھا جو سرکاری حکم کے مطابق ضائع کی جانی تھی۔ یہ رقم میری طرف سے مقرر کردہ افسران نے قواعد و ضوابط کے مطابق بہاریوں، بنگالیوں اور مخبروں اور ضرورت مندوں میں 15 اور 16 دسمبر 1971ء کی درمیانی شب تقسیم کی گئی تھی۔"

حکومت مشرقی پاکستان نے میری صوابدید پر ایک فنڈ بھی دیا تھا تاکہ اسے معلومات خریدنے اور انعامات دینے کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ یہ اخراجات سیکرٹ

فنڈ سے کئے گئے جو مجھے دیا گیا تھا۔ اس فنڈ کا آڈٹ بھی نہیں ہونا تھا۔ ان ضرورت مند خاندانوں کو جو 15 اور 16 دسمبر 1971ء کی درمیانی رات کو ہیلی کاپٹرز کے ذریعے روانہ کئے گئے رقم ای پی سی اے ایف کے ڈائریکٹر جنرل کے فنڈ سے دی گئی تھی۔ اس فنڈ سے ادائیگی کرنے کا مجھے کلی اختیار تھا اور جن معاملات میں یہ رقم ادا کی گئی ان میں میرا یہ ارادہ بھی نہیں تھا کہ ان لوگوں سے رقم کی واپسی کی سفارش کی جائے۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مندرکہ بالا مدوں سے رقم کے اخراجات کی کسی محکمے کو تفصیل مہیا کرنا ضروری نہیں تھا۔

23۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم میجر جنرل جمشید کی طرف سے دیئے جانے والے جواب کو اطمینان بخش نہیں سمجھ سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ معمول کے حالات میں جنرل کی طرف سے خرچ کئے ہوئے فنڈز کا آڈٹ نہ ہوتا ہو لیکن ان اخراجات کے بارے میں جن افسروں نے مشرقی پاکستان میں اور بھارت کی جیلوں میں سنا تھا جب انہوں نے یہ معلومات کمیشن کو مہیا کی اور ان فنڈز کے اخراجات کا سوال اٹھایا گیا تو جنرل کے لئے یہ بات مناسب تھی کہ وہ اس بارے میں جہاں تک ممکن ہوتا معلومات مہیا کرتے۔ لہذا ہم جنرلوں کے مواخذے کی طرف کوئی اشارہ کئے بغیر یہ تجویز کرتے ہیں کہ معاملے کی مزید تحقیقات کی جائے تاکہ جنرلوں کے اپنے مفاد میں بدگمانیوں اور شکوک کو دور کیا جا سکے۔

3۔ بریگیڈیئر جہانزیب ارباب۔ سابق کمانڈر 57۔ بریگیڈ۔

4۔ لیفٹیننٹ کرنل (اب بریگیڈیئر) مظفر علی خان زاہد۔ سابق سی او 31 فیلڈ رجمنٹ۔

5۔ لیفٹیننٹ کرنل بشارت احمد۔ سابق سی او 18 پنجاب۔

6۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد تاج۔ سی او 32 پنجاب۔

7۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد طفیل۔ کرنل 55 فیلڈ رجمنٹ پنجاب۔

8۔ میجر مدد حسین شاہ۔ 18 پنجاب۔

24۔ میجر جنرل نذر حسین شاہ (گواہ نمبر 242 جی او سی 16 ڈیو) میجر جنرل ایم ایچ انصاری (گواہ نمبر 233 جی او سی 9 ڈیو) اور بریگیڈیئر باقر صدیقی (گواہ نمبر 218 چیف آف اسٹاف ایسٹرن کمانڈ) کے بیانات سے انکشاف ہوا کہ یہ افسر اور ان کے یونٹ بڑے پیمانے پر لوٹ مار میں ملوث تھے۔ اس میں سراج گنج نیشنل بینک کی ٹریژری سے ایک کروڑ 35 لاکھ روپے کی چوری بھی شامل ہے۔ یہ رقم جس وقت ایک ٹرک کے نچلے حصے میں رکھ کر لے جائی جا رہی تھی بچسی برج کراسنگ پر جے سی او نے اسے پکڑ لیا۔ ٹرک ڈرائیور نے ان کے سامنے ایک کاغذ پیش کیا جس پر لکھا تھا "میجر کی طرف سے ریلیز کیا گیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ میجر جنرل ایم ایچ انصاری کی صدارت میں ایک کورٹ آف انکوائری بنایا گیا تھا جس نے بعض بیانات قلم بند کئے تھے لیکن جنگ چھڑ جانے کے باعث یہ کورٹ اپنی انکوائری مکمل نہیں کر سکا تھا۔

25۔ جی ایچ کیو کے نمائندے ہمیں اس بات کے سوا کہ بریگیڈیئر جنرل جہانزیب ارباب کو ڈویژن کا جی او سی مقرر کر دیا گیا تھا، یہ نہیں بتا سکے کہ ان افسروں کے سلسلے میں جی ایچ کیو کی طرف سے کیا کارروائی کی گئی۔ کمیشن محسوس کرتا ہے کہ انکوائری مکمل ہونے اور کسی الزام سے افسر کے بری ہونے سے پہلے جی ایچ کیو کی طرف سے یہ تقرر انتہائی نامناسب تھا۔ ہم سفارش کرتے ہیں کہ میجر جنرل انصاری نے مشرقی پاکستان میں جو انکوائری شروع کی تھی اس کی کارروائی مکمل کرنے کے سلسلے میں اب کسی تاخیر کے بغیر اقدام کیا جائے۔ اگر ضروری ہو تو ریکارڈ کو دوبارہ جمع کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے کیونکہ بظاہر Material Witness پاکستان میں موجود ہے۔

ملٹری ایکشن کے ابتدائی دنوں میں ڈھائے جانے والے ناقابل تلافی مظالم کے رد عمل میں پاکستانی فوجی افسران کو "چنگیز خان" اور "مشرقی پاکستان کے قصاب"

جیسے خطابات سے نوازا گیا۔ "صفایا کرنے والے" اس ملٹری ایکشن کے دوران اس وقت کی مارشل لاء انتظامیہ نے عالمی پریس کے نمائندوں اور بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیوں کے نمائندوں کو مشرقی پاکستان سے بے دخل کر دیا تھا، جس کا ایک منفی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پاکستان کو پروپیگنڈا جنگ کے محاذ پر بھی بھارت سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کمان سنبھالنے کے بعد مجھے فوجی ڈسپلن بحال کرنے کے سلسلے میں گہری تشویش تھی۔ چنانچہ 15 اپریل 1971ء کو کمان سنبھالنے کے ٹھیک چار دن بعد ہی میں نے صوبے کے تمام فارمیشن کمانڈرز کو حکم دیا کہ لوٹ مار، زنا بالجبر، آتش زنی، اور قتل و غارت گری کا فوری طور پر سدباب کیا جائے تاکہ ڈسپلن کا بلند اور اعلیٰ معیار قائم کیا جا سکے۔ میرے علم میں یہ بات لائی گئی کہ مشرقی پاکستان کے مختلف حصوں سے لوٹے گئے مال کو مغربی پاکستان بھیجا جا چکا ہے جس میں کاریں، ریفریجریٹرز، اور ایئر کنڈیشنرز شامل تھے۔"

جب جنرل نیازی سے اسلحہ واپس لینے کے دوران مشرقی پاکستان کے بنگالی افسران اور اہلکاروں کے قتل کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا۔

"میں نے اس کے بارے میں کچھ سنا تو ضرور تھا تاہم 'یہ سارے واقعات میرے کمان سنبھالنے سے پہلے ملٹری ایکشن کے بالکل ابتدائی دور میں ہوئے تھے۔"

انہوں نے ان الزامات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ان کی طرف سے اپنے ماتحت افسران کو یہ احکامات دیئے گئے تھے کہ مشرقی پاکستان کی ہندو اقلیت کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا کہ دسمبر 1971ء کے دوران کسی "دانشور" کو قتل کیا گیا تھا، تاہم انہوں نے تسلیم کیا کہ زنا بالجبر کے کچھ واقعات ضرور ہوئے تھے لیکن مجرموں کو گرفتار کر کے قانون کے مطابق سزا دے دی گئی تھی۔ اس قسم کے واقعات فوجی دستوں کی مختلف علاقوں میں تعیناتی کے دوران عموماً پیش آجاتے ہیں"

اس سلسلے میں دوسرا اہم بیان میجر جنرل راؤ فرمان علی کا تھا جو مشرقی پاکستان

کے سول گورنر ڈاکٹر مالک کے فوجی مشیر تھے ان کے بیان کے مطابق ---

"زنا بالجبر، لوٹ مار، آتش زنی، خوف و ہراس، بے حرمتی اور تذلیل کی جگر خراش داستانیں عام آدمی کی زبان پر تھیں۔ میں نے اس سلسلے میں ایک خط لکھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ مقامی باشندوں اور شہریوں سے عمدہ سلوک کیا جائے۔ ساتھ ہی میں نے ان اقدامات کی ضرورت پر بھی زور دیا جو مقامی آبادی کا دل جیتنے میں فوج کی مدد کر سکتے ہیں۔ جنرل ٹکا خان کے دستخطوں سے یہ ہدایات، مشرقی کمان کو بھیج دی گئیں۔ مجھے محسوس ہوا جیسے جنرل ٹکا خان کی پوزیشن کو دانستہ طور پر گھٹا کر، ان کے احکامات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ فوجیوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں کے بارے میں کی جانے والی وضاحتیں بھی اسی قسم کی جھوٹی اور من گھڑت کہانیوں اور مبالغہ آرائی سے پر ہوتی تھیں۔"

25 اور 26 مارچ 1971ء کی درمیانی شب، ملٹری ایکشن کے دوران طاقت کے بے محابا استعمال کے بارے میں بریگیڈیئر شاہ عبدالقاسم (گواہ 267) نے بتایا:۔

"ڈھاکہ میں 25 مارچ 1971ء کو کیے جانے والے ملٹری ایکشن کی پہلے سے کوئی تیاری اور منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی۔ اس رات فوجی قوت اور طاقت کا اندھا دھند استعمال کیا گیا۔ ملٹری ایکشن دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے فوجی اہلکار غصے اور انتقام کی آگ میں سلگتے ہوئے اندھے ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مبینہ طور پر مارٹر توپیں بھی استعمال کیں، جس سے دو بڑے "ریذیڈینس ہال" تباہ و برباد ہو گئے اور بے اندازہ جانیں ضائع ہوئیں۔ اس اقدام کے دفاع میں فوجی حلقوں کی جانب سے یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ اس وقت ان ریذیڈینس ہالز میں عوامی لیگ کے جنگجو گروپ "مکتی باہنی" کے اراکین موجود تھے اور ان مقامات کو اس اسلحے اور گولہ بارود کی ذخیرہ گاہ کے طور پر استعمال کر رہے تھے، جو عوامی لیگ کے مسلح باغیوں کو فراہم کیا جاتا تھا۔"

اسی حوالے سے دوسرا اہم بیان بریگیڈیئر میاں تسکین الدین (گواہ 282) کا

ہے، انہوں نے کمیشن کو بتایا :۔

"بہت سے جونیئر آفیسر ز اور دوسرے فوجیوں نے نام نہاد شر پسندوں سے نمٹنے کی خاطر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ گرفتار کئے گئے ان نام نہاد شر پسندوں سے جس انداز میں پوچھ گچھ کی گئی وہ انتہائی بہیمانہ تھی، بلکہ بعض اوقات تو اس قسم کی تفتیش بر سر عام کی گئی۔ پاکستانی افواج کا ڈسپلن خاک میں مل چکا تھا۔ دھوم گھاٹ کے علاقے میں ستمبر اور اکتوبر کے درمیان گرفتار کئے گئے ان شر پسندوں کو باقاعدہ فائرنگ اسکوڈ کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا۔ جب مجھے ان واقعات کا علم ہوا تو میں نے فی الفور اسے روکنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ "میجر جنرل نذر حسین شاہ، جنرل آفیسر کمانڈنگ (16 ویں ڈویژن) نے اعتراف کیا کہ "ایسی افواہیں عام تھیں کہ بنگالیوں کو بغیر مقدمہ چلائے اور اپنے دفاع کا قانونی حق دیئے بنا ہی قتل کیا جا رہا ہے۔" اسی طرح بریگیڈ ئیر عبدالقادر خان گواہ 243) کمانڈ 93(A) نے تسلیم کیا کہ "ایسے کافی واقعات ہوئے جن میں بنگالیوں کو گرفتار کر کے لے جایا گیا تھا۔"

لیفٹیننٹ کرنل ایس۔ ایس۔ ایچ عثاری (گواہ 244) جو 29 کیولری کے کمانڈنگ آفیسر تھے کا بیان ہے کہ :۔

"رنگ پور میں دو افسروں سمیت 30 افراد کو بغیر مقدمہ چلائے، گولیوں سے بھون دیا گیا۔ یقیناً دوسرے شہروں میں بھی اس قسم کے ایسے ہی واقعات ہوئے ہوں گے۔"

لیفٹیننٹ ایس۔ ایم نعیم (گواہ 258) جو 39 ویں بلوچ رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر تھے، نے اقرار کیا کہ ——

"اس صفایا کرنے والے "ملٹری آپریشن کے دوران ہم نے معصوم اور بے گناہ لوگوں کا خون بہایا۔ ہمارے اس عمل کے نتیجے میں وہاں کے عوام میں فوج کے خلاف شدید۔ غم و غصہ پیدا ہوا۔"

لیفٹیننٹ کرنل منصور الحق جی ایس او۔ 1 ڈویژن (گواہ 260) نے اپنے بیان میں مخصوص الزامات کی یہ فہرست، کمیشن کے روبرو پیش کی :۔

"ایک بنگالی کو جسے مبینہ طور پر مکتی باہنی یا عوامی لیگ کا کارکن سمجھ کر حراست میں لیا گیا تھا، بلا کسی تفتیش اور مجاز افسر کی کی تحریری اجازت کے "بنگلہ دیش" روانہ کر دیا گیا' جس کا علامتی مطلب تھا "ماورائے عدالت قتل "بلا امتیاز" "قتل عام' اور لوٹ مار سے ہمارے دشمن نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ اس سنگدلانہ رویئے کی وجہ سے ہم مشرقی پاکستان کی خاموش اکثریت کی حمایت سے بھی محروم ہو گئے۔ 27 اور 28 مارچ 1971ء کو کومیلا چھاؤنی میں 53 ویں فیلڈ رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر 'لیفٹیننٹ جنرل یعقوب ملک کے احکامات پر ہونے والے "قتل عام" کے دوران 17 بنگالی افسران کے علاوہ 915 افراد کی ہلاکت اس سفاکانہ رویئے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پاکستانی فوج کے جنرلوں اور سپاہیوں میں بنگالیوں کے لئے نفرت اور حقارت کا احساس عام تھا۔ زبانی ہدایات بھی دی گئی تھیں کہ ہندوؤں کا جڑ سے خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ سالدہ ندی کے علاقے میں 500 افراد کو قتل کر دیا گیا۔ آپریشن کے دوران فوج نے دیہاتوں اور قصبوں کا رخ کیا تو انتہائی بے رحمی کے ساتھ جو شے نظر آئی اسے تباہ و برباد کر دیا۔ جو شخص دکھائی دیا اسے قتل کر دیا۔ ہر طرف آگ لگا دی گئی۔ چنانچہ پسپا ہونے والے باغیوں نے فوج کے اس بہیمانہ سلوک کا بدلہ غیر بنگالیوں سے لیا"۔

بہت سے سول افسران نے بھی اسی قسم کے واقعات بیان کئے۔ ڈھاکہ کے یک سابق ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر محمد اشرف (جن کا یہ کمیشن پہلے بھی ایک موقع پر حوالہ دے چکا ہے) نے ہمیں بتایا :۔

"ملٹری ایکشن کے بعد' بنگالی اپنے ہی وطن میں اجنبی ہو کر رہ گئے۔ ان میں سے کسی کی بھی جان' مال اور عزت محفوظ نہیں تھی۔ لوگوں کو محض شبے کی بنیاد پر گھروں سے اٹھا کر "بنگلہ دیش" روانہ کر دیا جاتا تھا جس کا مفہوم سطور بالا میں بیان کیا

جاچکا ہے یعنی "ماوراء عدالت قتل" ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے ان افراد میں فوج اور پولیس کے افسران' تجارت پیشہ لوگ اور سول افسران سبھی شامل تھے۔ قانون کی حکمرانی کا کوئی وجود نہیں تھا۔ فوج جسے چاہتی گرفتار کر لیتی۔ انٹیلی جنس سے وابستہ آرمی افسران نہ صرف یہ کہ خام اور ناتجربہ کار تھے بلکہ مقامی زبان سے ناآشنا ہونے کے علاوہ انہیں بنگالی عوام کی سخت جان حساسیت کا بھی قطعاً کوئی ادراک نہیں تھا"۔

اس ضمن میں فوج کے سینئر افسران کے رویئے کے بارے میں بریگیڈیئر اقبال الرحمٰن شریف (گواہ 269) نے بتایا کہ جب بھی جنرل گل حسن' فارس یونٹوں کے دورے پر آتے تو سپاہیوں سے یہ سوال ضرور پوچھتے کہ "تم نے کتنے بنگالیوں کو قتل کیا؟" لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان (گواہ 276) نے بھی کم و بیش ایسے ہی واقعات بیان کئے اور کہا "بریگیڈیئر ارباب نے مجھے جوئے دے پور کے تمام گھروں کو تباہ کرنے کے احکامات دیئے۔ بڑی حد تک میں نے ان احکامات پر عملدرآمد بھی کیا۔ ٹھاکر گاؤں اور بوگرہ میں جنرل نیازی نے میرے یونٹ کا معائنہ کیا اور ہم سے پوچھا تم نے اب تک کتنے ہندوؤں کو ہلاک کیا؟ مئی کے مہینے میں ہندوؤں کے قتل کا باقاعدہ تحریری حکم نامہ جاری کیا گیا جس پر 23 ویں بریگیڈ کے بریگیڈیئر عبداللہ ملک کے دستخط تھے"۔

مذکورہ بالا شہادتوں کے اقتباسات کمیشن کے زیر غور الزامات کے حوالے سے عام پوزیشن کی عکاسی کرتے ہیں' چنانچہ اب یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مخصوص امور اور معاملات سے بھی نمٹ لیا جائے جن کی طرف بنگلہ دیشی حکومت نے وزیراعظم پاکستان کی توجہ دلائی ہے اور جن کے بارے میں کمیشن کے روبرو پیش ہونے والے گواہوں نے بھی اشارہ کیا ہے۔

مشرقی پاکستان کی ہریالی کو سرخی میں بدل دو

28 جون 1974ء کو ڈھاکہ میں ہونے والی ایک ملاقات میں بنگلہ دیش کے

وزیراعظم شیخ مجیب الرحمٰن نے پاکستانی وزیراعظم کو شکایتاً بتایا کہ میجر جنرل راؤ فرمان علی نے خود اپنے قلم سے سرکاری کاغذات پر لکھا تھا کہ "مشرقی پاکستان کی ہریالی کو سرخی میں بدلنا ہوگا۔"

شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ وہ ثبوت کے طور پر اس تحریر کی ایک فوٹو کاپی حکومت پاکستان کو فراہم کر دیں گے۔ یہ فوٹو کاپی اس کمیشن کو موصول ہو چکی ہے اور اس باب کے ساتھ منسلک ہے۔ بنگلہ دیشی وزیراعظم کے موقف کی رو سے یہ تحریر پاکستانی افواج اور مارشل لاء انتظامیہ کے ان پیشگی عزائم کی جانب واضح اشارہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں چلنے والی بنگلہ دیش کے قیام کی تحریک کو کچلنے کی غرض سے وسیع پیمانے پر "خوں ریزی" کی جائے گی۔ اس تحریر کو ملٹری آپریشن کے دوران مشرقی پاکستان میں کی جانے والی مبینہ قتل و غارت گری کے ایک واضح ثبوت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کمیشن نے میجر جنرل راؤ فرمان علی سے کہا کہ وہ اپنی اس تحریر کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتائیں کہ کن حالات کے تحت انہوں نے یہ الفاظ لکھے تھے۔ انہوں نے اپنے جواب میں بتایا کہ "مشرقی پاکستان کی ہریالی کو سرخی میں بدلنے کے الفاظ نیشنل عوامی پارٹی کے ایک لیڈر کے جون 1970ء کو ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں ہونے والے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے ادا کئے تھے۔ مارشل لاء حکام کا خیال تھا کہ یہ الفاظ نیشنل عوامی پارٹی کے محمد طہٰ کے ہیں۔ چنانچہ مجھ سے کہا گیا کہ ان سے وضاحت طلب کراتے ہوئے انہیں تنبیہ کر دوں کہ وہ ایسے الفاظ کی ادائیگی سے گریز کریں جو امن عامہ کے لئے ضرر رساں ثابت ہو سکتے ہیں۔ یاددہانی کی غرض سے میں نے یہ الفاظ لیفٹیننٹ جنرل یعقوب (جو اس وقت مشرقی پاکستان کے زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے) سے ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو کے دوران اپنی ٹیبل ڈائری کی پشت پر لکھ لئے تھے کیونکہ یہ جملہ مجھے جنرل یعقوب ہی نے ٹیلیفون پر لکھوایا تھا تاہم طہٰ نے بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ الفاظ اس نے اپنی تقریر کے دوران کہے تھے اور

اس ضمن میں اس نے قاضی ظفر اور راشد میمن کے نام لئے۔ چونکہ یہ دونوں افراد زیر زمین چلے گئے تھے اس لئے میں ان کے خلاف مزید کوئی اقدام نہیں کر سکا"۔ جنرل فرمان نے مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ چونکہ طہ اور اس کے ساتھی کیمونزم کی جانب واضح جھکاؤ رکھتے تھے لہٰذا اس قسم کے الفاظ ان کے اس سیاسی عقیدے اور مقاصد کا اظہار تھے کہ مشرقی پاکستان کو ایک "کیمونسٹ ریاست' میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس کا مقصد خوں ریزی ہر گز نہیں تھا آخر میں میجر جنرل راؤ فرمان نے کہا کہ انہوں نے ان الفاظ کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ہو سکتا ہے نئے سال کی ٹیبل ڈائری تبدیل کرتے وقت پرانے سال کی ڈائری ان کے بنگالی پرسنل اسسٹنٹ کے ہاتھ لگ گئی ہو! بنگلہ دیشی حکومت کی جانب سے یہ لگتا ہے کہ خاص قسم کے رائٹنگ پیڈ پر یادداشت یاددہانی گورنرز سیکٹریٹ 'ایسٹ پاکستان" کے الفاظ تحریر ہیں۔ اس کے بعد کچھ متفرق نوعیت کی مختصر معلومات ہیں جن کا بظاہر ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

"سراج اقبال ہا' ڈی۔ سی"

مندرجہ بالا الفاظ کے نیچے روشنائی سے ایک خط کھنچا ہوا تھا۔ اس کے نیچے یہ الفاظ لکھے تھے "طہ اور دوسرے لوگوں کے خلاف کیس" ان الفاظ کے بعد چیف جسٹس کا ٹیلی فون نمبر لکھا تھا اور کسی جگہ کے بارے میں کچھ اندراجات تھے اور پھر کرامت 'نام لکھا تھا اس کے بعد متعلقہ الفاظ لکھے تھے اور ان کے گرد کالی روشنائی سے ایک دائرہ سا کھینچا گیا تھا۔ ان الفاظ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

3 2۔ اس دستاویز کو دیکھنے کے بعد ہمارے ذہن میں اس بارے میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہ کاغذ ایک رائٹنگ پیڈ یا ٹیبل ڈائری کے طور پر استعمال کیا گیا تھا جس پر جنرل نے اپنے کام کے دوران کچھ نوٹس لکھے تھے۔ اسی صفحے پر الفاظ "طہ اور دوسروں کے خلاف کیس" تحریر ہونے سے میجر جنرل فرمان علی کے اس بیان کو

تقویت ملتی ہے کہ جنرل نے یہ الفاظ اسی سلسلہ میں لکھے تھے تاکہ اسے اس وقت یاددہانی ہو جائے جب وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ہدایت پر طہ سے ملے۔ اس نوٹ کو جنرل فرمان علی کے مشرقی پاکستان کی سرزمین پر خون بہانے کے ارادہ سے تعبیر کرنا بالکل خیالی بات ہے۔ جنرل کی طرف سے دی جانے والی وضاحت درست معلوم ہوتی ہے۔

دسمبر 1971ء کے دوران دانشوروں کا مبینہ قتل

24۔ اس معاملے کو بھی شیخ مجیب الرحمٰن نے وزیر اعظم کے ساتھ ڈھاکے میں ہونے والی اپنی ملاقات میں اٹھایا تھا میجر جنرل فرمان علی کے مطابق 9 اور 10 دسمبر کی شام کو اسے میجر جنرل جمشید نے ٹیلیفون کیا تھا جو ڈھاکہ ڈویژن' کے "ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے اور ان سے کہا کہ وہ قبل خانہ میں ان کے ہیڈ کوارٹر میں آجائیں۔

ہیڈ کوارٹر پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ وہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی ہیں۔ میجر جنرل جمشید ایک گاڑی میں سوار ہو رہے تھے انہوں نے میجر جنرل فرمان علی سے بھی اس گاڑی میں آنے کو کہا' وہ دونوں مشرقی کمان کے ہیڈ کوارٹر جنرل نیازی سے ملنے جا رہے تھے۔ راستے میں میجر جنرل جمشید نے میجر جنرل فرمان علی کو بتایا کہ وہ کچھ لوگوں کو گرفتار کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں جنرل فرمان علی نے اس کی مخالفت کی' جنرل نیازی کے ہیڈ کوارٹر پہنچنے پر بھی انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا جنرل نیازی خاموش رہے اور میجر جنرل جمشید بھی خاموش رہے۔ میجر جنرل فرمان علی نے بتایا اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہیڈ کوارٹر سے ان کے آنے کے بعد کیا ہوا لیکن ان کے خیال میں مزید کوئی کارروائی نہیں کی گئی جب اس بارے میں جنرل نیازی سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ 9 دسمبر 1971ء کو مقامی کمانڈر ان کے پاس ایک فہرست لائے تھے جس میں دہشت گردوں کے نام تھے ان میں مکتی باہنی کے سربراہ کا نام بھی تھا مگر

کسی دانشور کا نام نہیں تھا۔ انہوں نے انہیں گرفتار کرنے سے منع کر دیا تھا انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ 9 دسمبر 1971 کو یا اس کے بعد کسی دانشور کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔

25۔ میجر جنرل جمشید کا بیان تھوڑا سا مختلف تھا۔ انہوں نے بتایا کہ 9 اور 10 دسمبر کو جنرل نیازی نے ڈھاکہ شہر میں بغاوت ہونے کے خطرے کا اظہار کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اس فہرست کے مطابق کچھ لوگوں کو گرفتار کرنے کا جائزہ لیں جو پہلے سے مختلف ایجنسیوں یعنی مارشل لاء اتھارٹیز اور انٹیلی جنس ایجنسی کے پاس موجود تھی 9 اور 10 دسمبر 1971ء کو ایک کانفرنس کی گئی جس میں متعلقہ ایجنسیوں نے یہ فہرستیں پیش کیں ان کے مطابق جن لوگوں کو گرفتار کیا جانا تھا ان لوگوں کی تعداد دو سے تین ہزار تھی۔ ان کے مطابق گرفتار کئے جانے والے لوگوں کی رہائش' سیکورٹی گارڈز اور بھارتی ایئر فورس کے حملوں سے ان کی حفاظت کے انتظامات مشکل تھے۔ اس لئے انہوں نے جنرل نیازی سے کہا کہ یہ خیال چھوڑ دیا جائے۔ انہوں نے بتایا کہ اس کے بعد اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

26۔ ان جنرلوں کے بیانات سے جن کا اس معاملے سے براہ راست تعلق ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کے ساتھ جنگ کے آخری دنوں میں ڈھاکہ میں عام بغاوت کو روکنے کے لئے عوامی لیگ اور مکتی باہنی کے کچھ رہنماؤں کو گرفتار کرنے کی بات تو ہوئی تھی لیکن اس قت درپیش حالات کی وجہ سے اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ ان حالات میں پاکستانی فوج کے خراب حالات اور ہتھیار ڈالنے کا امکان بھی شامل تھا۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ جب تک بنگلہ دیش کی حکومت کوئی تسلی بخش ثبوت پیش نہ کرے۔ یہ تحقیقات ریکارڈ نہیں کی جاسکتی کہ دسمبر 1971ء میں پاکستانی فوج کی طرف سے دانشوروں یا پیشہ ور لوگوں کو گرفتار کیا گیا اور قتل کیا گیا۔

مشرقی پاکستان کے یونٹس کو غیر مسلح کرنے کے دوران کئے گئے قتل

27۔ کمیشن کے سامنے دی گئی شہادتوں میں یہ الزامات خاص طور پر لگائے گئے ہیں کہ 53 فیلڈ رجمنٹ کے کمانڈنگ افسر کرنل یعقوب ملک، 4 ایسٹ پاکستان رائفلز، 40 فیلڈ امبولینس اور بنگالی ایس ایس جی پرسونل کے غیر مسلح کرنے کے دوران کوملہ کینٹ میں 17 افسران اور 915 جوانوں کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ اس افسر سے وضاحت طلب کی گئی جس میں اس نے اس الزام کی صداقت سے انکار کیا۔ اس نے بتایا کہ مذکورہ بالا یونٹس نے مزاحمت کی تھی جس کے نتیجے میں دونوں طرف ہلاکتیں ہوئیں۔ اس نے مزید بتایا کہ اپریل 1971ء میں جب حالات مستحکم ہو گئے تو بہت سے بنگالی فوجی، جنہیں بغیر مسلح کر دیا گیا تھا اور بیرکوں میں نظر بند رکھا گیا تھا، 9 ڈویژن کے ہیڈ کوارٹر میں حاضر ہو گئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مارچ 1971ء کے اختتام پر غیر مسلح کرنے کی کارروائی کے دوران کوئی قتل نہیں ہوئے۔

28۔ کمیشن کے سامنے اسی طرح کے الزامات، رنگ پور میں 29 کیولری کو غیر مسلح کرنے کے موقع پر لگائے گئے ہیں حالانکہ اس موقع پر قتل کئے جانے والے افراد کی تعداد صرف دو افسر اور 30 جوان بتائی گئی ہے۔ کمانڈنگ افسر بریگیڈیئر صغیر حسین سے جواب طلب کیا گیا تو انہوں نے اس الزام سے انکار کیا اور کہا کہ سوائے ایسے چند لوگوں کے جو بھاگ گئے یا چھٹی سے واپس نہیں آئے باقی تمام لوگ مشرقی کمان کے تحت حفاظت کے ساتھ مغربی پاکستان بھیج دیے گئے تھے اور بعد میں انہیں مشرقی پاکستان کے دوسرے لوگوں کے ساتھ بنگلہ دیش بھیج دیا گیا۔

29۔ ان الزامات کے بارے میں کمیشن کے سامنے فیصلہ کن ثبوت نہیں پیش کئے گئے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ غیر مسلح کرنے کے دوران ایسی ہلاکتوں کے اور بھی

واقعات پیش آئے ہوں۔ کمیشن کا خیال ہے کہ آرمی اتھارٹیز کو اس سلسلے میں مکمل تحقیقات کرنی چاہئے تاکہ حقیقت سامنے آسکے اور ذمہ داری کا تعین کیا جاسکے۔

"مظالم کی انتہا"

یکم مارچ سے 16 دسمبر 1971ء تک مشرقی پاکستان میں جو حالات وقوع پذیر ہوئے ان کے دوران عوامی لیگ عسکری پسندوں اور بعد میں پاکستانی فوج نے جو قتل اور غارتگری کی اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنا مشکل ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھی جائے کہ 25 مارچ 1971ء کے فوجی اقدام کے بعد بھی بھارتی مداخلت کاروں اور مکتی باہنی کے دہشت گردوں نے جنہیں عوامی لیگ کی پشت پناہی حاصل تھی مشرقی پاکستان کے پرامن دیہاتوں میں حملے کر کے قتل زنا اور لوٹ مار جاری رکھی اس کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ سراسیمگی اور بدنظمی پھیلا کر افراتفری پیدا کی جائے بلکہ اس کا مقصد مشرقی پاکستان کے ان باشندوں کو سزا بھی دینا تھا جنہوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں پر جو مظالم ڈھائے گئے ان کا اندازہ لگاتے وقت اس دوران عوامی لیگ کے دہشت گردوں کی طرف سے اپنے بھائی بہنوں پر جو مظالم کئے گئے اور جو قتل اور بربادی کی گئی وہ بھی ذہن میں رکھی جائے۔

30۔ بنگلہ دیش کے حکام کے مطابق پاکستانی فوج نے 30 لاکھ بنگالیوں کو قتل کیا اور 2 لاکھ مشرقی پاکستانی خواتین سے زنا کیا۔

اس بات کے لئے کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ اعداد و شمار نہایت مبالغہ آمیز ہیں، اگر پوری پاکستانی فوج جو مشرقی پاکستان میں تعینات تھی اور کوئی کام نہ کرتی تب بھی اتنا نقصان نہیں کر سکتی تھی پاکستانی فوج کو مکتی باہنی کے ساتھ مسلسل لڑنا پڑ رہا تھا مداخلت کاروں سے اور بعد میں بھارتی فوج سے بھی لڑنا پڑا۔ اسے سول انتظام بھی چلانا تھا ذرائع رسل و رسائل کو بھی قائم رکھنا تھا اور مشرقی پاکستان کے

سات کروڑ عوام کے لئے غذا بھی مہیا کرنا تھی۔ اس لئے یہ بات واضح ہے کہ یہ اعداد و شمار بالکل خیالی اور مبالغہ آمیز ہیں۔ مختلف بااختیار لوگوں نے مختلف اعداد و شمار پیش کئے ہیں لیکن تازہ ترین اعداد و شمار جی ایچ کیو نے دیئے ہیں جن کے مطابق پاکستانی فوج کے ایکشن میں تقریباً 26 ہزار لوگ مارے گئے۔ اعداد و شمار اس معلومات پر مبنی ہیں جو مشرقی کمان کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہیڈ کوارٹر کو بھیجے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان اعداد و شمار میں بھی مبالغہ آرائی ہو کیونکہ نچلے درجے پر فوجیوں نے بغاوت دبانے کے لئے اپنی کارروائیوں کو بڑھا چڑھا کر رپورٹ کیا ہوگا۔ مصدقہ معلومات کی عدم موجودگی میں کمیشن کی رائے میں جی ایچ کیو کے فراہم کردہ اعداد و شمار کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ انہیں درست تسلیم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مشرقی کمان نے یہ رپورٹس اس وقت بھیجی تھیں جب انہیں کسی جواب طلبی کا خطرہ نہیں تھا۔

شیخ مجیب الرحمٰن کے بار بار لگائے جانے والے ان الزامات کی کہ پاکستانی فوج نے 1971ء میں دو لاکھ بنگالی لڑکیوں کے ساتھ زنا کیا ہے اس وقت حقیقت کھل گئی جب شروع 1972ء میں برطانیہ سے بلائی گئی ابورشن ٹیم نے بتایا کہ انہوں نے 100 سے کچھ ہی زیادہ اسقاط حمل کے کیس نپٹائے ہیں۔

ذمے داری کا تعین

تین برسوں سے یہ بات برابر سنتے چلے آرہے ہیں کہ بنگلہ دیشی حکومت 195 ایسے افراد کی ایک فہرست تیار کر رہی ہے جو ان مظالم اور جرائم کے مرتکب پائے گئے تھے۔ چونکہ اس کمیشن کو یہ فہرست اب تک فراہم نہیں کی گئی لہذا ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس بارے میں کسی بھی قسم کی رائے دے سکیں تاہم یہ بات قطعی واضح ہو چکی ہے۔ ان مظالم اور جرائم کے ارتکاب کی حتمی اور مجموعی ذمے داری جنرل یحییٰ خان، لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ، میجر جنرل مٹھا پر عائد کی جانی چاہیئے۔ تمام

دستیاب شہادتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں 25 مارچ 1971ء کے ملٹری ایکشن سے پہلے جنرل مٹھا خاص طور پر بہت سرگرم اور فعال تھے، جب کہ دوسرے تمام جنرل جن کے نام اوپر دیئے گئے ہیں۔ ڈھاکہ میں جنرل یحیٰ خان کے ہمراہ موجود تھے اور ملٹری ایکشن کی حتمی تاریخ کا تعین کرنے کے بعد جنرل مٹھا کو وہاں چھوڑ کر بڑی خاموشی کے ساتھ مغربی پاکستان لوٹ آئے تھے۔ اس بات کی بھی شہادت موجود ہے کہ لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان، میجر جنرل راؤ فرمان علی اور میجر جنرل خادم حسین ملک بھی، اس ملٹری ایکشن کی منصوبہ بندی میں شریک تھے۔ تاہم اس کمیشن کو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ وہ بھی طاقت کا اندھا دھند استعمال کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کے عوام پر ظلم اور زیادتی کے مرتکب ہوئے تھے۔ اس ملٹری ایکشن کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں فوری ذمہ داری جنرل ٹکا خان پر عائد ہوتی ہے، جنہوں نے 7 مارچ 1971ء کو لیفٹیننٹ جنرل محمد یعقوب سے زونل مارشل لاایڈمنسٹریٹر کے ساتھ ساتھ مشرقی کمان کا چارج لیا۔ اس تاریخ سے لے کر ہتھیار ڈالے جانے کی تاریخ تک مشرقی پاکستان میں موجود تمام فوجی دستے لیفٹیننٹ جنرل نیازی کے آپریشن کنٹرول کے تحت کام کر رہے تھے، جنہوں نے اگست 1971ء میں سول گورنر کی تقرری کے بعد مارشل لاایڈمنسٹریٹر کے اختیارات بھی سنبھال لیئے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں جنرلوں کی کمان میں فوج کی جانب سے کی جانے والی مبینہ زیادتیوں کے ارتکاب کے حوالے سے ذمہ داریوں کا تعین کیسے کیا جائے؟ اس امر کی بہر حال شہادت موجود ہے کہ اس نوعیت کی زیادتیوں کا علم ہونے پر جنرل ٹکا خان نے نہ صرف یہ کہ ان کی ضروری تلافی کر دی بلکہ زیادتی کے ذمہ دار فوجی اہلکاروں کے خلاف ضابطے کی کارروائی بھی عمل میں لائی گئی۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ ان دونوں جنرلوں نے بار بار فوجی دستوں کو تنبیہ جاری کی کہ وہ تشدد اور بغیر اخلاقی حرکات کے ہرگز مرتکب نہ ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کے بھی کچھ

شواہد ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جنرل نیازی کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اور ذاتی اعمال نے قتل اور زنا جبر کے واقعات کو تحریک دی۔ ان مظالم اور زیادتیوں کی براہ راست اور بلاواسطہ ذمہ داری یقیناً ان افسران اور افراد پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے دیدہ و دانستہ اور جان بوجھ کر اس نوعیت کے مظالم اور زیادتیوں کے ارتکاب کو اپنا شعار بنا لیا تھا یہ تمام افسران اور اہلکار نہ صرف مشرقی کمان اور زونل مارشل لاایڈمنسٹریٹر کے تحریری احکامات کی حکم عدولی کے مرتکب ہوئے بلکہ انہوں نے ایسے جرائم کا ارتکاب بھی کیا، جو "آرمی ایکٹ" کے ساتھ ساتھ ملکی قانون کے تحت بھی قابل سزا ہیں۔

"نتائج اور سفارشات"

اب تک ہم نے جو کہا ہے اس سے یہ بات توبخوبی واضح ہے کہ ملٹری ایکشن کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کے عوام زیادتیوں اور مظالم کا شکار ہوئے، تاہم بنگلہ دیشی حکومت نے اس سلسلے میں جو بیانات اور اعداد و شمار پیش کئے ہیں وہ بھی کافی مبالغہ آمیز ہیں کچھ واقعات جن کا حوالہ بنگلہ دیشی حکام نے دیا ہے سرے سے ہوئے ہی نہیں تھے۔ اس قسم کے سنے سنائے اور فرضی واقعات کو بیان کرنے کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے کہ پاکستانی افواج کو بدنام کر کے دنیا بھر کی ہمدردیاں سمیٹی جا سکیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ عوامی لیگ کی بداعمالیوں کے سبب بھی افواج میں شدید اشتعال پیدا ہوا۔ یہ بھی کہا گیا کہ وفاقی حکومت کی اتھارٹی کو بحال کرنے کی غرض سے ملٹری ایکشن کے دوران طاقت کا استعمال ضروری تھا۔ ان تمام عوامل کے باوجود ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ جن افراد کو امن و امان بحال کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ ان کا فرض تھا کہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے صرف اتنی طاقت استعمال کرتے جتنی اس مقصد کے لئے ضروری تھی۔

عوامی لیگ کے جنگ جو عناصر یا دوسرے شورش پسندوں کی جانب سے پیدا

کیا جانے والا اشتعال ہر گز اس بات کا جواز نہیں تھا کہ ایک منظم فوج اپنے ہی عوام کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ پاکستانی افواج کو پاکستانی علاقے میں کارروائی کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ اسے یہ اجازت بہر حال نہیں تھی کہ وہ ایسا کردار ادا کرے، جیسے اسے کسی بیرونی جارحیت کا سامنا ہے یا وہ دشمن کے علاقے میں کارروائی کر رہی ہے! چنانچہ ان مظالم کی وسعت سے قطع نظر، ہماری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ حکومت پاکستان موثر اقدامات کرتے ہوئے ان لوگوں کو قرار واقعی سزا دے جو ان مبینہ مظالم اور زیادتیوں کے مرتکب پائے گئے ہیں۔

"تحقیقات اور مقدمات"

اس کمیشن کے روبرو پیش کئے جانے والے شواہد کی بنیاد پر ہم نے عمومی طور پر ان سینئر کمانڈر اور دیگر افراد کی نشان دہی کی ہے، جو بلاواسطہ طور پر اس عمل کے ذمہ دار تھے۔ تاہم انفرادی طور پر ان ذمہ داریوں کے تعین اور قرار واقعی سزاؤں کا معاملہ پاکستان آرمی ایکٹ اور دیگر متعلقہ ملکی قوانین کے طریقہ کار کے مطابق ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ کمیشن اپنی ان سفارشات کا اعادہ کرتا ہے۔ جو اس نے پہلی رپورٹ کے تیسرے باب کے پانچویں پیراگراف میں پیش کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ایک اعلیٰ اختیاری عدالت یا کمیشن کے ذریعے ان الزامات کی تحقیقات کرائے اور ان لوگوں پر مقدمات چلائے جو نہ صرف ان مظالم کے مرتکب ہوئے بلکہ پاکستانی افواج کو بھی دنیا بھر میں بدنام کیا اور اپنے ہی عوام کے خلاف غیر اخلاقی سرگرمیوں اور ظلم و زیادتی کے نتیجے میں مقامی آبادی کی تمام تر ہمدردیوں سے محروم ہو گئے۔ اگر اس تحقیقاتی عدالت کی کارروائی شائع نہ کی جا سکے تو کم از کم اس کی تشکیل کا عام اعلان ہی کر دیا جائے تاکہ قومی ضمیر اور بین الاقوامی رائے عامہ کو مطمئن کیا جا سکے۔ کمیشن کا خیال ہے کہ اب پاکستان میں کافی شہادتیں دستیاب ہیں، جن کی مدد

سے اس ضمن میں کامیاب تحقیقات کی جا سکتی ہیں۔ چونکہ پاکستان بنگلہ دیش کی حکومت کو سرکاری طور پر تسلیم کر چکا ہے لہٰذا اب بنگلہ دیشی حکام سے بھی درخواست کی جا سکتی ہے کہ وہ اس تحقیقاتی عدالت کو تمام دستیاب شواہد ارسال کر دے۔

"چند سینئر آرمی کمانڈرز کی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں"

اپنی پہلی رپورٹ کے پانچویں حصے کے باب اول دوم اور پنجم میں ہم نے ان واقعات اور اسباب کے اخلاقی اور انضباطی پہلوؤں کا ایک جائزہ لیا ہے، جو 1971ء میں پاکستانی افواج کی شکست کا باعث تھے۔ اس ضمن میں ہم نے چند سینئر فوجی افسران کی انفرادی ذمہ داریوں کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ اس ضمن رپورٹ کے پہلے دو ابواب میں ہم نے ان پہلوؤں پر مزید گفتگو کی ہے اور مشرقی پاکستان میں تعینات چند فوجی افسران کے رویوں پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ تاہم یہ سوال اب بھی اپنی جگہ بر قرار ہے کہ آیا ان سینئر فوجی افسران کے خلاف مشرقی پاکستان میں ہونے والی جنگ کے دوران اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی ادائیگی میں ناکامی اور غفلت کے حوالے سے کوئی انضباطی کارروائی کی جا سکتی ہے؟

"تادیبی کارروائی کی نوعیت"

مشرقی پاکستان میں تعینات چند سینئر افسروں کی طرف سے غفلت اور کوتاہی کے مظاہرے کے پیش نظر ہم نے اس تادیبی کارروائی کے بارے میں غور کیا جو ان کے خلاف کی جانی چاہئے۔ ہم نے دیکھا کہ پاکستان آرمی ایکٹ 1952ء میں کئی ایسی دفعات ہیں جو براہ راست اس سے متعلق ہیں سب سے پہلے تو دفعہ 24 ہے جو مندرجہ

ذیل ہے۔

"دشمن سے متعلق جرائم جن کی سزا موت ہے" کوئی بھی شخص جو مندرجہ ذیل میں سے کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔

(a) شرمناک طور پر کسی گریژن، قلعہ، ایئر فیلڈ، کسی جگہ، پوسٹ یا گارڈ کو جو اس کے چارج میں ہو یا جس کا دفاع کرنا اس کی ذمہ داری ہے، چھوڑ دیتا ہے یا ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس سے کمانڈنگ افسر یا اور کوئی شخص اس طرح کا عمل کرنے پر مجبور یا راغب ہو جائے یا

(b) دشمن کی موجودگی میں اپنے ہتھیار، امونیشن، اوزار یا سامان پھینک دیتا ہے یا اس طرح کا طرز عمل اختیار کرتا ہے جس سے بزدلی ظاہر ہو۔

(c) جان بوجھ کر ایسا لفظ یا طریقہ استعمال کرتا ہے جس سے کوئی ایسا شخص جس پر اس ایکٹ کا یا انڈین ایئر فورس ایکٹ 1932ء یا پاکستان ایئر فورس ایکٹ 1953ء یا پاکستان نیوی آرڈیننس 1961ء کا اطلاق ہوتا ہو، دشمن کے خلاف کارروائی نہ کرنے پر مجبور یا راغب ہو جائے یا ایسے شخص کی دشمن کے خلاف کارروائی کرنے کی ہمت شکنی کرے یا۔

(d) بالواسطہ یا بلاواسطہ دشمن کے ساتھ خط و کتابت کرتا ہے یا اسے خفیہ معلومات بہم پہنچاتا ہے یا جو شخص ایسی خط و کتابت یا خفیہ معلومات کی فراہمی اپنے علم میں آنے کے باوجود اپنے کمانڈنگ افسر یا دوسرے اعلیٰ افسر کو نہیں بتاتا۔

(e) بالواسطہ یا بلاواسطہ دشمن کی اسلحہ امونیشن، آلات، سپلائز یا رقم کے ذریعے دشمن کی مدد کرتا ہے یا جان بوجھ کر دشمن کی حفاظت کرتا ہے اگر وہ قیدی نہ ہو یا

(f) غداری یا بزدلی کی وجہ سے دشمن کو امن کا جھنڈا پیش کرے۔

(g) جنگ کے دوران یا کسی آپریشن کے درمیان جان بوجھ کر ایکشن میں، کیمپ، گریژن یا کوارٹرز میں کوئی غلط خوف پیدا کر دے یا ایسی خبریں پھیلائے جس سے

خوف اور مایوسی پیدا ہو یا

(h) یا ایکشن کے دوران اپنے کمانڈنگ افسر کو چھوڑ دے یا اپنی پوسٹ، گارڈ، پکیٹ، پیٹرول، یا پارٹی کو بغیر باقاعدہ سبکدوش ہوئے یا بغیر چھٹی کے چھوڑ دے یا

(i) جنگی قیدی بن جانے کے بعد رضاکارانہ طور پر دشمن کی خدمت کرے یا اس کی مدد کرے یا

(j) اپنی ملازمت کے دوران جان بوجھ کر ایسا عمل کرے جس سے پاکستانی افواج کی کامیابی خطرے میں پڑ جائے تو کورٹ مارشل کے بعد اسے موت کی یا ایکٹ میں دی گئی اس سے کم سزا دی جائے گی۔

3۔ دفعہ 25 بھی اس سے متعلق ہے جو مندرجہ ذیل

25۔ دشمن سے متعلق ایسے جرائم جن کی سزا موت نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص جس پر ملازمت کے دوران اس ایکٹ کا اطلاق ہوتا ہے۔

(a) اپنے افسر کے حکم کے بغیر کسی قیدی، جانور یا سامان حاصل کرنے کے لئے یا کسی زخمی فوجی کو پیچھے لے جانے کے بہانے سے اپنی جگہ چھوڑتا ہے یا

(b) اپنے سپیریئر افسر کے حکم کے بغیر جان بوجھ کر کسی جائیداد کو نقصان پہنچاتا ہے یا برباد کر دیتا ہے یا

(c) احتیاط نہ برتنے سے یا حکم عدولی کرنے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر ڈیوٹی سے غافل رہنے کی وجہ سے قیدی بنالیا جاتا ہے یا قیدی بنائے جانے کے بعد جب وہ اس لائق ہوتا ہے کہ فوج میں واپس آجائے اور واپس نہیں آیا۔

(d) بغیر کسی اختیار کے دشمن کے ساتھ خط و کتابت کرتا ہے یا خفیہ معلومات پہنچاتا ہے یا دشمن کو امن کا جھنڈا بھیج دیتا ہے یا

(e) زبان سے یا لکھ کر یا اشاروں کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے ایسی اطلاعات پھیلاتا ہے جن سے خوف اور مایوسی پیدا ہو یا

(f) یا ایکشن کے دوران یا ایکشن شروع ہونے سے پہلے ایسے الفاظ استعمال کرے جن سے خوف اور مایوسی پھیلے تو اسے کورٹ مارشل کے بعد 14 سال تک کی مدت کی قید بامشقت ہو سکتی ہے یا اس ایکٹ کے مطابق اس سے کم سزا بھی ہو سکتی ہے۔

4۔ آخر میں دفعہ 55 ہے جو عام نوعیت کی ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ

"55 ڈسپلن اور نظم و ضبط کی خلاف ورزی۔ کوئی بھی شخص جس پر اس ایکٹ کا اطلاق ہوتا ہو۔ اگر کسی عمل، طرز، عمل، بد نظمی اور فوجی ڈسپلن کا مجرم ہوتا ہے تو کورٹ مارشل کے بعد اسے 5 سال تک کی قید بامشقت کی یا اس ایکٹ کے مطابق اس سے کم سزا دی جا سکتی ہے"۔

5۔ ہم کو اس بات کا احساس ہے کہ جنگ میں شکست جس کے نتیجے میں ہتھیار بھی ڈالنے پڑیں فوجی جرم کی حیثیت سے قابل سزا نہیں ہے جب تک کہ متعلقہ کمانڈر نے جان بوجھ کر یہ جاننے میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت نہ برتی ہو کہ دشمن کے کیا ارادے ہیں؟ کتنی قوت ہے؟ اپنے وسائل کیا ہیں، زمین کیسی ہے وغیرہ یا آپریشن کی منصوبہ بندی کرنے اور عملدرآمد میں غفلت نہ کی ہو یا جان بوجھ کر ایسا ایکشن کرنے میں ناکام رہا ہو جو ان حالات میں ضروری تھا"۔

جنگ کے تسلیم شدہ اصولوں اور ٹیکنیک سے انحراف قابل سزا غفلت کے مترادف ہوگا اور اسے اندازہ لگانے کی غلطی کہہ کر معاف نہیں کیا جا سکتا۔ کسی ضرورت کے موقع پر مناسب اقدام لینے میں جان بوجھ کر غفلت برتنے کو یہ کہہ کر چھپایا نہیں جا سکتا کہ اس کے سپیریئر افسر نے وقت پر مشورہ نہیں دیا تھا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہر کمانڈر کے اندر اس کے رتبے کے مطابق کیلیبر اور خوبیاں ہونی چاہئیں اور اسے تمام اعمال اور کوتاہیوں کا ذمہ دار ہونا چاہئے جن کے نتیجے میں جنگ میں شکست ہوئی جو واضح طور پر اس کی طرف سے صحیح وقت پر صحیح اقدام نہ اٹھانے کی وجہ سے ہوئی اور یہی صورت اس سے مختلف ہے کہ حالات اس کے بس سے باہر تھے۔ وہ اس صورت

میں بھی قابل سزا ہوگا اگر وہ جنگ کرنے میں ارادے کی کمی کا اظہار کرے اور ایسے موقع پر دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دے جب اس کے پاس مقابلہ کرنے کی اہلیت اور وسائل موجود ہوں۔ اس طرح کا اقدام واضح طور پر پاکستان آرمی ایکٹ کی دفعہ 24 کی ذیلی دفعہ (a) کے تحت آتا ہے۔

مقدمہ چلانے اور سزا دینے کی ضرورت اور جواز معاشرے کے تمام طبقات، پیشوں اور سروسز سے تعلق رکھنے والے گواہوں کے بیانات سننے کے بعد کمیشن یہ محسوس کرتا ہے کہ اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ آرمی کے سینئر افسران کے خلاف کارروائی کرنے کی لازمی ضرورت ہے جن کی پیشہ ورانہ نااہلی، قابل سزا غفلت اپنے فرائض سے دانستہ انحراف اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے وسائل اور صلاحیت موجود ہونے کے باوجود بزدلی کی وجہ سے جنگ سے منہ موڑنے کی وجہ سے پاکستان کی ذلت ہوئی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارا خیال ہے کہ ان کے لئے ملازمت سے ریٹائرمنٹ کافی نہیں ہے بلکہ مناسب اور سخت تادیبی کارروائی کرنا ضروری ہے تاکہ 1971ء میں وقوع پذیر ہونے والے شرمناک واقعات کا مستقبل میں اعادہ نہ ہو سکے ہمارا یقین ہے کہ اس طرح کی کارروائی سے نہ صرف قوم کا یہ مطالبہ پورا ہو جائے گا کہ جہاں ضروری ہے وہاں سزا دی جائے بلکہ اس سے پیشہ ورانہ احتساب کے تصور کی اہمیت بھی واضح ہوگی جسے سینئر افسران نے اس وقت سے بالکل بھلا دیا ہے جب سے وہ سیاست سول ایڈمنسٹریشن اور مارشل لاء کے فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہے ہیں۔

"وہ کیسز جن پر "کورٹ مارشل" ہو سکتا ہے"

موجودہ رپورٹ کے تیسرے حصے میں ہم نے کچھ حد تک جنرل نیازی کی اختیار کردہ اس حکمت عملی کا جائزہ لیا ہے جس کے تحت انہوں نے مشرقی پاکستان کے

دفاعی منصوبے تشکیل دیئے اور جن پر انہوں نے موجودہ وسائل کے ہمراہ اپنے ڈویژنل اور بریگیڈ کمانڈرز کے ساتھ عملدر آمد کیا۔ اس کے بعد ہم نے' ان اہم واقعات کو بیان کیا ہے جن کا تعلق اپنے مضبوط اور بہترین دفاعی قلعوں اور مورچوں کو بغیر مقابلہ کئے دشمن کے حوالے کر دینے سے ہے۔ اس کے علاوہ ایک ڈویژنل کمانڈر کی جانب سے اپنی ذمہ داری کے علاقے کو دشمن کے سپرد کر دینا' کچھ چوکیوں سے دستبردار ہوتے وقت' بریگیڈز اور بٹالین میں مکمل رابطوں کا فقدان اور تمام انسانی نیز فوجی قدروں کو پامال کرتے ہوئے اپنے زخمی اور بیمار سپاہیوں کو چھوڑ دینا بھی ہمارے اس جائزے میں شامل تھا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ کس طرح ہماری مشرقی کمان بھارت کے ساتھ ایک مکمل جنگ کی منصوبہ بندی میں ناکام ہو گئی اور خاص طور پر ڈھاکا جو مشرقی پاکستان کا اہم سیاسی اور فوجی مرکز تھا' دشمن کے ہاتھوں جانے میں ناکام ہو گئی۔
ہم نے ان دردناک واقعات کو بھی بیان کیا ہے جن کے نتیجے میں اس وقت اتنی بڑی تعداد میں پاکستانی فوج نے بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے جب کہ پاکستانی فوج ابھی اس قابل تھی کہ مزید دو ہفتے تک مزاحمت جاری رکھ سکتی تھی۔ اس تناظر میں ہم نے یہ بات بھی خاص طور پر نوٹ کی ہے کہ مشرقی کمان نے بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے قبل تمام پاکستانی فوج کو فوجی ساز و سامان تباہ کرنے سے روک دینے کے احکامات جاری کئے تھے . . . . اس کے علاوہ بھارتی فوج کے جنرلوں کی موجودگی میں ہتھیار ڈالے جانے کی رسمی تقریب کے دوران مشرقی کمان کے کمانڈرز کا حقیر اور شرمناک رویہ بھی ہم نے خاص طور پر نوٹ کیا۔ آخر میں ہم نے اس پر بھی غور کیا کہ جبل پور (بھارت) میں اپنی قید کے دوران کس طرح جنرل نیازی نے دھونس اور دھمکیوں سے کام لیتے ہوئے اپنے ساتھ قید ماتحت کمانڈرز کو مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ اس جنگ کے حوالے سے ایک ہی کہانی دہرائیں تاکہ وہ اپنی ذمے داریوں کے مواخذے سے بچ سکیں۔ ان واقعات کا تجزیہ

کرتے ہوئے جن کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں ہماری افواج نے بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور پاکستان آرمی ایکٹ کی متعلقہ دفعات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں اور سفارش کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل سینئر فوجی افسران کا کورٹ مارشل' ان سے متعلقہ الزامات کے مطابق کیا جانا چاہیے۔

(1) لیفٹیننٹ جنرل اے۔ اے۔ کے نیازی' کمانڈرز' ایسٹرن کمانڈ: بھارت سے ایک مکمل اور بھرپور جنگ کے ناگزیر امکان کو سمجھنے میں ناکامی' ہر چند کہ اس کے تمام آثار اور علامات موجود ہیں' جن میں بھارتی وزیر اعظم کے اعلانات اور دیگر اہم بھارتی سرکاری حکام کے بیانات کے علاوہ اگست 1971ء میں ہونے والا روس' بھارت معاہدہ مشرقی پاکستان کی سرحدوں اور اس کے اطراف میں آٹھ ڈویژن بھارتی فوج' بھارتی فضائیہ کے 11 اسکواڈرن اور بھارتی بحریہ کی بہت بڑی ٹاسک فورس کا اجتماع اور جنرل ہیڈ کوارٹر کو معتبر انٹیلی جنس ذرائع سے ملنے والی اطلاعات پر مبنی یہ واضح وارننگ کہ بھارت' مشرقی پاکستان پر حملے کا منصوبہ بنا رہا ہے' شامل تھیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے فوجی دستوں کو اگلے مورچوں پر مستقل طور پر تعینات کرتے گئے حالانکہ کھلی ہوئی بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی غرض سے فوجوں کی یہ تعیناتی دفاعی اعتبار سے غیر موزوں اور غیر سود مند ہو چکی تھی۔

2- ان میں اس پیشہ وارانہ مہارت' دور اندیشی اور ہمت و حوصلے کا یکسر فقدان تھا' جس کی توقع ان جیسے عہدے پر فائز' ایک سینئر اور تجربہ کار فوجی کمانڈر سے کی جاتی ہے' وہ یہ حقیقت بھی سمجھنے سے بالکل قاصر رہے کہ ان کو تفویض کردہ مشن کا اولین اور بنیادی مقصد' مشرقی پاکستان کے مختلف حصوں میں رونما ہونے والی شورش اور بغاوت پر قابو پا کر اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ باغی اور شورش پسند افراد' علاقے کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر بھی قبضہ کر کے' بنگلہ دیش کے قیام کا اعلان نہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ 21 نومبر 1971ء کے آس پاس کی گئی بھارت کی کھلی جارحیت کا اندازہ

لگانے میں بھی وہ قطعاً ناکام رہے۔ بھارت کی اس جارحیت کے بعد ان کے مشن کا اہم ترین مقصد ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس بیرونی حملے کے خلاف مشرقی پاکستان کے چپے چپے کا دفاع کرتے ہوئے اس کی سلامتی اور یک جہتی کو یقینی بناتے۔ تاہم وہ ان تمام فرائض کی ادائیگی میں مکمل طور پر ناکام رہے، جس کے انتہائی ہولناک نتائج بر آمد ہوئے۔

3- بھارتی حملے اور جارحیت کے خلاف، پاکستان فوج کی قلعہ بندیوں اور مورچوں کے قیام میں انہوں نے انتہائی غلط حکمت عملی کا سہارا لیتے ہوئے، مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا، وہ ان تکنیکی مضمرات کو بھی سمجھنے میں یکسر ناکام رہے، جن کا تعلق وجی دستوں کے درمیان باہمی تعاون و امداد اور دشمن کے پسپا ہونے پر، تازہ کمک کی فراہمی کے ذریعے، اس پر قابو پانے سے تھا . . . اس کے علاوہ دشمن سے مقابلے کے دوران مقامی آبادی کو بھی انہوں نے فوج کے خلاف کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ بر آمد ہوا کہ انہیں مجبوراً ہتھیار ڈالنے پڑے، حالانکہ 16 دسمبر 1971ء تک ان کی متعدد قلعہ بندیاں اور مورچے جوں کے توں محفوظ تھے۔

4- انہوں نے ایک اور غفلت مجرمانہ کا ارتکاب کرتے ہوئے 1971ء کو جاری کی جانے والی اپنی آپریشنل ہدایات نمبر 4، مجریہ 15 جولائی 1971ء میں ایسی کوئی ہدایت شامل نہیں کی جس کا فوری تعلق ایک واضح منصوبہ بندی کے تحت، پاکستانی فوجی دستوں کو، پس قدمی کے ذریعے، دریائی رکاوٹوں کے عقب میں لے جانے سے تھا تاکہ بھارت کے شدید فوجی حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے "ڈھاکہ ٹرائی اینگل" کا دفاع کیا جا سکتا۔ اس طرح دشمن صرف ایک ایسے علاقے پر قبضہ کر سکتا تھا، جو انتہائی غیر اہم تھا اور یوں مشرقی پاکستان دشمن کے قبضے میں جانے سے بچ جاتا۔

5- حقیقت یہ ہے کہ بدترین غفلت اور لاپروائی کے نتیجے میں وہ ڈھاکہ کے دفاع کی کوئی مثبت منصوبہ بندی کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئے۔

6- وہ "جنرل شپ" اور بالغ نظری کے ساتھ فیصلے کرنے کی صلاحیت سے

بھی یکسر محروم تھے۔ انہوں نے بیک وقت اپنے تمام ماتحت کمانڈروں کو اگلے مورچوں کی دفاعی پوزیشنوں پر تعینات کر دیا تاکہ وہ دشمن کی خالی کی ہوئی بندیوں اور چوکیوں پر قبضہ کر لیں تاہم، انہوں نے کسی بھی پوزیشن سے 75 فیصد جانی نقصان اٹھائے بغیر پسپائی کے احکامات صادر نہ کئے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارمیشن کمانڈرز نے بد حواسی میں ایسے اقدامات کرنا شروع کر دیے، جو اس آپریشن کو کامیابی سے جاری رکھنے کے حوالے سے انتہائی ضرر رساں تھے، جن کی وجہ سے غیر ضروری جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ دشمن کے دباؤ کے نتیجے میں کسی واضح منصوبہ بندی کے بغیر کی جانے والی پس قدمی کے نتیجے میں افواج میں افراتفری اور بد نظمی پھیل گئی۔

7- انہوں نے فن حرب کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، 53 بریگیڈ کو ڈھاکہ سے کوچ کا حکم دے کر مجرمانہ غفلت اور لاپروائی کا مظاہرہ کیا، جس کے نتیجے میں ڈھاکہ شہر فوجی دستوں سے خالی ہو گیا، جو "ریزرو کور" کے طور پر رکھے گئے تھے۔ ان کا یہ اقدام 19 نومبر 1971ء کو جنرل ہیڈ کوارٹر کی جانب سے کرائی گئی اس یقین دہانی کا نتیجہ تھا کہ مزید فوجی دستوں کو مشرقی پاکستان روانہ کیا جا رہا ہے۔

8- انہوں نے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹرانسپورٹ اور فیریز وغیرہ کے تسلی بخش انتظامات کا کوئی خیال نہیں رکھا، جس کے نتیجے میں، اگلے مورچوں سے اپنے فوجی دستوں کو واپس بلا کر ڈھاکہ کے دفاع کی ساری کوششیں ناکامی سے دوچار ہوئیں اور جو فوجی دستے ڈھاکہ پہنچنے میں کامیاب ہو بھی گئے، تو وہ بھاری اسلحہ اپنے ہمراہ نہ لا سکے اور واپس آتے ہوئے انہیں خاصا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

(9) وہ عیارانہ طور پر ڈھاکہ کے دفاع میں ناکام رہے اور قبل از وقت ہی انتہائی شرمناک انداز میں بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہو گئے، حالانکہ کمیشن کے روبرو وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ ایک بڑے اور فیصلہ کن حملے کی تیاری کے لئے بھارت کو کم از کم ایک ہفتے کی مدت درکار تھی اور مزید ایک ہفتہ اسے ڈھاکہ کے

دفائی حصار کو توڑنے میں صرف ہوتا۔ ان حقائق کے باوجود وہ اپنی ناقص حکمت عملی اور منصوبہ بندی کے نتیجے میں دشمن کے مقابل ناکافی نفری اور اسلحہ' فضائیہ کی جانب سے کسی قسم کی مدد کی عدم موجودگی اور ڈھاکہ کے علاوہ اطراف و جوانب میں بھی مکتی باہنی کی موجودگی کا کوئی ادراک نہ کر سکے اور شکست تسلیم کرتے ہوئے بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

(10) دیدہ و دانستہ اور بڑی عیاری کے ساتھ وہ جنرل ہیڈ کوارٹرز کو غیر ضروری طور پر ایسی مایوس کن اور تشویش ناک رپورٹس ارسال کرتے رہے تاکہ اس سے ہتھیار ڈالنے کی اجازت لی جا سکے۔ اپنے مجموعی جنگی معاملات کی بدانتظامی' نیز اپنے ماتحت کمانڈروں کے حوصلے کو قائم رکھتے ہوئے ان کی قیادت کرنے کی صلاحیت سے محرومی کے سبب وہ چھ یا سات دسمبر 1971ء ہی کو جنگ آزمائی کے ارادوں سے دستبردار ہو چکے تھے۔

(11) ہتھیار ڈالنے کے نتیجے میں پاکستانی فوج کے قیمتی اسلحے اور ہتھیاروں کی ایک بہت بڑی تعداد بھارتی فوج کے ہاتھ لگ گئی۔ اس عمل کے پس پردہ کون سے عوامل اور محرکات تھے' یہ سمجھنا دشوار ہے تاہم جنرل ہیڈ کوارٹرز کے 10 دسمبر 1971ء کو دیئے جانے والے واضح سگنل کے مطابق یہ اسلحہ اور ہتھیار جوں کے توں بھارتی افواج کے ہاتھوں میں نہیں پہنچنے چاہئے تھے۔ یہ اقدام جنرل ہیڈ کوارٹرز کی جاری کردہ ہدایات کی کھلی خلاف ورزی تھی۔

(12) خود اپنی جانب سے بھارتی کمانڈر انچیف کو جنگ بندی کی پیشکش کرنے کے باوجود انہوں نے نہایت حقارت آمیز اور شرمناک انداز میں ہتھیار ڈالنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی. . . . ہتھیار ڈالے جانے کی دستاویز پر دستخط . . . . بھارتی افواج کی مشترکہ کمان اور مکتی باہنی کے سامنے ہتھیار رکھنے . . . . فاتح بھارتی جنرل اروڑہ کے خیر مقدم کی غرض سے ڈھاکہ ائیرپورٹ پر موجودگی اور اپنے اے ڈی سی کو یہ حکم دیا کہ وہ جنرل اروڑہ کو "گارڈ آف آنر" پیش کرے اور اس بھارتی تجویز کی حمایت اور منظوری کے ہتھیار ڈالنے کی یہ تقریب کھلے عام منعقد کی جائے . . . . ان کی جانب سے کی گئی یہ تمام حرکات اور اقدامات پاکستانی افواج کے ماتھے پر دائمی کلنک کا ٹیکہ ہیں۔

(13) وہ بدعنوانی کے بھی مجرم قرار دیئے جاتے ہیں کہ ایک اعلیٰ فوجی افسر اور سینئر کمانڈر ہونے کے باوجود وہ غیر اخلاقی اور رسوا کن جنسی حرکات کے علاوہ مشرقی پاکستان سے پان کی اسمگلنگ میں بھی ملوث تھے' جس کا لازمی نتیجہ یہ بر آمد ہوا کہ ان کے ماتحت افسران کے دل میں ان کا کوئی احترام اور عزت باقی نہ رہی' ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا' جس کی وجہ سے ان کے ماتحت افسران کے ڈسپلن اور اخلاقی معیار پر بھی منفی اثرات مرتب ہوئے۔

(14) بھارت کے شہر جبل پور میں جنگی قیدی کی حیثیت سے اپنی حراست کے دوران' نیز تبادلے میں پاکستان واپسی کے بعد بھی وہ مسلسل ان کوششوں میں مصروف رہے کہ اپنے ڈویژنل اور بریگیڈ کمانڈروں کو دھونس' دھاندلی اور ترغیب کے ذریعے اس بات پر آمادہ کر سکیں کہ اصل حقیقت پر پردہ ڈالتے ہوئے جی ایچ کیو بریفنگ کمیٹی اور تحقیقاتی کمیشن کے روبرو مشرقی پاکستان میں پیش آنے والے واقعات میں رنگ آمیزی کرتے ہوئے انہیں اس طرح پیش کیا جائے کہ شکست کی ذمے داری ان پر عائد نہ کی جا سکے اور . . . .

۔پاکستان واپسی کے بعد انھوں نے دیدہ دانستہ یہ مبالغہ آمیز اور غیر دیانت دارانہ موقف اختیار کیا کہ وہ تو جنگ جاری رکھنے کی خواہش اور صلاحیت رکھتے تھے لیکن جنرل یحییٰ خان نے انہیں حکم دیا کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں لہٰذا ایک فرض شناس افسر ہونے کے ناتے ان کے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں تھا کہ وہ ان احکامات کی تعمیل کریں۔

2میجر جنرل محمد جمشید سابق جوئیر آفیسر

کمانڈنگ 36 (ایڈہاک) ڈویژن' ڈھاکہ

1۔انہیں جنرل آفیسر کمانڈنگ 36 (ایڈہاک) ڈویژن مقرر کیا گیا تھا' جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ 14 ڈویژن سے ڈھاکہ کے دفاع کی اہم ذمے داری سنبھال لیں' تاہم فن حرب کے مسلمہ اصولوں کے مطابق وہ اپنی منصوبہ بندی میں ناکام ہو گئے اور اس ضمن میں انھوں نے کم ہمتی کا مظاہرہ کیا۔

2-اپنی مذکورہ بالا حیثیت میں جنرل نیازی سے متعدد ملاقاتوں کے دوران ڈھاکہ کے دفاع کی غرض سے انھوں نے اپنے محدود اور ناکافی وسائل کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہوئے 19 نومبر 1971ء کے بعد ان کا ذکر کرنا ضروری سمجھا' جب 53 بریگیڈ کو ڈھاکہ سے فینی بھیج دیا گیا تھا۔

3-انھوں نے غیر معمولی غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر کسی پیشگی منصوبہ بندی کے 93 بریگیڈ کو جمال پور سے ڈھاکہ منتقل ہونے کے احکام صادر کئے' یہ خوبی جانتے ہوئے کہ جمال پور کی قلعہ بندی کے ذریعے یہ بریگیڈ ڈھاکہ کو ضروری دفاع فراہم کر رہا تھا۔اس ناقص منصوبہ بندی کے تحت کئے گئے اقدام کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جمال پور سے ڈھاکہ واپسی کے موقع پر یہ بریگیڈ مکمل طور پر منتشر ہو گیا' کیونکہ بریگیڈ کمانڈر سمیت اس بریگیڈ کا خاصا بڑا حصہ دشمن کے ہاتھوں قید ہو چکا تھا۔

4-انھوں نے انتہائی بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایسے موقع

پر مشرقی کمان کے ہتھیار ڈالنے کے فیصلے کی خاموشی سے تائید کی' جب مطلوبہ وسائل کی کمی کے باوجود مزید دو ہفتوں تک دشمن کو روکا جا سکتا تھا۔

5- بھارت سے پاکستان واپسی کے بعد انھوں نے دیدہ و دانستہ' غفلت اور لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے متعلقہ حکام کو اس حقیقت سے آگاہ نہیں کیا کہ انھوں نے اپنے فنڈز سے پچاس ہزار پاکستانی روپے 16 دسمبر 1971ء کی صبح کو ڈھاکہ چھوڑ کر جانے والے چند مخصوص افراد میں تقسیم کئے تھے نہ ہی انھوں نے اپنے اس طرز عمل کی کوئی وضاحت ہی پیش کی۔

3-میجر جنرل ایم رحیم خان سابق جی او سی 39 (ایڈہاک) ڈویژن

(a) اپنی اصل رپورٹ کے پارٹ V کے چیپٹر III کے پیراگراف 9 سے 11 تک ہم نے میجر جنرل رحیم خان جی او سی 39 (ایڈہاک) ڈویژن کے طرز عمل پر تبصرہ کیا تھا انھوں نے اپنے ڈویژن کو چھوڑ دیا اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو چاند' پور سے منتقل کر دیا۔اگرچہ یہ مشرقی کمان کی اجازت سے ہوا تھا مگر اس کا کوئی متبادل انتظام نہیں کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ڈویژن منتشر ہو گئی اور اس کی جگہ ایک بریگیڈیئر کے تحت ایک اور ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا جس کا نام نارائن سیکٹر ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہم نے اس وقت تحریر کیا تھا کہ میجر جنرل عبدالرحیم خان کے اپنی فوج کو چھوڑ کر اس علاقے سے جوان کی ذمہ داری تھی باہر منتقل ہونے کا عمل انکوائری کا متقاضی ہے تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کیا جنرل نے اپنی ڈیوٹی چھوڑنے اور بزدلی دکھانے کے جرم کا ارتکاب کیا ہے ہم نے کچھ اور نکات بھی تحریر کئے تھے جن پر اس سلسلے میں توجہ کی ضرورت ہے۔

(b) کیونکہ میجر جنرل رحیم خان مشرقی پاکستان میں جنگ کے زمانے میں متعین سینئر افسران میں سے تھے وہ رضاکارانہ طور پر کمیشن کے موجودہ سیشن میں پیش ہوئے تاکہ اپنی پوزیشن صاف کر سکیں جیسا کہ فوری واقعات کے سلسلے میں 39

(ایڈہاک) ڈویژن کے آپریشن پر بحث سے ظاہر ہوتا ہے کمیشن جنرل آفیسر کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہے۔ اب جو معلومات دستیاب ہیں ان کی روشنی میں ہمارا خیال ہے کہ ان پر کورٹ مارشل میں مندرجہ ذیل الزامات پر مقدمہ چلایا جائے۔

(I) انہوں نے نہایت شرمناک بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اپنی ذات کی حفاظت کا خیال کرتے ہوئے مشرقی کمان سے 8 دسمبر 1971ء کو اپنا چاندپور کا ہیڈ کوارٹر چھوڑنے اور اسے خالی کرنے کی اجازت حاصل کی کیونکہ چاندپور کو دشمن سے خطرہ تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بھارت کے ساتھ جنگ کے درمیان اپنی فوج کو اور اپنی ذمہ داری کے علاقے کو چھوڑ دیا۔

(II) مناسب مشورے کے برخلاف مکتی باہنی کے خوف سے ان کے دن میں سفر کرنے پر اصرار کی وجہ سے نیوی کے 14 افراد اور ہیڈ کوارٹر کے چار افسران بھارت کے ہوائی جہازوں کے حملوں سے ہلاک ہوگئے اس کے علاوہ کئی لوگ زخمی بھی ہوئے جن میں جنرل بھی شامل تھے۔

(III) چاندپور سے نکلنے کی جلدی میں انہوں نے دانستہ طور پر سگنل کے قیمتی آلات بھی چھوڑ دیئے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈویژن کا کمیونیکشن کا نظام منتشر ہو گیا اور ان کے زیر کمان کمانڈرز اور فوجیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

(IV) انہوں نے 12 دسمبر 1971ء کو زبانی طور پر خوف و ہراس اور مایوسی پھیلائی جب انہوں نے جنرل نیازی' جمشید اور فرمان علی سے کہا اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے اور یہ کہ مکتی باہنی قتل عام کر سکتی ہے۔

(V) جب انہیں خصوصی طور پر شروع 1971ء میں پاکستان پہنچایا گیا انہوں نے جان بوجھ کر جنرل ہیڈ کوارٹر کو ڈی بریفنگ رپورٹ نہیں دی تاکہ وہ ان حالات کو چھپا سکیں جن میں انہوں نے چاندپور میں اپنے ڈویژن ہیڈ کوارٹر کو چھوڑ دیا تھا اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں ان کی کارکردگی سے بے خبر رہ کر اتھارٹیز نے

انہیں چیف آف جنرل سٹاف مقرر کر دیا۔

4۔ بریگیڈیر جی ایم باقر صدیقی سابق سی او ایس مشرقی کمان' ڈھاکہ

(I) مشرقی کمان کے چیف آف اسٹاف ہونے کی حیثیت سے وہ مشرقی کمان کے کمانڈر کو ان معاملات کے بارے میں پیشہ وارانہ خطوط پر مشورہ دینے میں دانستہ طور پر غفلت برتنے کے مجرم ہیں جن کا ذکر لیفٹیننٹ جنرل نیازی کے خلاف لگائے گئے الزامات (I) سے (IX) میں کیا گیا ہے۔

(II) انہوں نے مشرقی کمان کے کمانڈر سے جی ایچ کیو کو نہایت مایوس کن اور خوف و ہراس پھیلانے والی رپورٹیں بھجوانے میں مدد اور تعاون کیا تاکہ ہتھیار ڈالنے کی اجازت حاصل کی جا سکے کیوں کہ انہوں نے بھی مشرقی کمان کے چیف آف اسٹاف ہونے کی حیثیت سے اپنے پیشہ وارانہ فرائض کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت برتنے کی وجہ سے جنگ لڑنے کے جذبے کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

(III) انہوں نے جنگ کی منصوبہ بندی کے مستند اصولوں کی مجرمانہ خلاف ورزی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے معاون بازوؤں کے کمانڈروں جیسے سگنلز' انجینئرز' لاجسٹکس' میڈیکل وغیرہ کو مشرقی کامن کے منصوبے بناتے وقت شامل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لیفٹیننٹ جنرل نیازی کو ان کمانڈروں کے مشورے کا بروقت فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔

(IV) وہ مشرقی کمان کے کمانڈر کو بھارتی خطرے کی اہمیت اور وسعت کے بارے میں مناسب مشورہ نہ دینے کی مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہوئے جبکہ اکتوبر 1971ء میں راولپنڈی میں ہونے والی ایک کانفرس میں جی ایچ کیو نے انہیں مکمل طور پر بریف کر دیا تھا۔ اسی طرح وہ کمانڈر کو اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج کو دوبارہ سے منظم کرنے کی ضرورت کے بارے میں مشورہ دینے میں ناکام رہے۔

(V) جنگ کے درمیان میں کمان میں یکایک تبدیلیاں کرنے کے بھی وہ ذمہ

دار تھے انہوں نے سپر یئر کمانڈروں کو نظر انداز کر کے سب آرڈینیٹ فارمیشنز کو احکامات جاری کیے جس سے جنگ کے سنگین دنوں میں غیر یقینی اور افرا تفری پھیل گئی۔

(VI) انہوں نے دانستہ طور پر اور ایسے مقاصد کے لئے جنہیں وہی بہتر طور پر جانتے ہیں "ڈینائیل پلان پر عملدر آمد روک دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہتھیار ڈالنے کے بعد قیمتی جنگی سامان کی بڑی کھیپ جوں کی توں بھارتی فوجوں کے ہاتھ لگ گئی جبکہ جی ایچ کیو نے 10 دسمبر 1971ء کو "ڈینائیل پلانز" پر عمل کرنے کی خصوصی ہدایت کی تھی۔

(VII) خاص طور پر انہوں نے سگنلز کے کمانڈر کو ہدایت کی کہ وہ ہتھیار ڈالنے کے بعد بھی پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان رابطہ قائم رکھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جی ایچ کیو کو بہادری کے انعامات دینے کی سفارشات بھیجی جاتی رہیں۔

(VIII) اپنی قید کے دوران انہوں نے دشمن کے ساتھ غیر معمولی طور پر دوستی کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ انہیں کلکتے میں شاپنگ کرنے کی اجازت بھی حاصل ہو گئی یہ سہولت بھارتیوں نے کسی اور کو نہیں دی تھی۔

(IX) انہوں نے اچھے نظم و ضبط اور سروس کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فارمیشن کمانڈرز کو دھمکیاں اور لالچ دیا کہ وہ جی ایچ کیو اور انکوائری کمیشن کے سامنے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے واقعات کے سلسلے میں ایک مربوط کہانی پیش کریں۔

5۔ بریگیڈیر محمد حیات سابق کمانڈر 107 بریگیڈ (9 ڈویژن)

(I) انہوں نے بریگیڈ 107 کے کمانڈر کی حیثیت سے جیسور کے قلعے کی حفاظت کے لئے درست منصوبہ بنانے میں غفلت کا مظاہرہ کیا۔

(II) غریب پور میں جوابی حملہ کرتے وقت دشمن کی تعداد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے میں انہوں نے غفلت برتی۔ انہوں نے اس بریگیڈ کے اہم جوابی حملے کو خود کمان نہیں کیا جس کے نتیجے میں 7 ٹینک تباہ ہو گئے' جوانوں کی کافی ہلاکتیں ہوئیں اور جیسور کے قلعے کے دفاع کو سخت دھچکا پہنچا۔

(III) اس اطلاع پر کہ جیسور کی قلعہ کی دفاعی لائن پر دشمن کے ٹینک داخل ہو گئے ہیں انہوں نے بغیر اس کی تصدیق کئے 6 دسمبر 1971ء کو بغیر لڑے نہایت شرمناک طور پر جیسور کا قلعہ چھوڑ دیا اور قلعہ میں موجود تمام رسد اور ایمونیشن کے ڈھیر دشمن کے حوالے کر دیئے۔ انہوں نے اس یونٹ کو بھی کوئی حکم جاری نہیں کیا جو دشمن سے لڑ رہی تھی اسے اسی رات لڑ کر اپنا راستہ خود نکالنا پڑا۔

(IV) جیسور چھوڑنے کے بعد بغیر دشمن کا سامنا کئے وہ کھلنا چلے گئے اس طرح انہوں نے جی او سی 9 ڈویژن کے احکام کی واضح اور دانستہ خلاف ورزی کی جن میں انہیں جیسور سے نکلنے کی صورت میں مگورا جانے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس طرح ڈویژنل کمانڈر کو دریائے مدھومتی کے پار دشمن سے لڑنا ناممکن ہو گیا۔

بریگیڈیئر محمد اسلم نیازی' سابق سی او ڈی 53 بریگیڈ (39 ایڈہاک ڈویژن)

53 بریگیڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے وہ مجرمانہ کم ہمتی' عزم کی کمی اور منصوبہ بندی کی صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے 4 دسمبر 1971ء کو جنرل آفیسر کمانڈنگ 39 (ایڈہاک) کے احکامات کے باوجود "مظفر گنج" کی دفاعی تیاریوں کے سلسلے میں ناکام رہے جس کے نتیجے میں 6 دسمبر 1971ء کو بھارتی فوج نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس قبضے کی وجہ سے تری پورہ اور "چاند پور" کے درمیان قائم مواصلاتی رابطے کو سنگین خطرات لاحق ہو گئے جو پاک فوج کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر تھا۔

(2) وہ بزدلی' منصوبہ بندی کی عدم صلاحیت اور عزم کی کمی کے سبب 6 دسمبر 1971ء کو جی او سی کے احکامات کے باوجود مظفر گنج سے دشمن کی فوج کو بے

دخل کرنے میں ناکام رہے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 23 پنجاب کا لیفٹیننٹ اور A.K 21 کے اہلکاروں کو 11 دسمبر 1971ء کو ایک بھارتی فوجی یونٹ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے اور ایسے بدترین حالات میں کہ ان کے پاس نہ راشن کا ذخیرہ تھا اور نہ ہی ضروری اسلحہ اور گولہ بارود۔

(3) 9 دسمبر 1971ء کو انہوں نے شرم ناک انداز میں لکشم کے دفاعی قلعے سے دستبرداری اختیار کی جبکہ ان کا فرض یہ تھا کہ اس کا مناسب دفاع کرتے۔

(4) 9 دسمبر 1971ء کو لکشم کے دفاعی قلعے سے دست بردار ہونے کے بعد کسی منصوبہ بندی کے بغیر اپنے فوجی دستوں کو کومیلا لے جاتے ہوئے وہ غفلت اور لاپروائی کے مرتکب ہوئے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کومیلا سے صرف تین میل کے فاصلے پر تقریباً چار سو سپاہیوں کو بشمول بریگیڈ کمانڈر اور کمانڈنگ آفیسر (39 بلوچ) دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے جس کی وجہ سے 53 بریگیڈ اور اس کی تمام بٹالین مکمل طور پر منتشر ہو کر رہ گئی۔

(5) فوج کے مسلمہ "اخلاقی ضابطے" کی سنگ دلانہ خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے لکشم کی دفاعی قلعہ بندی سے دست برداری کے وقت 124 زخمی اور بیمار سپاہیوں کے ساتھ ساتھ دو میڈیکل افسروں کو بھی وہیں چھوڑ دیا اور انہیں دیدہ و دانستہ اس دست برداری کے بارے میں لاعلم رکھا . . . . اور

(6) لکشم سے دست بردار ہوتے وقت انہوں نے جان بوجھ کر ارادی طور پر تمام بھاری اسلحہ' ہتھیار اور گولہ بارود کے ذخیرے کو دشمن کے استعمال کے لئے وہیں چھوڑ دیا۔

(7) "محکمہ جاتی کارروائی کے معاملات"

(1) بریگیڈیئر ایس اے انصاری سابق کمانڈر 23 بریگیڈ (ڈویژن)

انہوں نے 14 نومبر 1971ء کو 23 بریگیڈ کی کمان سنبھالی۔ رنگ پور اور دیناج پور کے دونوں ضلع ان کی عمل داری میں دیئے گئے تھے ماسوائے ہلی کے' جو 205 بریگیڈ کے زیر کنٹرول تھا . . . . ایسا لگتا ہے کہ ابتدا ہی سے وہ میدان چھوڑ رہے تھے کیونکہ ان کے کمان سنبھالنے کے دوسرے ہی دن یعنی 15 نومبر 1971ء کو بھارتی فوجوں نے "بھر نگاہری" پر قبضہ کرلیا۔ اس واقعے کے فوراً بعد وہ پاچھا گڑھ جیسی اہم پوزیشن سے بھی محروم ہو گئے' جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ حالات کے مطابق اپنی پوزیشن میں مناسب ردوبدل نہ کرسکے۔ 28 اور 30 نومبر 1971ء کے درمیانی عرصے میں انہوں نے "ٹھاکر گاؤں" بھی بغیر کسی مزاحمت کے دشمن کے حوالے کردیا۔ ان ناکامیوں کے نتیجے میں 3 دسمبر 1971ء کو ان سے کمان واپس لے لی گئی۔ ان کے ڈویژنل کمانڈر میجر جنرل نذر حسین شاہ نے میدان جنگ میں ان کی کارکردگی کے حوالے سے منفی تاثرات کا اظہار کیا ہے' اس سے اس کمیشن کو بھی موجودہ شواہد کی روشنی میں مکمل طور پر اتفاق ہے۔ ہماری رائے میں وہ شجاعت' قیادت اور پختہ عزم جیسی صلاحیتوں سے محرومی کے سبب مزید فوجی خدمات کی انجام دہی کے لئے قطعاً موزوں نہیں ہیں!

(2) بریگیڈیئر منظور احمد سابق کمانڈر 57 بریگیڈ (9 ڈویژن)

جنگی امور اور معاملات پر اپنی ڈھیلی گرفت کے نتیجے میں انہوں نے بغیر کوئی مزاحمت کئے "جھینی دا" کا دفاعی قلعہ دشمن کے حوالے کردیا کیونکہ وہ کوٹ چاند پور سے دشمن فوجوں کی ناکہ بندی ختم کرنے میں ناکام رہے تھے۔ بعد ازاں ڈویژنل کمانڈ

کے احکامات کے برعکس انہوں نے ڈویژنل علاقے سے اپنی بریگیڈ کو ہٹا کر اسے 16 بریگیڈ کے تحت تعینات کردیا۔ اپنے ہیڈ کوارٹر سے ان کے تمام رابطے ختم ہو چکے تھے' جو آخری لمحے تک منقطع رہے۔ چنانچہ وہ اس جنگ میں کماحقہ کوئی حصہ نہ لے سکے جس نے اس تاثر کو جنم دیا کہ ان میں ضروری اعتماد اور قوت فیصلہ کا شدید فقدان تھا۔ ہماری رائے میں وہ بھی مزید فوجی خدمات کی انجام دہی کے لئے قطعاً موزوں نہیں ہیں۔

(3) بریگیڈیئر عبدالقادر خان سابق کمانڈر 93 بریگیڈ (36 ڈویژن)

بریگیڈیئر عبدالقادر خان کا کردار اور کارکردگی اس کمیشن کے علم میں دو حیثیتوں سے آئی ہے۔ اول ڈھاکہ میں قائم ہونے والی "انٹر سروسز اسکریننگ کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے' اور دوم' 36 ڈویژن کے تحت 93 (ایڈہاک) بریگیڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے . . . . . اپنی پہلی حیثیت میں ان کی ذمے داری ان فوجی وار سول افسران کی چھان بین کرنا تھی جو عوامی لیگ کی تحریک کے دوران حکومت سے غداری کے مرتکب پائے گئے تھے۔ اس قسم کے الزامات سامنے آئے ہیں کہ ایسے چند افراد کو جوان کی تحویل میں تھے بغیر وجہ بتائے یا مقدمہ چلائے ہلاک کر دیا گیا تھا تاہم اس ضمن میں ہمیں ایسے ثبوت اور شواہد نہیں ملے جن کی بنیاد پر ان واقعات کی ذمے داری تن تنہا ان پر عائد کی جاسکے۔ 93 (ایڈہاک) بریگیڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے مشرقی کمان کے احکامات کی تعمیل میں میمن سنگھ سے دست بردار ہو کر ڈھاکہ واپس آتے ہوئے بھارتی فوج نے انہیں قیدی بنالیا تھا۔ وہ اپنی مدت ملازمت کی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں چنانچہ اس کمیشن کی رائے میں ان کا مزید اس ملازمت میں رہنا عوامی مفاد میں نہیں ہوگا۔ دریں اثناء جنرل ہیڈ کوارٹر کے نمائندے نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ انہیں بعد میں ملازمت سے فارغ کر دیا گیا تھا۔

"دوسرے سینئر افسران کی کارکردگی"

(8) لیفٹیننٹ جنرل اے۔ اے کے نیازی' میجر جنرل محمد جمشید اور میجر جنرل ایم رحیم خان کے علاوہ چار دیگر جنرل آفیسرز بھی ہتھیار ڈالے جانے کے وقت مشرقی پاکستان میں خدمات انجام دے رہے تھے' جن کے نام یہ ہیں' میجر جنرل ایم۔ ایچ۔ انصاری' جی او سی 9 ڈویژن۔ میجر جنرل قاضی عبدالماجد جی او سی 14 ڈویژن۔ میجر جنرل نذر حسین شاہ جی او سی 16 ڈویژن اور میجر جنرل راؤ فرمان علی' مشیر' گورنر' مشرقی پاکستان۔ اسی طرح 19 دیگر بریگیڈیئرز بھی تھے جو بریگیڈ کمانڈرز نیز دوسری حیثیتوں میں اپنے اپنے فرائض ادا کر رہے تھے۔ ان سب کے ساتھ ساتھ نیوی کے ایک ریئر ایڈمرل' فضائیہ کے تین کمانڈرز اور ایک ایئر کموڈور بھی تھے۔

(9) میجر جنرل راؤ فرمان علی کے معاملے پر ہم علیحدہ سے گفتگو کریں گے کیونکہ وہ اس زمانے میں فوجی دستوں کی کمان نہیں کر رہے تھے تاہم' ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایسے تمام سینئر افسران کو جنہیں 1971ء کی جنگ سے فوراً پہلے اور اس کے دوران' مشرقی پاکستان میں تعینات کیا گیا تھا ان تمام ناکامیوں اور کمزوریوں کا مجموعی طور پر ذمے دار قرار دیا جانا چاہئے جن کے نتیجے میں پاکستانی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تاہم ان افسران کی انفرادی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے کمیشن نے ان محدودات اور پابندیوں کو بھی ملحوظ رکھا جو مشرقی کمان کی حکمت عملی اور ردیوں نے ان پر عائد کی تھیں اس کے علاوہ دشمن کے بے پناہ وسائل کے مقابلہ پر نفری اور ساز د سامان کی کمی، راولپنڈی میں آرمی ہائی کمانڈ اور مشرقی کمانڈ کی جانب سے کی گئی فروگزاشتوں کے نتیجے میں رونما ہونے والی حوصلے کی عام پستی بھی کمیشن کے پیش نظر رہی ہے۔ ان کے علاوہ اپنے افسران بالا کے احکامات کی بلاچون وچرا کئے تعمیل کی قدیم اور موروثی روایت نے بھی اس سلسلے میں بڑا اہم کردار ادا کیا' جن کے سبب انہیں اپنی

ہائی کمان کی جانب سے کیے گئے انتہائی اہم فیصلوں اور اقدامات پر انگلی اٹھانے کا کوئی موقع نہ مل سکا جن میں ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ بھی شامل تھا چند افراد سے قطع نظر' ان افسران کی ایک بڑی تعداد نے بغیر کسی پس و پیش کے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے اس فیصلے کی تائید کر دی حالانکہ ان میں سے اکثریت بلاشبہ آخری وقت تک لڑتے ہوئے پاکستان کی خاطر اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار تھے۔ ان عوامل اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے ان سینئر افسران کے انفرادی کردار اور کارکردگی کا جائزہ لیا ہے جیسا کہ اصل اور ضمنی رپورٹ کے متعلقہ حصوں سے ظاہر ہوتا ہے' جن میں ہم نے کسی حد تک فوجی واقعات کو سلسلے وار بیان کیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کسی قسم کی ایسی مخالف رائے جس کی رو سے انہیں فوجی خدمات کے لئے غیر موزوں قرار دے دیا جائے قرین انصاف نہیں ہوگی۔ نہ ہی ہم نے اس بات کو پسندیدہ تصور کیا کہ خاص طور پر کسی افسر کو تعریف و توصیف کا مستحق قرار دیا جائے اگرچہ کہ متعدد مثالیں ایسی موجود ہیں جن میں ان افسران نے فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے غیر معمولی شجاعت اور دلیری کا ثبوت دیا ہے۔

جونئیر افسران کا چال چلن اور کارکردگی

(12) کمیشن ایسے حالات میں نہیں تھا کہ وہ بریگیڈیئر سے نیچے کی سطح کے افراد کے چال چلن اور کارکردگی کا تفصیل سے جائزہ لے سکے اگرچہ کچھ ایسے واقعات اس کی معلومات میں آئے جن میں ان افسران کی کارکردگی نے کچھ لڑائیوں کے نتائج پر براہ راست اثر ڈالا جو مختلف محاذوں پر لڑی جا رہی تھیں اور ان کے چال چلن نے اخلاقی قدروں کی خلاف ورزی کی ہماری رپورٹ میں ایسے واقعات کا ذکر آیا ہے لیکن زیادہ تر جونیئر افسران کے معاملات اس لئے چھوڑ دیے گئے ہیں کہ جونئیر افسران کے معاملات متعلقہ ہیڈ کوارٹر طے کریں۔ جنہوں نے ان سے تفصیلی بیانات حاصل کئے

ہیں اور جن کے پاس ان کے سپریئر افسران کی رپورٹس بھی ہیں۔

میجر جنرل فرمان علی کا کردار

(13) اس چیپٹر کو ختم کرنے سے پہلے میجر جنرل فرمان علی کے کردار کے بارے میں یہاں پر مختصر ذکر کرنا مناسب ہوگا کیونکہ بین الاقوامی پریس اور بنگلہ دیش کے وزیراعظم نے ان کا کئی معاملات میں ذکر کیا ہے۔

(14) یہ افسر 28 فروری 1967 سے 16 دسمبر 1971ء تک مشرقی پاکستان میں تعینات رہے 28 فروری 1967 سے 25 مارچ 1969 تک وہ بریگیڈیئر کے طور پر آرٹلری 14 ڈویژن کے کمانڈر تھے 25 مارچ 1969 کو یحییٰ خاں کی طرف سے مارشل لاء کے اعلان کے بعد وہ زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے دفتر میں بریگیڈیئر (سول معاملات) مقرر ہوئے۔ اسی پوسٹ پر بعد میں انہیں میجر جنرل بنا دیا گا۔ 14 جولائی 1971ء سے 3 ستمبر 1971ء تک انہوں نے میجر جنرل (سیاسی معاملات) کے عہدہ پر کام کیا اور پھر اس تاریخ سے 14 دسمبر 1971ء تک انہوں نے مشرقی پاکستان کے گورنر کے مشیر کی حیثیت سے کام کیا اور 14 دسمبر 1971ء کو ڈاکٹر اے ایم مالک کے استعفیٰ دینے کے بعد ان کا عہدہ بھی ختم ہو گیا۔

(15) 25 مارچ 1971ء کو یحییٰ خاں کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد میجر جنرل فرمان علی جن عہدوں پر فائز رہے ان کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ فوجی افسران اور مختلف سطح کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز کے علاوہ سول افسران اور سیاسی رہنماؤں کے ساتھ بھی رابطے میں رہیں۔ انہوں نے کمیشن کے سامنے نہایت واضح طور پر اعتراف کیا کہ 25 مارچ کے ملٹری ایکشن کی منصوبہ بندی میں وہ شامل تھے اور اس کے بعد حالات کو معمول پر لانے کے لئے فوجی رجیم نے جو اقدامات کیے وہ ان میں بھی شریک تھے جن میں عوامی لیگ کے اراکین کی بڑی تعداد کے نااہل قرار دیے جانے پر

قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات بھی شامل تھے۔ ان کے دیئے ہوئے تحریری بیان اور بعد میں کئے گئے تفصیلی کراس ایگزامینیشن کے مطالعے اور مشرقی پاکستان کے دوسرے گواہوں کی شہادتوں کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ میجر جنرل فرمان علی نے ایک ذہین، خیر خواہ اور مخلص اسٹاف افسر کے طور پر ان تمام عہدوں پر کام کیا جو ان کو سونپے گئے تھے اور کسی موقع پر بھی انہیں اس اندرونی فوجی جنتا کا رکن نہیں سمجھا جا سکتا جو جنرل یحیٰی خان کے گرد جمع تھی اور ان کی حمایت کر رہی تھی۔ ہم نے یہ بھی پایا کہ انہوں نے کسی موقع پر بھی اخلاق، سیاسی شعور اور انسانی ہمدردی کے خلاف کسی کام کا نہ مشورہ دیا اور نہ اس میں خود ملوث ہوئے۔

اس رپورٹ کے گزشتہ چیپٹر میں ہم نے اس سلسلے میں تفصیل سے تبصرہ کیا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کا یہ الزام غلط ہے کہ جنرل فرمان علی مشرقی پاکستان کی ہریالی کو خون میں بدل دینا چاہتے تھے۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ پورا واقعہ جان بوجھ کر توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا ہے۔

(16) جنگ کے زمانے میں ملٹری آپریشن میں اس افسر کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی البتہ وہ مشرقی پاکستان کے گورنر اور کمانڈر کے ساتھ قریبی رابطے میں تھے۔ اسی وجہ سے انہیں اس واقعہ میں ملوث کیا گیا جسے "فرمان علی کا واقعہ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پاکستان کے ہتھیار ڈالنے کی تفصیل کے متعلق چیپٹر میں دیکھ چکے ہیں کہ میجر جنرل فرمان علی نے 9 دسمبر 1971ء کو اقوام متحدہ بھیجے جانے والے جس پیغام کی اجازت دی تھی اسے مشرقی پاکستان کے گورنر کی منظوری حاصل تھی اور انہوں نے اس کے لئے صدر پاکستان جنرل یحیٰی خان سے پیشگی اجازت حاصل کر لی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں جنگ بند کرنے کے لئے اور مسئلہ حل کرنے کے لئے تجاویز تشکیل دی جائیں۔ ایسے حالات میں اس پیغام کو تحریر کرنے اور بھیجنے کی ذمہ داری اس افسر پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ اس وقت انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ کورٹ

مارشل میں مقدمہ چلایا جائے تاکہ ان کی حیثیت صاف ہو سکے۔ کمیشن کے سامنے جو حقائق آئے ہیں ان کی روشنی میں اب کسی انکوائری یا مقدمے کی ضرورت نہیں ہے۔

(17) واقعات کے اختتامی دور میں جب بھارتی افسران ہتھیار ڈالنے سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے جنرل اے اے کے نیازی کے پاس آئے تو میجر جنرل فرمان علی مشرقی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں موجود تھے ان دونوں افسران کے رویے کے بارے میں ہمارے پاس جو اطلاعات آئی ہیں۔ ہمیں اپنی رائے ریکارڈ کرنے میں کوئی پس و پیش محسوس نہیں ہوتی کہ تمام متعلقہ مواقع پر جنرل فرمان علی نے جنرل نیازی کو صحیح خطوط پر مشورے دیئے اگر ان کے مشوروں کو مان لیا جاتا تو بہت سے شرمناک واقعات سے بچا جا سکتا تھا۔

(18) ہم نے اس بات کا جائزہ بھی لیا کہ بھارت کے کمانڈر انچیف جنرل مانک شاہ نے کچھ پیغامات میں جنرل فرمان علی کو پاکستانی فوج کا کمانڈر لکھ کر کیوں مخاطب کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ 8 اور 9 دسمبر 1971ء کو جنرل اے اے کے نیازی کو اپنے بنکر کے باہر کہیں نہیں دیکھا گیا تھا اور بی بی سی کی طرف سے یہ بھی براڈ کاسٹ کیا گیا تھا کہ جنرل نیازی مشرقی پاکستان سے چلے گئے ہیں اور پاکستانی فوج کی کمان جنرل فرمان علی نے سنبھال لی ہے۔ اسی وجہ سے بھارتی کمانڈر نے جنرل فرمان علی کو مخاطب کر کے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ ہمیں یقین ہے کسی مرحلے پر بھی جنرل فرمان علی بھارتی جنرلوں کے ساتھ کسی قسم کے بھی رابطے میں ملوث نہیں رہے۔ یہ صورت حال اس وقت تبدیل ہو گئی جب جنرل نیازی ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل ڈھاکہ میں غیر ملکی اخبار نویسوں کے سامنے ظاہر ہوئے۔

(19) کمیشن کے سامنے لیفٹیننٹ جنرل نیازی نے الزام لگایا تھا کہ جنرل فرمان علی نے ایک بہت بڑی رقم جو تقریباً 60000 روپے کے قریب تھی اپنے بھتیجے کے ذریعے جو فوج میں ہیلی کاپٹر پائلٹ تھا، مشرقی پاکستان سے باہر بھجوا دی اور وہ 16

دسمبر 1971ء کی صبح کو ڈھاکہ سے روانہ ہو گیا۔اس الزام کے بارے میں ہم نے جنرل فرمان علی سے وضاحت طلب کی۔ انہوں نے بتایا کہ صدر پاکستان نے مشرقی پاکستان کے گورنر کو 60000روپے کی رقم دی تھی کہ وہ اپنی صوابدید پر خرچ کریں 14دسمبر 1971 کو جب گورنر نے استعفیٰ دے دیا تو گورنر کے مشیر کی حیثیت سے میجر جنرل فرمان علی اس رقم کے ذمہ دار تھے۔ انہوں نے اس میں سے 4000روپے اسلامیہ پریس ڈھاکہ کو دے دیئے اور یہ ادائیگی گورنر کے ملٹری سیکرٹری کے علم میں تھی۔ جنہیں پاکستان بھیج دیا گیا تھا۔باقی کی رقم 56000روپے میں سے 5000روپے میجر جنرل رحیم خاں کو دے دیئے جب 16دسمبر کو صبح کو انہیں مشرقی پاکستان سے باہر لے جایا جا رہا تھا تاکہ راستے کے اخراجات پورے کئے جا سکیں یہ رقم نہ صرف ان کے لئے تھی بلکہ ان دیگر لوگوں کے خرچ کے لئے بھی تھی جو ان کے ساتھ جا رہے تھے۔ میجر جنرل فرمان علی نے بتایا کہ میجر جنرل رحیم خان نے 5000روپے کی اس رقم کا حساب دے دیا۔

(21)ہم میجر جنرل فرمان علی کی وضاحت سے مطمئن ہیں کیونکہ انہوں نے جو حقائق بیان کئے ہیں ان کی آسانی سے تصدیق کی جا سکتی ہے اور ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ انہوں نے کمیشن کے سامنے غلط بیان دیا ہو گا۔

(22)مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہماری رائے یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں میجر جنرل فرمان علی کی ملازمت کی پوری مدت کے بارے میں کسی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔

نتائج

(1)اس کمیشن کو صدر پاکستان نے دسمبر 1971ء میں مقرر کیا تھا۔213 گواہوں کے بیانات لینے کے بعد ہم نے جولائی 1972 میں اپنی مین رپورٹ داخل

کر دی لیکن اس وقت ہمارے سامنے سوائے میجر جنرل رحیم خان کے، جنہوں نے ان اہم واقعات میں کلیدی کردار ادا کیا جن کے نتیجے میں پاکستان نے ہتھیار ڈالے اور کسی اہم شخصیت کی شہادت موجود نہیں تھی۔ اسی وجہ سے ہم نے تحریر کیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے اور دوسرے معاملات کے بارے میں ہمارے مشاہدات اور نتائج عبوری نوعیت کے ہیں جن میں مشرقی کمان کے کمانڈر اور دوسرے سینئر افسروں سے شہادتیں ملنے کے بعد تبدیلی کی جا سکتی ہے۔

(2)جنگی قیدیوں کے واپس آنے کے بعد کمیشن کو مئی 1974 میں دوبارہ سرگرم عمل کیا گیا اور دوبارہ بلائے گئے سیشن میں ہم نے 72افراد سے شہادتیں حاصل کیں جن میں مشرقی کمان کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی اور وہ تمام میجر جنرل اور بریگیڈیئر جنہوں نے مشرقی پاکستان میں خدمات انجام دی تھیں، پاکستان نیوی کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ ریئر ایڈمرل شریف، ایئر فورس کے سینئر ترین افسر ایئر کموڈور انعام اور کئی سول افسر جیسے چیف سیکرٹری، انسپکٹر جنرل پولیس، دو ڈویژنل کمشنر وغیرہ شامل تھے۔ میجر جنرل ایم رحیم خان سے ان کی درخواست پر دوبارہ شہادت لی گئی۔

(3)ہمیں یہ معلوم ہوا کہ پاکستان کی شکست کے اسباب صرف فوجی عوامل کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ یہ سیاسی، بین الاقوامی، اخلاقی اور فوجی عوامل کا مجموعہ تھے۔ ہم نے ان تمام عوامل کا اپنی اصل رپورٹ میں تفصیل سے جائزہ لیا ہے وہی طریقہ ہم نے موجودہ رپورٹ میں بھی اختیار کیا ہے۔ اگرچہ مشرقی پاکستان کے واقعات کے بارے میں اب ہمارے پاس زیادہ معلومات موجود ہیں۔ لیکن اصل رپورٹ میں ہم جن نتائج پر پہنچے ہیں اس مزید نئی معلومات سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مندرجہ ذیل پیراگرافز میں ہم مختصر طور پر مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کی وجوہات کے عوامل کو بیان کریں گے اور جہاں ضرور ہوا ہم اصل (مین) رپورٹ میں دیئے گئے نتائج کا حوالہ بھی دیں گے۔

سیاسی پس منظر

(4) اپنی اصل رپورٹ میں ہم نے تحریک پاکستان کے ارتقاء کا ایک جائزہ
لیتے ہوئے ان واقعات پر غور کیا ہے جو قیام پاکستان کا باعث ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ
ہم نے 1947 اور 1971 کے درمیان پیش آنے والے سیاسی حالات اور واقعات کو
بھی پیش کیا جس میں وہ دوبار مارشل لاء بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے مغربی پاکستان سے
مشرقی پاکستان کی سیاسی اور جذباتی علیحدگی کی راہ ہموار کی۔

(5) اصل رپورٹ میں ہم نے تفصیل کے ساتھ اس کردار کا بھی جائزہ لیا
ہے جو عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں اور پاکستان پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں ادا
کیا' جس کے نتیجے میں 3 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ میں ہونے والا قومی اسمبلی کا طے شدہ
اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ ہم نے یکم اور 25 مارچ 1971 کے درمیان رونما ہونے والے
واقعات کا بھی جائزہ لیا ہے جب عوامی لیگ نے جنرل یحیٰی خان کی حکومت سے تمام
اختیارات چھین لئے تھے' جس کے نتیجے میں 25 مارچ 1971 کا ملٹری ایکشن ضروری
ہو چکا تھا۔ ہم نے ان مذاکرات پر بھی ایک نظر ڈالی جو ایک طرف جنرل یحیٰی خان اور شیخ
مجیب الرحمٰن اور دوسری جانب مغربی پاکستان کی سیاسی پارٹیوں سے جاری تھے۔ اگرچہ
کہ جنرل یحیٰی خان نے کبھی ان مذاکرات کی ناکامی کا رسمی اعلان نہیں کیا' تاہم 25 مارچ
1971 کی رات کو وہ مشرقی پاکستان سے یہ ہدایات جاری کرنے کے بعد روانہ ہو گئے کہ
جونہی ان کا طیارہ کراچی کی فضائی حدود میں داخل ہو' ملٹری ایکشن شروع کر دیا جائے۔

(6) 25 مارچ 1969 کو جنرل یحیٰی خان کے اعلان کردہ دوسرے مارشل لا
کے نفاذ اور اس کے اسباب کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ انہوں نے
جمہوریت کی بحالی اور امن عامہ کو معمول کے مطابق لانے کی غرض سے یہ اختیارات
ہرگز نہیں سنبھالے تھے بلکہ ان کا بنیادی مقصد اور منشا شخصی طاقت اور اقتدار کا حصول
تھا' جس کا ان کے دیگر تمام ساتھیوں کو بھی بخوبی علم تھا۔ کمیشن کے روبرو پیش کئے گئے

تازہ ترین شواہد جنرل یحیٰی خان کے مذکورہ بالا عزائم کے بارے میں ہمارے نتائج کی
تصدیق کرتے ہیں۔

(7) وہ تمام سینئر آرمی کمانڈرز جن کا تعلق مشرقی پاکستان کی مارشل لاء
انتظامیہ سے تھا اور وہ سول ملازمین جو مشرقی پاکستان کی سول انتظامیہ سے وابستہ تھے'
سب نے متفقہ طور پر اس رائے کا اظہار کیا کہ ملٹری ایکشن کسی بھی طرح اس سیاسی
تصفیے کا متبادل نہیں تھا' جو چند ہفتوں کے اندر اندر امن وامان کی بحالی کے بعد باآسانی
ممکن تھا! ان میں سے اکثر گواہان نے کہا کہ اس قسم کے سیاسی تصفیے کے لئے مئی اور
ستمبر 1971 کا درمیانی زمانہ انتہائی موزوں تھا جس کے دوران امن وامان کی صورتحال
خاصی حد تک معمول پر آچکی تھی اور دیہاتی علاقوں کو چھوڑ کر بیشتر شہری علاقوں
میں حکومت کی اتھارٹی بحال ہو چکی تھی۔ تاہم ان مہینوں کے دوران مشرقی پاکستان
کے منتخب نمائندوں کے ساتھ سیاسی مذاکرات کے آغاز کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی
گئی۔ اس کے برعکس فضول اور فریب کارانہ اقدامات کا سہارا لیا گیا۔

(8) ملٹری ایکشن کے دوران طاقت کے بے محابا استعمال اور پاکستانی فوج کے
کچھ افسران اور اہلکاروں کے رویوں نے مشرقی پاکستان کے عوام کی ہمدردیاں کھونے
میں نمایاں کردار ادا کیا . . . . سامان کی نقل و حمل اور رسد کی فراہمی کے ناکافی
اسباب کی بنا پر دیہاتی علاقوں میں ملٹری آپریشن کے دوران فوجیوں کو لوٹ مار میں
ملوث ہونے کا موقع ملا . . . . معزز مشرقی پاکستانیوں سے معاملات طے کرنے میں
مارشل لاء انتظامیہ کا من مانی کا رویہ اور ماورائے عدالت نوعیت کی ہلاکتوں نے
صورتحال کو مزید ابتر کر دیا . . . . ہندو اقلیت کے بارے میں فوجی حکام کے رویے نے
انہیں بڑے پیمانے پر بھارت منتقل ہونے پر مجبور کر دیا۔

پاکستان کے حصے بخرے کرنے کی بھارتی خواہش کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں رہی
اس کے باوجود جنرل یحیٰی خان نے فوری سیاسی تصفیے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اگست 1971 میں ان کی جانب سے کیا گیا "عام معافی" کا اعلان غیر موثر ثابت ہوا کیونکہ یہ کافی تاخیر سے کیا گیا تھا اور اس کے نفاذ میں بھی خاصی لیت و لعل سے کام لیا گیا تھا نہ ہی اس کے نتیجے میں ان منتخب نمائندوں کی واپسی ہوئی جو بھارتی حکام کے ہاتھوں یرغمال بنے ہوئے تھے اور ان کی مرضی کے بغیر واپس آ ہی نہیں سکتے تھے۔

(9) چنانچہ وہ قیمتی وقت ضائع کر دیا گیا جس کے دوران بھارت نے موقع پا کر مکتی باہنی کو تربیت دینا شروع کر دی اور اس طرح پاکستانی علاقوں میں گوریلا چھاپہ مار حملوں کا آغاز ہو گیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے جنرل یحییٰ خان نے عوامی لیگ کے نا اہل قرار دیئے گئے منتخب نمائندوں کے حلقوں میں ضمنی انتخابات کا اعلان کر دیا ان کا یہ منصوبہ بری طرح ناکامی سے دوچار ہوا کیونکہ یہ انتخابات مارشل لاء حکام کی نگرانی اور کنٹرول میں منعقد ہوئے تھے جن میں حصہ لینے والے امیدواروں کا انتخاب بھی پاکستانی فوج کے ایک میجر جنرل نے کیا تھا۔ اس صورت حال میں ان نو منتخب نمائندوں کو عوامی ترجمانی کا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

"عسکری پہلو"

1-7 اصل رپورٹ میں جنگ کے فوجی پہلو پر بحث کرتے ہوئے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ 1971ء کی تباہی میں گراؤنڈ فورسز کا زیادہ کردار تھا۔

اور یہ کہ 1967ء کے وار ڈائریکٹو 4 میں دیئے گئے اسٹریٹجی کے نظریے میں مارچ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سیاسی اور فوجی صورتحال کی وجہ سے تبدیلی ہونی چاہیے تھی مگر آرمی ہائی کمانڈ نے نئے عوامل کے اثر کا گہرائی سے مطالعہ نہیں کیا نہ ہی اس نے اگست 1971ء میں ہونے والے انڈو سوویت معاہدے کے نتیجے میں بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگی صلاحیت اور تیاری میں بڑھتے ہوئے فرق پر کوئی توجہ دی، ہم نے دفاع کے نظریات اور جنرل ہیڈ کوارٹر میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے لئے تیار کئے گئے منصوبوں کا تفصیل سے

جائزہ لیا اور دشمن کے مقابلے میں دونوں بازوؤں میں دستیاب ناکافی وسائل کے علاوہ ان منصوبوں کی خامیوں کی بھی نشاندہی کی۔ ہم نے لکھا تھا کہ مشرقی پاکستان کی جنگ میں ہمارا فوجی پہلو کا مطالعہ اس وجہ سے ناممکن ہے کہ مشرقی کمان کے کمانڈر اور مشرقی پاکستان میں متعین سینئر افسران کی شہادتیں دستیاب نہیں ہیں۔

18۔ لیکن ان کمانڈروں سے تفصیل سے شہادتیں لینے کے بعد اب ہم اس لائق ہوئے کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے بارے میں اپنے حتمی نتائج اخذ کر سکیں۔

19۔ جنرل اے اے کے نیازی کے مرتبے کے بارے اختلاف رہا ہے کہ آیا وہ تھیٹر کمانڈر تھے یا صرف کور کمانڈر جب کہ سرکاری طور پر انہیں مشرقی کمان کا کمانڈر کہا گیا ہے۔ ایک کور کمانڈر صرف ان ڈویژنوں کا کمانڈر ہوتا ہے جو اس کے تحت دی جائیں جبکہ ایک تھیٹر کمانڈر اس علاقے کی تمام فورسز کا کمانڈر ہوتا ہے جن میں نیوی اور ائیر فورس بھی شامل ہوتی ہے لیکن مشرقی پاکستان میں نیوی کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ اور ائیر فورس کے کمانڈر براہ راست اپنے کمانڈر انچیف کے ماتحت تھے اگرچہ ان سے کہا گیا تھا کہ وہ مشرقی کمان کے کمانڈر سے رابطہ اور تعاون کریں اس لئے ٹیکنیکی اعتبار سے جنرل نیازی تھیٹر کمانڈر نہیں تھے اور نہ ہی کبھی انہیں یہ عہدہ دیا گیا لیکن 3 دسمبر 1971ء کے بعد سے جب مغربی پاکستان کے فرنٹ پر جنگ شروع ہوئی تھی جنرل نیازی تمام مقاصد کے لئے ایک آزاد کور کمانڈر بن گئے تھے، ضرورت اور حالات کی مجبوری سے انہیں تھیٹر کمانڈر کے تمام اختیارات حاصل تھے بلکہ جنرل ہیڈ کوارٹر بھی یہ توقع کرتا تھا اسی وجہ سے اس کے بعد ان کی جگہ اسی رینک کے کسی اور کمانڈر کو بھیجنے کا امکان نہیں رہا اس لئے جنگ کے دوران ان کے رویے اور بعد میں ہتھیار ڈالنے کے فیصلے کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

20۔ پاکستان آرمی نے دفاع کا یہ نظریہ قائم کر لیا تھا کہ مشرقی پاکستان کا

دفاع مغربی پاکستان کے ہاتھ میں ہے لیکن جنرل نیازی نے کمیشن کے سامنے بتایا کہ اگر مغربی پاکستان کا محاذ نہ کھولا جاتا تو بھارت مشرقی پاکستان میں بھر پور جنگ شروع نہیں کرتا ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان دشمن کے خطرے کو مناسب طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ مشرقی تھیٹر میں یہ خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بھارت میں تربیت پانے والی مکتی باہنی پاکستانی فوج کے مقابلے میں نہیں رک سکتی تھی اور بھارتی فوج پر اکسی وار زیادہ طویل نہیں کر سکتی تھی، ایک چھوٹا سا علاقہ حاصل کر کے بنگلہ دیش قائم کر دینے کا منصوبہ پاکستانی فوج کی اگلے مورچوں پر تعیناتی سے پہلے ہی ناکام ہو چکا تھا اس لئے بھارت کے لئے بھر پور جنگ لڑنا ضروری ہو گیا تھا ایسی صورتحال میں پاکستان کے پاس ایک ہی راستہ کھلا تھا کہ وہ مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کی حفاظت کرنے کے روایتی نظریے پر عمل کرتا اس لئے یہ نظریہ درست تھا اگر کبھی اس نظریے پر عمل کرنے کی ضرورت تھی تو یہ 21 نومبر 1971ء کو تھی جب بھارتی فوجوں نے حملہ کر کے مشرقی پاکستان کی سرحد عبور کی تھی لیکن بد قسمتی سے یہ محاذ دیر سے کھولنے اور وہ بھی بے دلی اور پس و پیش کے بعد کھولنے کی وجہ سے مشرقی پاکستان کے المیے میں اضافہ ہو گیا۔

21-15 جولائی 1971ء کو مشرقی کمان کی طرف سے جاری ہونے والی آپریشنل ہدایت نمبر 3 سے جاری ہونے والی آپریشنل ہدایت نمبر 3 میں توقع کی گئی تھی کہ آگے کے مورچوں پر دفاعی لائن قائم کی جائے گی اور ایسے مضبوط پوائنٹ اور قلعے قائم کئے جائیں گے جو جنگ کے لئے 30 دن تک رسد کے اعتبار سے خود کفیل ہوں گے اور وہ ایسے ٹھکانے ثابت ہوں گے جہاں سے دشمن پر دونوں پہلوؤں یا عقب سے حملہ کیا جا سکے گا ڈھاکہ کا ہر صورت میں دفاع کیا جانا تھا کیونکہ یہ فوجی اور سیاسی لحاظ سے بھی مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

22۔ اس منصوبے میں 25 قلعے اور 9 مضبوط پوائنٹس رکھے گئے جو تعمیر شدہ

علاقوں میں بنائے جانے تھے جیسے ضلع یا سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کے شہروں یا بڑے دیہاتوں اور کنٹونمنٹ میں لیکن فوج کی کمی کی وجہ سے ان میں فوجی تعینات نہیں ہو سکے لیکن توقع تھی کہ سرحد پر تعینات اور باغیوں کے خلاف لڑنے والے فوجی واپس آکر یہاں پر دفاعی مورچے بنائیں گے ان کے منصوبے میں یہ بات شامل تھی کہ ان قلعوں اور مضبوط پوائنٹس کی آخری آدمی تک حفاظت کی جائے گی۔

23۔ قلعوں کے منصوبوں کی کامیابی کے لئے 3 شرائط ضروری تھیں۔

(a) فوج کی کافی تعداد اور زیر زمین رکھی جائے گی تاکہ اگر دشمن قلعے کو چھوڑ کر گزر جائے تو اس پر حملہ کیا جا سکے اور دوسرے قلعے کی مدد کی جا سکے۔

(b) قلعہ کا محل وقوع ایسا رکھا جائے کہ ایک قلعہ دوسرے قلعہ کی مدد کر سکے۔

(c) جس علاقے میں یہ قلعہ قائم کیا جائے وہاں کی آبادی ان کے مخالف نہ ہو جنرل نیازی کو پوری طرح علم تھا کہ مشرقی پاکستان میں ان میں سے کوئی شرط بھی پوری نہیں ہوئی تھی کیونکہ 29 بٹالین میں سے ان کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ وہ 34 قلعوں اور 9 مضبوط پوائنٹس پر تعینات کر سکیں۔ ان کے قلعے اور مضبوط پوائنٹس اس طرح واقع تھے وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے تھے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ مقامی آبادی مخالف ہے اور ان کے دستوں کی نقل و حرکت کو مکتی باہنی ناممکن بنا دے گی ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایسی صورت میں انہوں نے کس طرح یہ توقع کر لی کہ یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے گا۔

24- شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قلعہ پر بھی فوجی تعینات نہیں ہو سکے نہ ہی ان میں ایسی دفاعی صلاحیت تھی کہ اگر دشمن توپوں سے حملہ کرے تو وہ محفوظ رہ سکیں یہ توقع کی جا رہی تھی کہ جب فوج پیچھے ہٹے گی تو ان قلعوں میں آجائے گی، توپیں اور دوسرا بھاری اسلحہ بھی ان قلعوں میں لانا تھا مگر فوج معمول کے مطابق

پیچھے نہیں ہٹی جیسا کہ ان حالات میں توقع تھی یہ نہایت افراتفری کی واپسی تھی جس میں بھاری اسلحہ بھی پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا سوائے 16 ڈویژن کے کسی مقامی کمانڈر کے پاس کوئی ریزرو فوج بھی نہیں تھی۔ ایک بریگیڈیئر کے برابر کمان ریزرو بھی مشرقی سیکٹر میں تھی اور یہاں سے ہی دشمن کا بڑا حملہ ہوا جو نتیجہ سامنے آیا اس سے اس منصوبے کی قلعی کھل گئی۔ بہر حال ایک چھوٹا سا منصوبہ بھی بنایا جانا چاہئے تھا جس کے مطابق منصوبہ بندی سے پیچھے ہٹا جاتا اور ڈھاکہ کے مثلث میں جمع ہو کر ایسے دشمن کے ساتھ بھرپور جنگ کی جاتی جو وسائل اور صلاحیت کے اعتبار سے زمین اور فضا دونوں میں برتر تھا مشرقی کمان کی طرف سے اس طرح کی منصوبہ بندی نہ کرنا بڑی غفلت تھی ہوا یہ کہ صرف کمزوری کے ساتھ جنگ لڑی گئی اور افراتفری میں بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ قلعہ والی منصوبہ بندی باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے درست تھی لیکن 21 نومبر 1971ء کے بعد یہ بے کار ہو گئی' اس منصوبہ بندی کے نتیجے میں دشمن کو فائدہ پہنچا جس نے آسانی سے ہماری فوجوں کو شکست دے کر منتشر کر دیا اور خود مربوط ہو کر ڈھاکے کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔

27۔ جنرل نیازی کے ساتھ یہ المیہ ہوا کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ مشرقی پاکستان میں بھارت کے خلاف انہیں کوئی بڑی جنگ نہیں لڑنا پڑے گی جبکہ بھارت نے مشرقی پاکستان کے گرد بڑی تعداد میں فوجیں جمع کر دیں تھیں۔ جنرل ہیڈ کوارٹر نے اپنے چیف آف اسٹاف کو بھارت کے منصوبوں سے آگاہ بھی کر دیا تھا۔ جنرل اسٹاف کے چیف اور وائس چیف نے ایسٹرن تھیٹر کے اپنے دورے کے دوران انہیں اپنی فوجیں تعینات کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ اس انتباہ کے رد عمل کے طور پر جنرل نیازی نے جلدی میں دو ایڈہاک ڈویژن قائم کر لئے یعنی 36 ڈویژن ستمبر 1971ء میں اور 39 ڈویژن 19 نومبر 1971ء کو قائم کی گئیں اور انہیں کمان میں ریزرو رکھا گیا۔

28۔ لیفٹیننٹ جنرل نیازی نے رزرو فوج کو تعینات کرنے کا یہ جواز دیا کہ ان

سے مزید 8 بٹالین بھیجنے کا وعدہ کیا گیا اگر یہ بٹالین بھیج دی جاتیں تو ان کے پاس کمانڈر رزرو میں کافی فوج کی کمی بھی پوری کر دیتی۔ بد قسمتی سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ ہیڈ کوارٹر کی طرف سے ایسا کوئی پکا وعدہ کیا گیا تھا ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مزید بٹالین بھیج بھی جائیں تو صورتحال میں کوئی بہتری نہیں آتی کیونکہ ان کی تعیناتی کے مزید افواج کے آنے سے قبل اپنی رزرو فوج کو ظاہر کرنے میں حق بجانب نہیں تھے۔

29۔ مشرقی کمان کے کمانڈر کی طرف سے منصوبے تبدیل نہ کرنے کے اس عذر سے بھی متاثر نہیں ہوئے کہ انہیں یہ مشن دیا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کی ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کی جائے اور کسی بڑے علاقے پر قبضہ کر کے بنگلہ دیش نہ بننے دیا جائے اور اس مشن کو ہائی کمانڈ نے کبھی تبدیل نہیں کیا' ایک آزاد کور کے کمانڈر کی حیثیت سے جو ہیڈ کوارٹر سے ہزاروں میل دور تھا انہیں یہ خیال ہونا چاہئے تھا کہ کم از کم 21 نومبر 1971ء کے بعد ان کی مشق کا سب سے اہم حصہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کا دفاع کریں اور کورز کا وجود برقرار رکھیں چاہے اگر ضروری ہو تو کچھ علاقہ ہی ہاتھ سے کیوں نہ چلا جائے۔

30۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مشرقی کمان کو جو مشن دیا گیا تھا اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ جنرل ہیڈ کوارٹر نے انہیں کئی بار واضح پیغام دیا تھا کہ علاقہ اتنا اہم نہیں ہے کمان کو وقت گزاری کے لئے لڑنا چاہئے اور صرف اسٹریٹیجک اہمیت رکھنے والے علاقوں پر نظر رکھی جائے۔

31۔ ہم نے سپلیمنٹری رپورٹ میں واقعات کی جو تفصیلات دی ہیں ان سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ منصوبہ بندی انتہائی مایوس کن تھی اور ڈھاکہ دفاع کا کوئی منصوبہ ہی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسی کوشش کی گئی کہ دشمن کے حملے کو کہیں بھی ایک ڈویژن یا بریگیڈیئر کے ساتھ جنگ لڑ کر روکا جائے یہ صرف اس وقت ہوا جب جنرل نے دیکھا کہ دشمن نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور وہ ان کے قلعوں سے

گزر کر فرید پور، کھلنا اور کنڈی اور چاند پور تک پہنچ گئے ہیں (جو ڈھاکے کا سب سے مختصر راستہ تھا) جب انہوں نے ہزیانی کیفیت میں ڈھاکے کے تحفظ کے لئے فوجیں واپس بلانے کی کوششیں کرنا شروع کیں لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی کیونکہ جن کشتیوں سے دریائے جمنا پار کرنا تھا وہ غائب ہو چکی تھیں اور مکتی باہنی نے راستے مسدود کر دیئے تھے جس کی وجہ سے گاڑیوں کے ذریعے گزرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ جمع ہو کر دفاع کرنے کے لئے فوجوں کی ترتیب وار واپسی اس لئے بھی ناممکن ہو گئی تھی کیونکہ جنرل نیازی نے احکامات جاری کر دیئے تھے جس وقت تک دو اعلیٰ افسران کی منظوری حاصل نہ ہو جائے اور 75 فیصد ہلاکتیں نہ ہو جائیں واپسی نہیں ہو گی۔

32۔ ڈھاکہ کے مثلث میں بڑے دریاؤں کے پیچھے کے علاقے میں واپس آنے کے لئے منصوبے نہ ہونے کی وجہ سے ہماری فوجیں واپس نہ آسکیں تاکہ دشمن کے حملہ کو روک سکتیں اور اگر ضرورت ہوتی تو ان کی عقب سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے فوجی اتارنے کی اہلیت کے باوجود ان سے لڑ سکتیں کیونکہ انہوں نے فضائی فوقیت حاصل کرلی تھی اور ہماری ائیر فورس کو ختم کر دیا تھا جو صرف ایک اسکواڈرن پر مشتمل تھی اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں تھی کہ ہمارا دفاع فوری طور پر ختم ہو گیا تھا۔ چوتھے دن بھرپور جنگ میں بڑے قلعے بغیر لڑے چھوڑ دیئے گئے جیسے مغرب میں جیسور اور Jheridoon اور مشرق میں برہمن بریا دوسرے دن کا ملا کا قلعہ بھی چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ 9 دسمبر 1971ء کو ایک ڈویژنل کمانڈر نے اپنا ہیڈ کوارٹر اور اپنی ذمہ داری کا علاقہ بھی چھوڑ دیا اور اپنی فوج کو پیچھے چھوڑ دیا اسی دن دو مزید قلعے کشتیا اور لکشم بھی چھوڑ دیئے گئے لکشم میں تو بیمار اور زخمی فوجیوں کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ 10 دسمبر 1971ء تک ہلی بھی جہاں 16 دن سے خونریز جنگ لڑی جاری تھی چھوڑ دیا گیا۔ میمن سنگھ سے واپس آنے والا بریگیڈیئر عقب میں ہیلی کاپٹر سے اتارے گئے دشمن کے فوجیوں کی زد میں آگیا اور بریگیڈیئر کمانڈر اور کچھ سپاہی قیدی بنا لئے

گئے۔

(10) اسی طرح مشرقی پاکستان کے سویلین گورنر کی حیثیت سے ڈاکٹر مالک کے تقرر اور ان کی کابینہ کے بھی خاص اثرات بر آمد نہ ہو سکے کیونکہ ان حضرات کو عوام کا اعتماد حاصل نہیں تھا۔ ویسے ایک بزرگ سیاست داں ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر مالک کا شخصی طور پر کافی احترام کیا جاتا تھا۔ مشرقی پاکستان کی حکومت کو، اس انداز سے سویلین قالب میں ڈھالنے کی تمام تر کوششیں کسی نہ کسی طرح عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔ اصل طاقت اب بھی زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل نیازی کے پاس تھی اور اس زمانے کے مروجہ سیاسی حالات کے تناظر میں امن عامہ کی حالی اور مواصلاتی نظام کو قائم رکھنے کے حوالے سے فوج کا کردار بدستور ایک غالب عنصر کی حیثیت کا حامل تھا۔

(11) 25 مارچ 1971ء کو جنرل یحیٰ خان کی جانب سے ملٹری ایکشن لئے جانے کے مصلحت آمیز اور غیر اخلاقی اقدام سے قطع نظر وہ عوامی لیگ کے ساتھ ایک سیاسی تصفیے میں بھی بری طرح ناکام ہو گئے۔ مشرقی پاکستان کے عوام کو اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ جنرل کسی بھی صورت میں منتخب نمائندوں کو سیاسی اقتدار منتقل نہیں کریں گے۔ عوامی لیگ سے مذاکرات کرنے سے جنرل حئی کا انکار اس تناظر میں زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ عوامی لیگ کے دو اہم لیڈر یعنی شیخ مجیب الرحمٰن اور ڈاکٹر کمال حسین، مغربی پاکستان میں زیر حراست تھے۔ دوسری جانب تمام برادر ملک انہیں یہ مشورہ دے رہے تھے کہ وہ بھارت کی جانب سے لاحق فوجی اقدام کے پیش نظر جلد از جلد عوامی لیگ سے کوئی سیاسی سمجھوتہ کر لیں۔

(12) 1970ء کے عام انتخابات کے بعد فوجی حکومت کی جانب سے پیدا کی گئی سیاسی صورتحال کے فوری نتیجے کے طور پر فوج پورے صوبے میں بغاوت اور شورش کو کچلنے میں ملوث ہو گئی۔ دوسری جانب مشرقی پاکستان کی سرحدوں سے مکتی باہنی اور

بھارتی ایجنٹوں کے داخلے کو روکنے کی غرض سے بھی فوج کو چوکنا رہنا پڑا۔ ان دو عوامل کی موجودگی میں پاکستانی فوج ابتدا ہی سے ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہی تھی۔

"بین الاقوامی پہلو"

(13) مشرقی پاکستان میں جنگ سے پہلے کی بین الاقوامی تعلقات کی صورتحال کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد اپنی اصل رپورٹ میں ہم نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ 1947ء کے بعد بھارت سے اپنے مجموعی تعلقات کے پس منظر میں، یہ اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں تھا کہ وہ مشرقی پاکستان میں بحران پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔

(14) ہم نے بھارت کی ان کوششوں کا جائزہ بھی لیا جو وہ ملٹری ایکشن کے نتیجے میں بھارت جانے والے پناہ گزینوں کے مسئلے کو بین الاقوامی طور پر اجاگر کرنے کی غرض سے کر رہا تھا۔ بھارتی پروپیگنڈہ اس قدر کامیاب تھا کہ فوجی حکومت کی جانب سے مشرقی پاکستان میں بہتری کی تمام تر کوششوں کا عالمی رائے عامہ پر قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔ 1971ء میں روس بھارت معاہدے کے بعد صورتحال مزید پیچیدہ ہو گئی۔ تمام دوست ملکوں بالخصوص ایران، چین اور امریکا نے جنرل یحیٰی خان کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ وہ بھارت سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں پاکستان کو کسی بھی قسم کی مادی امداد فراہم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے تاہم اس بین الاقوامی صورتحال کی اہمیت اور نزاکت کو جنرل یحیٰی خان اور ان کے رفقاء سمجھنے سے قاصر رہے۔ وہ غلطی پر غلطی کرتے چلے گئے۔ انہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں تھا کہ یوں پوری دنیا سے بالکل الگ تھلگ اور کٹ کر رہ جانے کے نتائج کتنے مہلک اور تباہ کن ہو سکتے ہیں۔

(15) اپنی اصل رپورٹ میں ہم نے جنگ کے دوران اقوام متحدہ میں جاری سرگرمیوں کا بھی جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس واقعے کی کوئی منطقی اور عقلی وضاحت نہیں کی جا سکی کہ جنرل یحیٰی خان کی حکومت 21 نومبر 1971ء کو بھارتی حملہ کے

فوراً بعد اس معاملے کو سیکورٹی کونسل میں لے کر کیوں نہیں گئی؟ نہ ہی ہمیں اس امر کی کوئی وضاحت مل سکی کہ مشرقی پاکستان کی انتہائی سنگین صورتحال میں ہتھیار ڈالنے کی نوبت آنے سے پیشتر انہوں نے پہلی روسی قرارداد کو تسلیم کرنے سے انکار کیوں کیا؟ اس تناظر میں ہم نے اس پیغام کا حوالہ بھی دیا جو میجر جنرل راؤ فرمان علی نے ڈھاکہ میں متعین اقوام متحدہ کے نمائندے مسٹر پال میور ہنری کے توسط سے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ارسال کیا تھا جس میں مشرقی پاکستان کے حوالے سے سیاسی سمجھوتے کی تجاویز پیش کی گئی تھیں؟ آخر میں ہم نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ اگر پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے جنرل یحیٰی خان پختہ عزم اور شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشرقی کمان کو 16 دسمبر 1971ء کے بعد بھی ڈٹے رہنے کے احکامات دے دیتے تو یہ عین ممکن تھا کہ سیکورٹی کونسل کی معرفت جنگ بندی کے ذریعے اس مسئلے کا کوئی تسلی بخش حل نکل آتا۔

(16) اپنی تحقیقات کے موجودہ مرحلے میں گواہان نے ہمارے بین الاقوامی تعلقات کی صورتحال اور 1971ء میں ہونے والی جنگ پر ان کے اثرات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا نہ ہی اقوام متحدہ میں ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ کہا، ماسوائے اس وضاحت کے جو میجر جنرل راؤ فرمان علی نے اپنے ارسال کردہ پیغام کے حوالے سے پیش کی---انہوں نے بتایا کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ارسال کیا جانے والا یہ پیغام صدر پاکستان کی مشرقی پاکستان کے گورنر کو دی جانے والی ہدایات کے عین مطابق تحریر کیا گیا جس میں عوامی لیگ کے ساتھ سیاسی تصفیے اور سمجھوتے کی تجاویز موجود تھیں۔ مشرقی پاکستان کے گورنر کی ہدایت کے مطابق انہوں نے یہ پیغام ڈھاکہ میں متعین اقوام متحدہ کے نمائندے کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وضاحت سے اس پراسراریت کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو میجر جنرل راؤ فرمان علی کے حوالے سے پیدا ہوئی تھی، تاہم اس سے ہمارے ان نتائج پر کسی بھی قسم کے کوئی اثرات مرتب نہیں ہوئے

جو ہم نے اپنی اصل رپورٹ میں بین الاقوامی پہلو کے حوالے بر آمد کئے ہیں۔

"شکست"

16 دسمبر 1971ء کو ہتھیار ڈالے جانے سے پہلے، آخری چند دنوں کی دردناک کہانی ضمنی رپورٹ کے باب چہارم میں بیان کی جاچکی ہے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگرچہ انہیں ہتھیار ڈالنے کے باقاعدہ احکامات تو جاری نہیں کئے گئے تھے تاہم مشرقی کمان کے کمانڈر کی جانب سے، صورت حال کی مایوس کن عکاسی کے پیش نظر، اعلی فوج کمان نے انہیں اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ اگر وہ ضروری سمجھیں تو خود ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں!۔۔۔۔اگر جنرل نیازی، ڈھاکہ کے دفاع کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے تو اس صورت میں وہ ہتھیار ڈال دینے کے احکامات کی عدم تعمیل بھی کر سکتے تھے ان کے اپنے اندازوں کے مطابق، اس وقت 400' 26 فوجی ڈھاکہ میں تھے، اور وہ مزید دو ہفتوں تک بھارتی فوج کو روک سکتے تھے۔ کیونکہ ایک ہفتے کی مدت اسے ڈھاکہ کے اطراف اپنی فوجوں کو لگانے اور مزید ایک ہفتے کی مہلت ڈھاکہ کے دفاعی قلعے کی طاقت کو کم کرنے کے لئے درکار تھی! اگر جنرل نیازی نے ایسا ہی کیا ہوتا خواہ اس میں ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی تو ان کا نام، تاریخ میں زندہ ہو جاتا اور ہماری آنے والی نسلیں انہیں "شہید" اور "عظیم ہیرو" کے نام سے یاد رکھتیں، لیکن پیش آمدہ واقعات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ 7 دسمبر 1971ء کے بعد ہی، ان کا حوصلہ جواب دے چکا تھا، جب ان کے انتہائی اہم دفاعی قلعے، یعنی "جیسور" اور "برہمن باڑی" دشمن کے قبضے میں چلے گئے تھے لہذا تاریخ میں اپنا نام محفوظ رکھنے، کا کوئی تصور کبھی ان کے ذہن میں موجود نہیں تھا! جنرل نیازی کی فوجی ناکامیوں سے بھی زیادہ تکلیف دہ داستان، اس حقارت آمیز انداز کی ہے، جس میں انہوں نے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کئے اور بھارت اور مکتی باہنی کی مشترکہ فوجی کمان کے سامنے

ہتھیار ڈالے!۔ ڈھاکہ ایئر پورٹ پر فاتح بھارتی افواج کے جنرل اروڑہ کا استقبال اور اسے "گارڈ آف آنر" کی پیش کش اور اس کے بعد، ریس کورس میں، منعقد ہونے والی، ہتھیار ڈالنے کی عوامی تقریب میں ان کی شرکت، ایسے واقعات ہیں جنہوں نے پاکستان اور اس کی مسلح افواج کے سر ہمیشہ کے لئے شرم سے جھکا دیئے ہیں۔ اگر حالات کے جبر اور دباؤ کے تحت انہیں بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑتے بھی یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ ہر مرحلے پر اس شرمناک اور ذلت انگیز رویئے کا مظاہرہ کرتے۔ ان واقعات کے عینی شاہدین نے اس کمیشن کے روبرو جو تفصیلی بیانات دیئے ہیں ان کی روشنی میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ جنرل نیازی، جنگ کے اختتامی مرحلوں میں، مکمل "اخلاقی دیوالیہ پن" کا شکار ہو چکے تھے۔

حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ

بنگالیوں کا احساسِ محرومی ● سقوط ڈھاکا کی دستاویزات ● مجیب الرحمٰن کے چھ نکات ● حمودالرحمٰن کمیشن کا قیام ● حکمرانوں اور سیاستدانوں کے حمودالرحمٰن کمیشن کے سامنے بیانات ● ڈھاکہ میں آخری کمشنر کا انٹرویو ● حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ پر جرنیلوں کا ردعمل ● بھٹو کا موقف ● اسلامی تاریخ کا بدترین المیہ ● یحییٰ خان کا خفیہ سیاسی مشیر ● شکست کے ذمہ دار کون؟ ● چھ نکات کا تخلیق کنندہ کون تھا؟ ● ایوان صدر چکلہ بن گیا تھا ● کمیشن کا پہلا اجلاس ● برطانوی سامراج کی سازشیں ● ملکی دولت 22 خاندانوں میں ● ہوس ناکی کی داستانیں ● شراب اور عورتیں شکست کا فوجی پہلو ہماری فوجی حکمت میں ایک بڑا خلا ● مشرقی پاکستان کا جنگی احوال ● ہتھیار ڈالنے کا مشورہ ● جنرل نیازی نے سنہری موقع کھو دیا ● ناقص قیادت، غلط معلومات ● پاکستان ایئرفورس کے حملہ مشن کی تفصیلات ● جنرل کا قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح تینوں فوجوں کے درمیان منصوبہ بندی کا فقدان ● فوج کی اعلیٰ کمان کی غلط فہمی ● شکست کے اخلاقی پہلو ● امریکی حکومت کا رویہ ● جرنیلوں کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے ● یحییٰ خاں کی ہٹ دھرمی ● مشرقی پاکستان کے خلاف دشمن کی استعداد کا اندازہ۔

Rs:1600

37۔مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان
فون:042-7239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com